BAUL(N) - 321

بی.اے.اُردو

سمسٹر ششم

BACHELOR OF ARTS (URDU)

SIXTH SEMESTER

MINOR VOC

ترجمہ نگاری

TARJUMA NIGARI

اُتراکھنڈ اوپن یونی ورسٹی، ہلدوانی (نینی تال)

SCHOOL OF HUMANITIES

UTTARAKHAND OPEN UNIVERSITY

HALDWANI (NAINITAL) - 263139

بی.اے.اُردو

BACHELOR OF ARTS (URDU)

سالِ سوم

THIRD YEAR

سمسٹر ششُم

SIXTH SEMESTER

بی.اے.یو.ایل.(این.) – ۳۲۱ – ترجمہ نگاری

BAUL(N) - 321, TARJUMA NIGARI

MINOR VOC

اُتراکھنڈاوپن یونی ورسٹی، ہلدوانی (نینی تال)

SCHOOL OF HUMANITIES

UTTARAKHAND OPEN UNIVERSITY

HALDWANI (NAINITAL) - 263139

سر پرستِ اعلیٰ:

پروفیسر نوین چندر لوہنی، وائس چانسلر، اُترا کھنڈ اوپن یونی ورسٹی، ہلدوانی۔

کمیٹی بورڈ آف اِسٹڈیز:

پروفیسر رینو پرکاش، ڈائریکٹر اسکول آف ہیومنٹیز ،اُترا کھنڈ اوپن یونی ورسٹی (UOU)، ہلدوانی۔

پروفیسر توقیر احمد خاں، ریٹائرڈ پروفیسر شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی۔

پروفیسر سید محمد ارشد رضوی، گورنمنٹ رضا پی .جی. کالج، رام پور، اُتر پردیش۔

ڈاکٹر شہپر شریف، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اردو، اُترا کھنڈ اوپن یونی ورسٹی، ہلدوانی۔

محمد افضل حسین، اسسٹنٹ پروفیسر وکورس کوآرڈِنیٹر شعبۂ اُردو، اُترا کھنڈ اوپن یونی ورسٹی، ہلدوانی۔

رجسٹرار:

شِری کھیم راج بھٹ، اُترا کھنڈ اوپن یونی ورسٹی، ہلدوانی۔

کورس کوآرڈِنیٹر و ایڈیٹر:

محمد افضل حسین (اُستادؔ بریلوی)، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اردو، اُترا کھنڈ اوپن یونی ورسٹی، ہلدوانی۔

© جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ ہیں

اس کتاب کا کوئی بھی حصّہ کسی بھی شکل میں یونی ورسٹی کی تحریری اجازت کے بغیر شائع نہ کیا جائے۔

یہ کتاب ''اُترا کھنڈ اوپن یونی ورسٹی، ہلدوانی'' کے بی. اے. اُردو سالِ سوم، سمسٹر شَشُم ،ترجمہ نگاری کے نصاب کا جزو ہے۔ مزید معلومات کے لئے یونی ورسٹی حکام یا صدرِ شعبۂ اُردو سے یونیورسٹی کے حسبِ ذیل پتے پر رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

DEPARTMENT OF URDU

UTTARAKHAND OPEN UNIVERSITY

UNIVERSITY ROAD, BEHIND TRANSPORT NAGAR (TEENPANI BYPASS)

HALDWANI - 263139 (NAINITAL) Phone : 05946 - 261122

BAUL(N) – 321 - TARJUMA NIGARI

Board of Studies

Prof. Renu Prakash
Director, School of Humanities,
Uttarakhand Open University, Haldwani

Prof. Syed Mohammad Arshad Rizvi
Department of Urdu,
Govt. Raza Post Graduate College, Rampur

Dr. Shahpar Shareef
Assistant Professor, Department of Urdu
Uttarakhand Open University, Haldwani

Prof. Tauqeer Ahmad Khan
Rtd. Professor, Department of Urdu
University of Delhi, New Delhi

Mohammad Afzal Husain
Head, Department of Urdu
Uttarakhand Open University, Haldwani

Vice Chancellor

Professor Naveen Chandra Lohani
Uttarakhand Open University,
Teen Pani By-pass Road, Haldwani - 263139

Registrar

Shri Khemraj Bhatt
Uttarakhand Open University,
Teen Pani By-pass Road, Haldwani - 263139

Programme Coordinator & Chief Editor

Mohammad Afzal Husain
Head, Department of Urdu
Uttarakhand Open University, Haldwani

Cover Page Design and Format Editing

Dr. Shahpar Shareef
Assistant Professor, Department of Urdu
Uttarakhand Open University, Haldwani (Nainital)
+91 9027699292 ✉ sshareef@uou.ac.in

Unit Writers	Unit No.	Unit Writers	Unit No.
Shane Ali	**UNIT – 01**	**Dr. Shahpar Shareef**	**UNIT - 07**
Shane Ali	**UNIT - 02**	**Dr. Shahpar Shareef**	**UNIT - 08**
Shane Ali	**UNIT - 03**	**Mohammad Salim**	**UNIT - 09**
Shane Ali	**UNIT - 04**	**Mohammad Salim**	**UNIT – 10**
Dr. Shahpar Shareef	**UNIT – 05**	**Mohammad Salim**	**UNIT - 11**
Dr. Shahpar Shareef	**UNIT – 06**	**Mohammad Salim**	**UNIT – 12**

پیش لفظ

اُتراکھنڈ اوپن یونی ورسٹی کا قیام اُتراکھنڈ قانون ساز اسمبلی کے ایک ایکٹ کے تحت ۳۱/ اکتوبر ۲۰۰۵ء کو عمل میں آیا جس کا مقصد فاصلاتی نظامِ تعلیم کے ذریعے آبادی کے بڑے حصے کے ایسے اَفراد کی تعلیمی ضرورتوں کی تکمیل ہے جو کسی مصروفیت یا مجبوری کے سبب کالجوں یا یونی وَرسٹیوں تک نہیں پہنچ پاتے ہیں۔ یونی ورسٹی کے تعلیمی پروگرام ''بیچلر آف آرٹ'' کے تحت ''بی.اے.اردو'' کو شامل کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بی.اے.اُردو سالِ سوم، سمسٹر ششُم ،ترجمہ نگاری کے نصاب کا جزو ہے۔ یہ کتاب ۱۲/ اکائیوں پر مشتمل ہے جو الگ الگ موضوعات پر مختلف اسباق کی شکل میں ہیں۔

عزیز طلبا و طالبات!

فاصلاتی نظامِ تعلیم کی کتابوں کو {خود تدریسی مواد {SLM}(Self Learning Material) کہا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو یہ مواد خود ہی پڑھنا ہے۔ روایتی درس گاہوں کے برخلاف اِسے پڑھانے کے لئے آپ کے سامنے استاد موجود نہیں ہوگا۔ اِس صورتِ حال کے تحت اسباق کو اِس طرح تیار کیا گیا ہے کہ آپ کو کلاس میں اپنی اور استاد کی موجودگی کا احساس ہو سکے۔ اِسی لئے ہر اکائی کا آغاز ''اغراض و مقاصد'' سے کیا گیا ہے تاکہ آپ کو اِس بات کا اندازہ ہو سکے کہ اکائی کو پڑھنے کا مقصد کیا ہے؟ اُس کے بعد ''تمہید'' دی گئی ہے جس میں سبق کو مختصر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اکائی کے درمیان ''اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے'' کے تحت کچھ سوالات بھی دِیے گئے ہیں تاکہ آپ نے جو کچھ پڑھا ہے، اُسے کس حد تک ذہن نشین کیا ہے؟ اِس بات کا بھی اندازہ لگایا جا سکے۔ کتاب کے آخر میں اُن سوالات کے جوابات بھی دِیے گئے ہیں لیکن آپ کو چاہیے کہ پہلے خود اُن سوالات کو حل کریں پھر آخر میں دِیے گئے جوابات سے اپنے جوابات ملالیں تاکہ آپ کو اپنی صلاحیت کا اندازہ بھی ہو اور آپ کی ذہنی ورزش بھی ہو جائے۔ امتحان میں آپ سے جس طرح کے سوالات پوچھے جائیں گے اُس کے نمونے بھی دِیے گئے ہیں۔ ساتھ ہی ہر اکائی کے آخر میں مشکل الفاظ کی ''فرہنگ'' اور ''حوالہ جاتی کتب'' کی فہرست بھی دی گئی ہے تاکہ آپ اُن کتابوں کے مطالعے سے اپنی معلومات میں مزید اضافہ کر سکیں۔

ہم آپ کی کام یابی کے لئے دعائیں اور نیک خواہشات پیش کرتے ہیں۔

ایڈیٹر

بی.اے.اُردو

(B.A.URDU)

سالِ سوم

THIRD YEAR

سمسٹر ششم

SIXTH SEMESTER

بی.اے. یو.ایل.(این.) - ۳۲۱- ترجمہ نگاری

BAUL(N) - 321, *TARJUMA NIGARI*

اکائی نمبر	مضمون	مضمون نگار	
بلاک نمبر 01:			**5**
اِکائی 1	ترجمہ کی تعریف اور خصوصیات	شانِ علی	6
اِکائی 2	ترجمہ کی قسمیں اور اصول	شانِ علی	17
اِکائی 3	اُردو میں ترجمہ نگاری کی روایت	شانِ علی	37
بلاک نمبر 02:			**55**
اِکائی 4	ترجمہ کے تقاضے	شانِ علی	56
اِکائی 5	مترجم کی خصوصیات	ڈاکٹر شہپر شریف	68
اِکائی 6	تراجم اور اصطلاحات	ڈاکٹر شہپر شریف	77
اِکائی 7	اردو کے علمی وفنی ترجمہ کے ادارے	ڈاکٹر شہپر شریف	86
بلاک نمبر 03:			**110**
اِکائی 8	اردو میں نثری ومنظوم ترجمہ میں فرق واحتیاط	ڈاکٹر شہپر شریف	111
اِکائی 9	اردو میں ادبی ترجمہ کے مسائل	محمد سالم	126
اِکائی 10	اردو میں آزاد، لفظی وعملی ترجمہ کے مسائل	محمد سالم	136
اِکائی 11	اردو میں مذہبی تراجم کی روایت واہمیت اور مسائل	محمد سالم	150
اِکائی 12	اُردو صحافت میں ترجمہ کی روایت واہمیت اور مسائل	محمد سالم	164

✵

بلاک نمبر 01

اکائی	01	ترجمہ کی تعریف اور خصوصیات	شانِ علی
اکائی	02	ترجمہ کی قسمیں اور اصول	شانِ علی
اکائی	03	اُردو میں ترجمہ نگاری کی روایت	شانِ علی

اکائی 01 ترجمہ کی تعریف اور خصوصیات

ساخت

01.01 : اغراض ومقاصد
01.02 : تمہید
01.03 : ترجمہ کی تعریف
01.04 : ترجمہ کی خصوصیات
01.05 : ترجمہ کی اہمیت وضرورت
01.06 : خلاصہ
01.07 : فرہنگ
01.08 : سوالات
01.09 : حوالہ جاتی کتب

01.01 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ ترجمہ کیا ہے؟ اس کی تعریف (لغوی اور اصطلاحی) اور اس کی خصوصیات کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت کا بھی تفصیل سے مطالعہ کریں گے۔ جس سے آپ کو ترجمہ کی تعریف اور اس کی خصوصیات کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ اس کے بعد اس اکائی کا خلاصہ پیش کیا جائے گا۔ اس اکائی میں فرہنگ بھی دی جائے گی جس کے ذریعے آپ مشکل الفاظ کے معانی سمجھ سکیں گے۔ اس کے بعد نمونہ امتحانی سوالات، معروضی سوالات اور ان کے جوابات پیش کیے جائیں گے۔ آخر میں حوالہ جاتی کتب پیش کی جائیں گی۔ اکائی کے مطالعے کے بعد آپ سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ آپ ترجمہ کی تعریف اور اس کی خصوصیات سے اچھی طرح سے واقف ہو جائیں گے۔

01.02 تمہید

علم وادب کی دنیا میں ترجمہ ایک ایسا پل ہے جو تہذیبوں، زبانوں اور افکار کے درمیان فاصلے مٹا کر رابطے کا ذریعہ بنتا ہے۔ یہ صرف الفاظ کا بدلاؤ نہیں بلکہ ایک زبان کی روح کو دوسری زبان میں سانس لینے کی اجازت دینے کا عمل ہے۔ جب ایک تخلیق کسی دوسری زبان میں ترجمہ کی صورت میں ڈھلتی ہے تو وہ نئی زندگی پاتی ہے اور یوں انسانی علم وثقافت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ ترجمہ صرف لغوی ترسیل کا نام نہیں بلکہ یہ ایک فن ہے جس میں مترجم کو دونوں زبانوں پر قدرت کے ساتھ ساتھ ادبی ذوق، ثقافتی شعور اور معنوی نزاکتوں کا فہم بھی درکار ہوتا ہے۔ اس فن میں الفاظ کی درستگی، جملوں کی ساخت اور متن کی معنوی گہرائی کو اصل صورت میں قائم رکھنا مترجم کی اصل آزمائش ہوتی ہے۔

یہ اکائی ’’ترجمہ کی تعریف اور خصوصیات‘‘ نہ صرف ترجمہ کے بنیادی تصورات کو واضح کرتی ہے بلکہ اس کے فکری، لسانی، ادبی اور فنی پہلوؤں کو بھی سامنے لاتی ہے۔اس کے مطالعے سے طالب علم کو یہ ادراک ہوتا ہے کہ ترجمہ محض ایک علمی سرگرمی نہیں بلکہ ایک فکری اور ثقافتی مشن بھی ہے، جو اقوامِ عالم کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔

01.03 ترجمہ کی تعریف

﴿ترجمہ کے لغوی واصطلاحی معنی﴾:

’’ترجمہ‘‘ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی ہیں: ’’بیان کرنا، اظہار کرنا، کسی بات کو دوسروں تک پہنچانا‘‘۔ فارسی اور اُردو میں بھی اس لفظ کا استعمال اسی مفہوم میں ہوتا ہے۔ اصطلاحاً ترجمہ سے مراد ہے: ’’ایک زبان میں موجود تحریر یا تقریر کو کسی دوسری زبان میں اس کے اصل مفہوم، اُسلوب اور مقصد کو باقی رکھتے ہوئے منتقل کرنا‘‘ ترجمہ محض الفاظ کے ادل بدل کا عمل نہیں، بلکہ یہ ایک فکری، ادبی اور تہذیبی سرگرمی ہے جس میں مترجم اصل مصنف کے خیالات، احساسات اور اُسلوب کو برقرار رکھتے ہوئے نئے قالب میں ڈھالتا ہے۔ ترجمہ کی تاریخی جھلک انسانی تمدّن کے آغاز سے ہی مختلف زبانوں کے درمیان ترسیل کی ضرورت محسوس کی گئی۔ قدیم مصر، یونان، ہندوستان اور چین میں مترجموں کا وجود پایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں پنڈتوں نے بدھ مت اور ویدوں کے متون کا سنسکرت سے پراکرت پھر فارسی اور عربی میں ترجمہ کیا۔ عباسی دَور میں ’’بیت الحکمت‘‘ جیسے ادارے قائم ہوئے جہاں یونانی فلسفہ کا عربی میں ترجمہ ہوا۔

یورپ میں ’’اندلس‘‘ کے ذریعہ عربی سے لاطینی ترجمے ہوئے جن سے مغرب میں نشاۃ الثانیہ (Renaissance) کی راہ ہموار ہوئی۔ نشاۃ الثانیہ ایک ایسا فکری اور تمدنی انقلاب تھا جس نے یورپ کی زنگ آلود فضا کو نئے فکری رنگوں سے آراستہ کیا اور قرونِ وسطیٰ (Medieval Period) کی تاریکیوں کو علم، فن، سائنس اور انسانی شعور کی روشنی سے منور کردیا۔ یہ محض ایک تاریخی دَور کا نام نہیں بلکہ انسانی شعور کے اِحیا، فکری بیداری، جمالیاتی حسِ اور سائنسی منہج کی تجدید کا عنوان ہے۔

عربی ترکیب ’’نشاۃ الثانیہ‘‘ کے لغوی معنی ہیں ’’دوسری پیدائش‘‘ یا ’’دوبارہ جنم لینا‘‘۔ اصطلاحاً اس کا اطلاق اُس دَور پر ہوتا ہے جب یورپ میں قرونِ وسطیٰ کے جمود کے بعد علوم وفنون میں نئی جان پڑی اور انسان نے فکری آزادی، فن کارانہ انکشاف اور سائنسی تجسس کی نئی راہیں دریافت کیں۔ نشاۃ الثانیہ کا آغاز اٹلی میں ۱۴ ویں صدی کے اواخر میں ہوا اور یہ تحریک ۱۷ ویں صدی تک پورے یورپ میں پھیل گئی۔ اس دَور کی بنیادیں یونانی و رُومی علمی ورثے کی بازیافت، انسان دوستی کے تصور (Humanism) اور تحقیق وجستجو کی روح پر رکھی گئیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دنیا دانتوں تلے انگلی دبا کر لیونارڈو ڈا ونچی، مائیکل اینجلو، گیلیلیو اور شیکسپیئر جیسے نابغہ ہائے روزگار کو دیکھ رہی تھی۔

نشاۃ الثانیہ نے سب سے گہرا اثر علمی وفکری مزاج پر ڈالا۔ جامعات میں منطق، طب، فلسفہ، ریاضی اور فلکیات جیسے مضامین کو از سرِ نو پڑھایا گیا۔ انسان محض مذہبی تسلیم ورضا کے شکنجے سے نکل کر علمِ تحقیق اور تجربہ کی روش پر گامزن ہوا۔ سائنس نے مذہب کے خوف سے نکل کر تجرباتی بنیاد پر دنیا کو سمجھنا شروع کیا۔ ادب کے اُفق پر نشاۃ الثانیہ کا ظہور ایک شعوری انقلاب تھا۔ شاعری، ڈرامہ، افسانہ اور فلسفیانہ نثر میں انسانی تجربات، جذبات اور احساسات کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی۔ شیکسپیئر کی تخلیقات میں جو نفسیاتی گہرائی اور تہذیبی پیچیدگی نظر آتی ہے، وہ اسی دَور کی عطا ہے۔ یہ دَور آزادیٔ فکر، شخصیت کی انفرادیت اور سماجی شعور کی بیداری کا دَور تھا۔ کلیسا کے اندھے تسلّط کو چیلنج کیا گیا۔ انسان نے

اپنے اردگرد کی دنیا پر سوالات اٹھانا سیکھا اور زندگی کو محض مذہبی نظریات کی قید سے نکال کر عقلی وفطری زاویوں سے جانچنا شروع کیا۔ نشاۃ الثانیہ اور اسلامی تہذیب امر قابلِ توجہ ہے کہ یورپی نشاۃ الثانیہ کی بنیادوں میں اندلس اور بغداد کی اسلامی درسگاہوں کی علمی روایتیں شامل تھیں۔ ابنِ رشد، ابنِ سینا، رازی، فارابی اور الخوارزمی جیسے مسلم مفکرّین کے تراجم نے یورپ کے ذہن کو نئی توانائی عطا کی۔

نشاۃ الثّانیہ انسانی تاریخ کا وہ نقطۂ آغاز ہے جہاں سے انسانی شعور، فن، سائنس اور ادب نے ایک نئی زندگی پائی۔ یہ دَور نہ صرف یورپ بلکہ پوری دنیا کے لئے تحریکِ بیداری بن گیا۔ آج کی دنیا کا سائنسی وفکری منظرنامہ اسی دَور کی دین ہے۔ لہٰذا نشاۃ الثانیہ کو محض ایک تاریخی لمحہ نہیں بلکہ انسانی عقل و وجدان کے احیا کی علامت سمجھنا چاہیے، جس نے انسان کو خود کو پہچاننے اور دنیا کو نئے زاویے سے دیکھنے کا حوصلہ دیا۔ ترجمہ دراصل علمی وراثت کا تبادلہ ہے جس نے علوم وفنون کو ایک زبان سے دوسری زبان تک منتقل کر کے انسانیت کو فائدہ پہنچایا۔

01.04 ترجمہ کی خصوصیات

انسانی تہذیب کے ارتقا میں زبان کو وہی مقام حاصل ہے جو جسم میں روح کو۔ زبان کے بغیر نہ شعور کی ترسیل ممکن ہے نہ افکار کا اشتراک۔ جب دو مختلف لسانی وحدتیں ایک دوسرے سے ربط پیدا کرتی ہیں تو وہاں ''ترجمہ'' ایک ناگزیر پُل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ترجمہ محض الفاظ کی تبدیلی نہیں بلکہ ایک تہذیبی، فکری اور جمالیاتی عمل ہے، جو ایک زبان کی معنوی ولسانی روح کو دوسری زبان میں سانس لینے کا موقع دیتا ہے۔

﴿ترجمہ: فکری و جمالیاتی عمل﴾:

ترجمہ دراصل ایک تخلیقی، فکری اور فنی سرگرمی ہے۔ مترجم نہ صرف الفاظ کو منتقل کرتا ہے بلکہ اصل متن کی روح، لہجہ، آہنگ، جذبہ اور پس منظر کو بھی ہمراہ لاتا ہے۔ ایک کامیاب ترجمہ وہی ہے جو قاری کو یوں محسوس ہو کہ وہ اصل زبان میں لکھا گیا ہو اور اس میں نہ اجنبیت ہو نہ بیزاری۔

﴿۱﴾ اصل متن کی معنویت کا تحفظ:

ترجمہ کی سب سے بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اصل تحریر کی معنویت کو متاثر کیے بغیر دوسری زبان میں منتقل کرے۔ اگر معنی کا ترجمہ نہ ہو بلکہ صرف الفاظ کا، تو ترجمہ بے جان اور ناقص ہو جاتا ہے۔ ایک کامیاب مترجم لفظ کے پیچھے چھپے ہوئے مفہوم کو پہچانتا ہے اور اسے مناسب ترین الفاظ میں پیش کرتا ہے۔

﴿۲﴾ ثقافتی مطابقت:

ہر زبان اپنے ساتھ ایک ثقافت، ایک تہذیبی شناخت اور مخصوص اندازِ فکر رکھتی ہے۔ ترجمہ صرف لسانی نہیں بلکہ تہذیبی ترسیل کا بھی کام انجام دیتا ہے۔ مترجم کو اس امر کا بخوبی ادراک ہونا چاہیے کہ جس خیال کو وہ منتقل کر رہا ہے، وہ دوسری زبان اور ثقافت میں کس زاویے سے سمجھا جائے گا۔

﴿۳﴾ اُسلوب اور لہجے کی ہم آہنگی:

ترجمہ کا ایک نازک پہلو یہ ہے کہ اصل مصنف کے اُسلوب اور لہجے کو برقرار رکھا جائے۔ ایک طنزیہ جملے کو اگر سنجیدگی سے ترجمہ کیا جائے تو معنی میں بڑی تبدیلی آسکتی ہے۔ اسی طرح شاعرانہ نثر، علمی عبارت، یا ادبی فضا رکھنے والے متن کا ترجمہ کرتے وقت مترجم کو وہی فضا اور آہنگ پیدا کرنا ہوتا ہے۔

﴿۴﴾ سلیس اور رواں زبان:

اچھا ترجمہ وہی ہے جو سادہ، رواں اور قابلِ فہم ہو۔ اگر ترجمہ میں زبان اُلجھی ہوئی، بھاری یا غیر فطری ہو تو قاری نہ صرف متن سے بیزار ہو جائے گا بلکہ ترجمہ کی افادیت بھی مجروح ہوگی۔ مترجم کو چاہیے کہ وہ ایسی زبان اختیار کرے جو مقامی قاری کے ذوق و فہم سے ہم آہنگ ہو۔

﴿۵﴾ اصل مواد کی وفاداری:

ترجمہ کی ایک اہم خصوصیت ''امانت'' یا ''وفاداری'' ہے۔ مترجم کو اپنی ذاتی پسند یا تعصّبات سے بالاتر ہو کر اصل مصنف کے خیالات کی سچائی کے ساتھ نمائندگی کرنی چاہیے۔ کسی جملے کو کم یا زیادہ کرنا، یا اس کے مفہوم کو جان بوجھ کر تبدیل کرنا، ایک غیر اخلاقی اور غیر پیشہ ورانہ روش ہے۔

﴿۶﴾ لسانی مہارت اور فنی شعور:

مترجم کو دونوں زبانوں پر کامل عبور حاصل ہونا ضروری ہے۔ صرف لغوی علم کافی نہیں بلکہ زبان کے محاورات، اصطلاحات، روزمرّہ، علائم (symbolism) اور لہجے کی بھی سمجھ ہونی چاہیے۔ ترجمہ ایک ایسی نازک سرگرمی ہے جہاں ذرا سی لغزش قاری کو معنی سے دُور کر دیتی ہے۔

﴿۷﴾ صنفی تفریق اور ادبی نوعیت کی شناخت:

ترجمہ کے دَوران اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اصل تحریر کس صنف سے متعلق ہے مثلاً نظم، افسانہ، مضمون، ناول یا ڈرامہ۔ ہر صنف کا اپنا ایک انداز، آہنگ اور فضا ہوتی ہے۔ افسانے کا ترجمہ کرتے وقت مکالمات کی طبعی روانی، کرداروں کی نفسیات اور منظر کشی کو ترجمے میں بخوبی منتقل کرنا لازم ہے۔

﴿۸﴾ ترجمہ میں تخلیقی عنصر:

اگرچہ ترجمہ بذاتِ خود ایک تفہیمی عمل ہے لیکن اس میں تخلیقی شان کا ہونا ضروری ہے۔ مترجم کو بعض اوقات ایسا مناسب جملہ یا ترکیب وضع کرنا پڑتی ہے جو اصل زبان میں نہیں ملتی لیکن مفہوم کو عین اسی شدت سے بیان کرتی ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں ترجمہ تخلیق بن جاتا ہے۔

﴿۹﴾ **موضوعات کی حساسیت کا لحاظ:**

کئی مرتبہ ترجمہ میں مذہبی، سماجی یا سیاسی پہلو بہت اہم ہوتے ہیں۔ مترجم کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ کس سماج میں ترجمہ کر رہا ہے اور اس سماج کی حساسیتیں کیا ہیں۔ ترجمہ ایسا ہونا چاہیے جو نہ صرف اصل مصنف کی نیت کو ظاہر کرے، بلکہ قاری کے احترام کو بھی ملحوظ رکھے۔

﴿۱۰﴾ **اصطلاحات کا انتخاب:**

علمی اور فنی متون کے ترجمے میں اصطلاحات کا صحیح انتخاب بہت اہمیت رکھتا ہے۔ مترجم کو یہ فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ یا کسی اصطلاح کا ترجمہ کیا جائے، یا اُسے جوں کا توں چھوڑ دیا جائے۔ بسا اوقات ترجمہ شدہ اصطلاح اصل مفہوم کو نہیں پہنچاتی، لہٰذا مترجم کو یہاں نہایت شعوری فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔

ترجمہ ایک ایسا عمل ہے جو زبانوں کے بیچ نہیں بلکہ دلوں اور دماغوں کے بیچ رشتہ قائم کرتا ہے۔ یہ صرف علم کی ترسیل نہیں بلکہ احساسات، ثقافتوں اور افکار کی ترسیل بھی ہے۔ ایک کامیاب مترجم وہی ہے جو غیر مرئی پل تعمیر کر سکے اور قاری کو یہ محسوس نہ ہو کہ وہ کسی ترجمہ شدہ متن کو پڑھ رہا ہے۔ ترجمہ کی اصل خوبی یہی ہے کہ وہ اصل سے قریب ترین ہو مگر اپنی زبان میں مکمل، خوب صورت اور بے ساختہ نظر آئے۔

01.05 ترجمہ کی اہمیت وضرورت

زبان صرف اظہار کا ذریعہ نہیں بلکہ تہذیب، علم، احساس اور فکر کا آئینہ بھی ہے۔ ہر قوم کی زبان اُس کی تہذیبی روح کی نمائندہ ہوتی ہے اور جب یہ زبان دوسری زبانوں سے ہم کلام ہوتی ہے تو ترجمہ ایک لازمی کردار ادا کرتا ہے۔ ترجمہ وہ مقدّس عمل ہے جو زبانوں کے بیچ پُل بناتا ہے، تہذیبوں کے درمیان ربط پیدا کرتا ہے اور انسان کو انسان سے جوڑتا ہے۔

﴿۱﴾ **علمی دنیا میں ترجمہ کی اہمیت:**

ترجمہ کی بدولت ہی علومِ قدیمہ اور جدیدہ کا انتقال ممکن ہوا۔ یونانی فلسفہ، عربی سائنس، فارسی ادب اور مغربی افکار، یہ سب ترجمہ ہی کے ذریعے اقوامِ عالم تک پہنچے۔ اگر ترجمہ نہ ہوتا تو سقراط و افلاطون کی صدائیں صدیوں کی خاموشیوں میں گم ہو جاتیں اور ابنِ رشد و ابنِ سینا کے خیالات آج بھی عربی کی جیل میں قید ہوتے۔ دنیا کی ہر علمی تحریک نے ترجمہ کو بطور محرک استعمال کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترجمہ کو ''علم کی ترسیل کا زینہ'' کہا جاتا ہے۔

﴿۲﴾ **لسانی ہم آہنگی میں ترجمہ کی ضرورت:**

جب دو مختلف زبانیں ایک دوسرے سے متعارف ہوتی ہیں تو ابتدائی واسطہ ترجمہ ہی بنتا ہے۔ ترجمہ نہ صرف زبانوں کے بیچ سمجھ کا ذریعہ ہے بلکہ لسانی محبت و ہم آہنگی کی بنیاد بھی ہے۔ ترجمہ ایک ایسا آلہ ہے جو لسانی تفریق کو ختم کرتا ہے اور باہمی احترام کی فضا کو پروان چڑھاتا ہے۔

﴿۳﴾ ادب میں ترجمہ کی معنویت:

دنیا کے عظیم ادب کا ذائقہ ترجمے کے بغیر ممکن نہیں۔ ٹالسٹائی، شیکسپیئر، غالبؔ، فیضؔ، ٹیگور، پابلو نرودا۔ ان سب کی عظمت سے دنیا تبھی روشناس ہوئی جب اُن کے افکار و جذبات کو مختلف زبانوں میں منتقل کیا گیا۔ ترجمہ ادب کے روحانی رنگوں کو دوسری تہذیبوں میں روشناس کرواتا ہے۔ ایک عمدہ ترجمہ قاری کو ایسا محسوس کرواتا ہے جیسے اصل تخلیق اسی کی زبان میں ہو۔

﴿۴﴾ بین الثقافتی مکالمے کی ضرورت:

عصرِ حاضر میں جہاں دنیا ایک عالمی گاؤں (Global Village) کی صورت اختیار کر چکی ہے، وہاں مختلف تہذیبوں، مذاہب اور افکار کے مابین مکالمہ ناگزیر ہے۔ اس مکالمے کو اگر کوئی چیز ممکن بناتی ہے تو وہ ترجمہ ہے۔ چاہے بین الاقوامی سیاست ہو، مذاہب کے درمیان ہم آہنگی ہو یا ادبی تبادلۂ خیال۔ ترجمہ ہر جگہ مرکزی کردار ادا کرتا ہے۔

﴿۵﴾ مذہبی افکار کی اشاعت میں ترجمہ کی اہمیت:

اسلامی تعلیمات، قرآن مجید اور حدیثِ مبارکہ کو دنیا کے مختلف گوشوں میں پہنچانے کے لئے ترجمہ ایک نہایت اہم ذریعہ ہے۔ ترجمہ نے دینِ اسلام کے پیغام کو دنیا کی درجنوں زبانوں میں منتقل کیا ہے۔ یہی حال دیگر مذاہب کا بھی ہے۔ ترجمہ نہ ہوتا تو خدا کا پیغام محدود ہو کر ایک قوم تک رہ جاتا، جب کہ اُس کی رحمت تو عالمین کے لئے ہے۔

﴿۶﴾ تعلیمی میدان میں ترجمہ کی ناگزیر حیثیت:

نصاب سازی، تدریس، تحقیق اور اعلیٰ تعلیم میں ترجمہ ایک بنیادی ضرورت ہے۔ دنیا کے جدید علوم و فنون جن میں سائنس، طب، ٹیکنالوجی، معاشیات، سماجیات اور نفسیات شامل ہیں۔ ان سب کا اُردو، ہندی، عربی یا دیگر زبانوں میں ترجمہ ہونا ناگزیر ہے تاکہ نئی نسل اپنی زبان میں تعلیم حاصل کر کے علمی خود کفالت کی طرف بڑھے۔

﴿۷﴾ سیاسی، تجارتی اور سفارتی دنیا میں ترجمہ:

آج کی دنیا میں ترجمہ عالمی سیاست اور سفارت کاری کا لازمی عنصر ہے۔ اقوامِ متحدہ، یورپی یونین، اسلامی کانفرنس، یا کسی بین الاقوامی معاہدے میں ترجمہ کا کردار بنیادی ہوتا ہے۔ اسی طرح بین الاقوامی تجارت میں معاہدوں، دستاویزات اور اشتہارات کا ترجمہ تجارت کے فروغ کا ذریعہ بنتا ہے۔

﴿۸﴾ ذرائع ابلاغ میں ترجمہ کی بڑھتی ہوئی اہمیت:

ڈیجیٹل میڈیا، فلم، انٹرنیٹ، سوشل میڈیا اور خبروں کے میدان میں ترجمہ کی اہمیت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ دنیا کے کسی ایک حصے میں بننے والا مواد جب ترجمے کے ذریعے دنیا بھر میں پہنچتا ہے تو وہ نہ صرف معلومات فراہم کرتا ہے بلکہ رائے سازی میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔

﴿۹﴾ ترجمہ: علمی خودمختاری کا ذریعہ:

ایک ایسی قوم جو دوسروں کے علمی سرمایے کو اپنی زبان میں منتقل کر لے، وہ ترقی کے راستے پر گامزن ہو جاتی ہے۔ ترجمہ نہ صرف علوم کو عوام تک پہنچاتا ہے بلکہ فکری آزادی اور قومی تشخص کو بھی پروان چڑھاتا ہے۔ جو قومیں ترجمہ کو سنجیدگی سے لیتی ہیں، وہ علمی خودمختاری حاصل کرتی ہیں اور جو غافل ہوتی ہیں وہ فکری غلامی کا شکار ہو جاتی ہیں۔

ترجمہ محض الفاظ کی تبدیلی نہیں بلکہ ایک فکری، تہذیبی، لسانی اور انسانی عمل ہے۔ یہ دلوں کو جوڑتا ہے، ذہنوں کو روشن کرتا ہے اور اقوام کو قریب لاتا ہے۔ آج کے تیز رفتار، عالمگیر اور متنوّع معاشرے میں ترجمہ کی اہمیت اور ضرورت ہر شعبے میں تسلیم کی جا چکی ہے۔ اگر قوموں کو ترقی، فکری خودکفالت، بین الثقافتی ہم آہنگی اور علمی بلندی حاصل کرنی ہے، تو انہیں ترجمے کے میدان کو سنجیدگی سے اپنانا ہوگا۔ کیوں کہ ترجمہ ہی وہ آئینہ ہے جس میں اقوام ایک دوسرے کا چہرہ پہچان سکتی ہیں۔

01.06 خلاصہ

ترجمہ محض زبانوں کے درمیان الفاظ کی تبدیلی نہیں بلکہ تہذیبوں، خیالات، احساسات اور علوم کے مابین ایک زندہ و بیدار رشتہ ہے۔ یہ ایک ایسا تخلیقی عمل ہے جس کی جڑیں لسانی مہارت، فکری بصیرت، تہذیبی شعور اور علمی وفاداری میں پیوست ہوتی ہیں۔ انسان جب مختلف لسانی و فکری دنیاؤں سے ربط پیدا کرتا ہے تو ترجمہ وہ ذریعہ بنتا ہے جو فاصلے مٹاتا، اجنبیت ختم کرتا اور فہم کے دروازے کھولتا ہے۔

ترجمے کی اہمیت اس وقت دوچند ہو جاتی ہے جب ہم تاریخِ انسانی پر نگاہ ڈالتے ہیں۔ علومِ یونانی کا عربی میں ترجمہ، اسلامی فلسفے کا لاطینی میں ترجمہ اور مغربی سائنسی افکار کا مشرقی زبانوں میں ترجمہ، یہ سب انسانی ترقی کی روشن مثالیں ہیں۔ اگر ترجمہ نہ ہوتا تو نہ سقراط سے رشتہ ممکن ہوتا، نہ غالبؔ کی شاعری عالمی اُفق پر پہنچتی اور نہ قرآن کا پیغام کثیر لسانی دنیا میں عام ہوتا۔ ترجمہ کی ضرورت ہر اس لمحے پر عیاں ہوتی ہے جب دو مختلف تہذیب مکالمہ کرنا چاہیں یا دو قومیں باہم تعاون کی خواہش رکھیں۔ علمی دنیا میں نصاب سازی، تحقیق اور تدریس کا انحصار ترجمے پر ہے، تو تجارتی اور سفارتی سطح پر معاہدات و بیانات بھی ترجمے ہی کے مرہونِ منت ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ڈیجیٹل میڈیا اور سوشل نیٹ ورکس میں بھی ترجمے کی قوت ثقافتوں کو جوڑنے کا کام کر رہی ہے۔

اس اکائی میں ترجمے کی خصوصیات کو مختلف پہلوؤں سے اُجاگر کیا گیا ہے۔ اصل معنی کی حفاظت، ثقافتی مطابقت، لہجے اور اُسلوب کا تسلسل، سلیس و رواں زبان، علمی و اخلاقی امانت، تخلیقی بصیرت، لسانی مہارت، صنفی اور فنی شعور، حساس موضوعات میں اعتدال اور اصطلاحات کا فکری انتخاب۔ آخر میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ ترجمہ محض ایک فن نہیں بلکہ ایک ذمہ داری ہے، جو فکری شفافیت، تہذیبی ہم آہنگی اور علمی ترویج کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔

مذکورہ سبق اس بات کا مکمل اشاریہ ہے کہ اگر کوئی قوم علمی خودکفالت، تہذیبی وقار اور فکری سربلندی چاہتی ہے، تو اسے ترجمہ کے عمل کو نہایت سنجیدگی، دیانت اور شعور کے ساتھ اپنانا ہوگا۔ کیوں کہ ترجمہ صرف لفظوں کا نہیں، دِلوں اور ذہنوں کا تبادلہ ہے۔

01.07 فرہنگ

آلودفضا	: جس ہوا میں گرد، دھواں یا گیسیں شامل ہوں	ذرائع ابلاغ	: ذریعے یا وسیلے جن سے خیالات اور اطلاعات وغیرہ عام لوگوں تک پہنچائی جائیں یعنی اخبار، ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ
آلہ	: ذریعہ، وسیلہ، اوزار		
آہنگ	: آواز، نغمہ، انداز، ڈھنگ		
اِحیا	: زندہ کرنا، جان ڈالنا	عبور	: مہارت، پار کرنا
اخذ	: حاصل کرنا، حصول	عصرِ حاضر	: موجودہ زمانہ، دورِ حاضر
ادراک	: فہم و شعور، تصور، خیال	علامت	: نشان، شناخت، پتا، مہر، چھاپ
ازسرِنو	: نئے سرے سے، دوبارہ، پھر سے	عنصر	: اصل، بنیاد، منفرد شے
اشتراک	: شرکت، ساجھا، میل جول	غیر مرئی	: جو آنکھوں سے دکھائی نہ دے، خیالی
اضطراب	: بے چینی، بے قراری	فہم	: عقل، سمجھ
اطلاق	: کسی قسم کی قید یا شرط نہ لگانا	قالب	: جسم، سانچہ، تن بدن
اُفق	: آسمان کا کنارہ جو زمین سے ملا ہوا دکھے	قرونِ وسطیٰ	: درمیانی زمانہ
افکار	: فکر کی جمع، فکریں، خیالات	کفالت	: ذمہ داری یا وکالت، ضمانت
اقوامِ عالم	: دنیا کی قومیں	گامزن	: تیزی کے ساتھ چلنے والا
امر	: حکم، فرمان، ارداہ، حال	لسانی	: زبان (بولی)، سے متعلق یا منسوب زبان کا
انتخاب	: چننا، منتخب کرنا، چھانٹنا	لغزش	: غلطی، خطا، پھسلن
انفرادیت	: تنہائی، اکیلا پن، منفرد	مترجم	: ترجمہ کرنے والا
انکشاف	: اظہار، افشا، ظہور، پردہ داری ختم کرنا	متنوع	: مختلف اقسام، قسم قسم کا، طرح طرح کا
بازیافت	: واپس کرنا، دوبارہ حاصل کرنا	متون	: متن کی جمع
بے ساختہ	: غور و فکر کیے بغیر، بلا ارادہ	مجروح	: زخمی، گھائل
بین الاقوامی	: وہ بات جس میں کل قومیں شریک ہوں	محرک	: ہلانے والا، جنبش دینے والا
تاریکیوں	: اندھیرے، سیاہی، تیرگی	مرکزی	: درمیانی، بیچ کا، وسطیٰ
تجدید	: نیا کرنا، تازہ کرنا	مرہونِ منت	: ممنون، احسان مند، شکر گزار
تحفظ	: محفوظ رکھنا، حفاظت کرنا، بچانا	مصنف	: کتاب یا مضمون لکھنے والا
تدریس	: درس دینا، تعلیم، پڑھائی	معاہدہ	: باہمی عہد و پیمان، عہد نامہ، قول و قرار
ترسیل	: روانہ کرنا، بھیجنا، ارسال کرنا	ملحوظ	: جس کا خیال یا لحاظ رکھا جائے

ترویج	:	رواج، شہرت، چلن، اشاعت	منفرد	:	تنہا، اکیلا، یکتا
تسلّط	:	غلبہ، حکومت، زور	منہج	:	طریقہ، سڑک، رستہ
تشخص	:	پہچان، شناخت	نابغہ	:	نہایت اعلیٰ ذہین صلاحیتوں کا مالک
تعصب	:	غیر منصفانہ، جانب داری، بے جا حمایت	ناقص	:	نامکمل، ادھورا
تفریق	:	علیحدگی، جدائی، تقسیم	نشاۃ الثانیہ	:	کسی چیز کی دوسری پیدائش یا دوبارہ سے بنانا
تفہیم	:	اچھی طرح سمجھنا، معلوم ہونا، علم میں آنا	نفسیاتی	:	ذہنی یا دماغی کیفیت
تمدن	:	شہری بود و باش، سماجی زندگی، تہذیب	واقف	:	جاننا، باخبر ہونا
ثقافت	:	رسم و رواج، تہذیب	وجدان	:	یقین، اعتماد، بھروسا
جمود	:	جماؤ، سختی	وحدت	:	ایک، اتحاد، ایک ہونا
دیانت	:	صداقت، ایمان داری، حقیقت پسندی	وسیع	:	بڑا، چوڑا یا دور تک پھیلا ہوا

01.08 نمونہ امتحانی سوالات

الف: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰/۱۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر ۱ : ترجمہ کی تعریف تفصیل سے بیان کیجیے؟

سوال نمبر ۲ : ترجمہ کی اہمیت و ضرورت پر اظہار خیال کیجیے؟

سوال نمبر ۳ : اکائی میں شامل ترجمہ کی خصوصیات کو اپنے الفاظ میں پیش کیجیے؟

ب: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰/۳۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر ۱ : ترجمہ کیا ہے؟ اس پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

سوال نمبر ۲ : اکائی میں شامل ۳ ترجمہ نگاروں کے نام لکھیے؟

سوال نمبر ۳ : دورِ حاضر میں ترجمہ کی کیا اہمیت ہے؟ روشنی ڈالیے۔

معروضی سوالات

سوال نمبر ۱ : علم و ادب کی دنیا میں......ایک ایسا پل ہے جو تہذیبوں، زبانوں اور افکار کے درمیان فاصلے مٹا کر رابطے کا ذریعہ بنتا ہے؟

(الف) ترجمہ (ج) افسانہ

(ب) نظم (د) ہائکو

سوال نمبر ۲ : ترجمہ کیا ہے؟

(الف) بات میں بات بڑھانا (ج) ایک زبان کو دوسری زبان میں صحیح طور پر منتقل کرنا

(ب) گمان پیدا کرنا (د) بات کو گھمانا

سوال نمبر۳ : ''ترجمہ کا فن اور روایت'' کے مصنف کا نام کیا ہے؟

(الف) پروفیسر قمر رئیس (ج) حسرتؔ

(ب) مرزا غالبؔ (د) فراقؔ

سوال نمبر۴ : آہنگ کا معنی کیا ہے؟

(الف) دکھ (ج) آواز یا نغمہ

(ب) درد (د) پریشانی

سوال نمبر۵ : ''فن ترجمہ نگاری'' کس مصنف کی کتاب کا نام ہے؟

(الف) ضمیر (ج) حنیف

(ب) شفیق (د) ڈاکٹر خلیق

سوال نمبر۶ : فکر کی جمع کیا ہے؟

(الف) باتیں (ج) انجام

(ب) افکار (د) ان میں سے کوئی نہیں

سوال نمبر۷ : لفظ ''دیانت'' کا معنی کیا ہے؟

(الف) آدمی (ج) ارمان

(ب) بولنا (د) صداقت یا ایمان داری

سوال نمبر۸ : ''دراصل ایک تخلیقی، فکری اور فنی سرگرمی ہے۔مترجم نہ صرف الفاظ کو منتقل کرتا ہے بلکہ اصل متن کی روح، لہجہ، آہنگ، جذبہ اور پس منظر کو بھی ہمراہ لاتا ہے۔'' یہ الفاظ کس کے لئے بیان کیے گئے ہیں؟

(الف) نعت (ج) ترجمہ

(ب) نظم (د) غزل

سوال نمبر۹ : ''تدریس'' کا مطلب کیا ہے؟

(الف) درس دینا (ج) دل دکھانا

(ب) مجاز (د) بات نہ ماننا

سوال نمبر۱۰ : ''مجروح'' کا مترادف لفظ کیا ہے؟

(الف) مارنا (ج) مراد

(ب) زخمی (د) وفات

معروضی سوالات کے جوابات

جواب نمبر۱ : (الف) ترجمہ
جواب نمبر۲ : (ج) ایک زبان کو دوسری زبان میں صحیح طور پر منتقل کرنا
جواب نمبر۳ : (الف) پروفیسر قمر رئیس
جواب نمبر۴ : (ج) آواز یا نغمہ
جواب نمبر۵ : (د) ڈاکٹر خلیق
جواب نمبر۶ : (ب) افکار
جواب نمبر۷ : (د) صداقت یا ایمان داری
جواب نمبر۸ : (ج) ترجمہ
جواب نمبر۹ : (الف) درس دینا
جواب نمبر۱۰ : (ب) زخمی

01.09 حوالہ جاتی کتب

۱۔ ترجمہ: روایت وفن از نثار احمد قریشی
۲۔ ترجمہ فن اور روایت از پروفیسر قمر رئیس
۳۔ فن ترجمہ نگاری از ڈاکٹر خلیق

✵

اکائی 02 ترجمہ کی قسمیں اور اصول

ساخت

02.01 : اغراض و مقاصد

02.02 : تمہید

02.03 : ترجمہ نگاری کے بنیادی لوازمات

02.04 : ترجمہ کی قسمیں

02.05 : ترجمہ کے اُصول

02.06 : خلاصہ

02.07 : فرہنگ

02.08 : سوالات

02.09 : حوالہ جاتی کتب

02.01 اغراض و مقاصد

اس اکائی میں آپ ''ترجمہ'' کیا ہے؟ اس کی تعریف (لغوی اور اصطلاحی) اس کی قسمیں اور اس کے اُصول کا بھی تفصیل سے مطالعہ کریں گے۔ جس سے آپ کو ترجمہ کی قسمیں اور اس کے اُصول کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ اس کے بعد ہم آپ کے لئے اس اکائی کا خلاصہ پیش کریں گے۔ اس اکائی میں فرہنگ بھی دی جائے گی جس کے ذریعے آپ مشکل الفاظ کے معانی سمجھ کر اکائی کو اچھی طرح سمجھ لیں گے۔ اس کے بعد نمونہ امتحانی سوالات، معروضی سوالات اور ان کے جوابات پیش کیے جائیں گے۔ آخر میں حوالہ جاتی کتب پیش کی جائیں گی۔ اکائی کے مطالعے کے بعد آپ سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ آپ ترجمہ کی قسمیں اور اس کے اُصول سے اچھی طرح سے واقف ہو جائیں گے۔

02.02 تمہید

ترجمہ ایک فکری و لسانی ضرورت ہے۔ دنیا کی ہر زبان اپنے اندر ایک تہذیب، ایک فکر اور ایک طرزِ احساس لیے ہوتی ہے۔ انسان جب کسی دوسری زبان کے افکار و خیالات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے ایک ایسے وسیلے کی ضرورت پیش آتی ہے جو ان دو دنیاؤں کے درمیان رابطہ قائم کر سکے۔ یہی وسیلہ ترجمہ ہے۔ ترجمہ محض لفظوں کی تبدیلی کا عمل نہیں بلکہ فکر کی منتقلی کا ایک نہایت باریک اور دقیق فن ہے۔ یہ فن نہ صرف لسانی صلاحیت کا متقاضی ہے بلکہ ایک عمیق فہم، جمالیاتی شعور اور ثقافتی آگہی کا بھی طالب ہے۔ زبانوں کے درمیان فاصلہ دراصل تہذیبوں کے درمیان فاصلہ ہے اور ترجمہ وہ پُل ہے جو ان فاصلوں کو مٹا دیتا ہے۔ جب ایک قوم کا ادب دوسری زبان میں منتقل ہوتا ہے تو وہ نئی سرزمین کے ذہن و ذوق میں اپنی جڑیں پھیلاتا ہے۔ یوں ترجمہ نہ صرف زبانوں کو قریب لاتا ہے بلکہ انسانی تجربے کی وسعت کو بھی بڑھا دیتا ہے۔

﴿۱﴾ ترجمہ کی تاریخی معنویت:

انسانی تاریخ میں ترجمہ ہمیشہ علم وتہذیب کی ترقی کا سبب بنا ہے۔ یونانی فلسفہ جب عربی میں منتقل ہوا تو ایک علمی بیداری کی لہر اٹھی جس نے اسلامی دنیا کو علمی مرکز بنا دیا۔ اسی طرح عربی متون کے لاطینی اور انگریزی ترجموں نے یورپ کے علمی احیا میں بنیادی کردار ادا کیا۔ یہی وہ عمل ہے جس نے اقوامِ عالم کے درمیان فکری اشتراک کو ممکن بنایا۔ اُردو زبان میں ترجمے کا آغاز فارسی متون سے ہوا۔ بعد ازاں انگریزی اور عربی سے تراجم کے ذریعے اُردو ادب نے ایک نئی وسعت حاصل کی۔ انیسویں صدی میں ترجمہ محض علم کی ترسیل نہیں رہا بلکہ تخلیقی عمل بن گیا۔ یوں اُردو نثر نے ترجمے کے ذریعے ایک نئے اسلوب، نئے الفاظ اور نئی فکری جہتوں کو جنم دیا۔

﴿۲﴾ ترجمہ کی اہمیت:

ترجمہ دراصل تفہیم اور تفاہم کا آلہ ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے انسان اپنی حدود سے باہر نکل کر دوسروں کی دنیا کو سمجھنے لگتا ہے۔ ترجمے کے بغیر دنیا کی فکری تاریخ، مذہبی متون، سائنسی تحقیقات اور ادبی تخلیقات ایک محدود دائرے تک مقید رہتیں۔ ادب کے میدان میں ترجمہ نہ صرف ایک فن ہے بلکہ ایک خدمت بھی ہے۔ یہ مصنف کے احساسات کو نئی زبان میں زندہ کرتا ہے اور قاری کو ایک نئی تہذیب سے روشناس کراتا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ مترجم ایک معنی میں، دوسرا مصنف ہوتا ہے جو کسی اور کے تخیل کو نئی زبان میں دوبارہ تخلیق کرتا ہے۔

﴿۳﴾ ترجمہ کی معنوی گہرائی:

ترجمہ کی اصل روح امانت داری اور تخلیقیت کے سنگم میں پوشیدہ ہے۔ اگر مترجم لفظوں کا غلام بن جائے تو مفہوم مر جاتا ہے اور اگر وہ مفہوم کے نام پر اپنی آزادی بڑھا لے تو مصنف کی روح مجروح ہوتی ہے۔ اسی توازن کی تلاش نے صدیوں سے ترجمہ نگاری کو ایک فن اور ایک علم دونوں بنایا ہے۔ ترجمہ ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہر زبان کے پیچھے ایک الگ فکری نظام، ایک الگ ثقافتی زاویہ اور ایک الگ جمالیات ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر کامیاب ترجمہ محض نقل نہیں بلکہ فکر کی نئی تشکیل ہوتا ہے۔

02.03 ترجمہ نگاری کے بنیادی لوازمات

''ترجمہ'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی ہیں: ''بیان کرنا، اظہار کرنا، کسی بات کو دوسروں تک پہنچانا'' فارسی اور اُردو میں بھی اس لفظ کا استعمال اسی مفہوم میں ہوتا ہے۔ اصطلاحاً ترجمہ سے مراد ہے: ''ایک زبان میں موجود تحریر یا تقریر کو کسی دوسری زبان میں اس کے اصل مفہوم، اُسلوب اور مقصد کو باقی رکھتے ہوئے منتقل کرنا'' ترجمہ محض الفاظ کے ادل بدل کا عمل نہیں بلکہ یہ ایک فکری، ادبی اور تہذیبی سرگرمی ہے جس میں مترجم اصل مصنف کے خیالات، احساسات اور اُسلوب کو برقرار رکھتے ہوئے نئے قالب میں ڈھالتا ہے۔ ترجمہ کی تاریخی جھلک انسانی تمدن کے آغاز سے ہی مختلف زبانوں کے درمیان ترسیل کی ضرورت محسوس کی گئی۔ قدیم مصر، یونان، ہندوستان اور چین میں مترجمین کا وجود پایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں پنڈتوں نے بدھ مت اور ویدوں کے متون کا سنسکرت سے پراکرت، پھر فارسی اور عربی میں ترجمہ کیا۔ عباسی دَور میں ''بیت الحکمت'' جیسے ادارے قائم ہوئے جہاں یونانی فلسفہ کا عربی میں ترجمہ ہوا۔

یورپ میں ''اندلس'' کے ذریعہ عربی سے لاطینی ترجمے ہوئے جن سے مغرب میں نشاۃ الثانیہ (Renaissance) کی راہ ہموار ہوئی۔ نشاۃ الثانیہ ایک ایسا فکری اور تمدنی انقلاب تھا جس نے یورپ کی زنگ آلود فضا کو نئے فکری رنگوں سے آراستہ کیا اور قرونِ وسطیٰ (Medieval Period) کی تاریکیوں کو علم، فن، سائنس اور انسانی شعور کی روشنی سے منور کر دیا۔ یہ محض ایک تاریخی دَور کا نام نہیں بلکہ انسانی شعور کے اِحیا، فکری بیداری، جمالیاتی حس اور سائنسی منہج کی تجدید کا عنوان ہے۔

عربی ترکیب ''نشاۃ الثانیہ'' کے لغوی معنی ہیں ''دوسری پیدائش'' یا ''دوبارہ جنم لینا''۔ اصطلاحاً اس کا اطلاق اُس دَور پر ہوتا ہے جب یورپ میں قرونِ وسطیٰ کے جمود کے بعد علوم وفنون میں نئی جان پڑی اور انسان نے فکری آزادی، فنکارانہ انکشاف اور سائنسی تجسس کی نئی راہیں دریافت کیں۔ ''نشاۃ الثانیہ'' کا آغاز اٹلی میں ۱۴ رویں صدی کے اواخر میں ہوا اور یہ تحریک ۱۷ رویں صدی تک پورے یورپ میں پھیل گئی۔ اس دَور کی بنیادیں یونانی ورُومی علمی ورثے کی بازیافت، انسان دوستی کے تصور (Humanism) اور تحقیق وجستجو کی روح پر رکھی گئیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دنیا دانتوں تلے اُنگلی دبا کر لیونارڈو ڈاونچی، مائیکل اینجلو، گیلیلیو اور شیکسپیئر جیسے نابغہ ہائے روزگار کو دیکھ رہی تھی۔ نشاۃ الثانیہ نے سب سے گہرا اثر علمی وفکری مزاج پر ڈالا۔ جامعات میں منطق، طب، فلسفہ، ریاضی اور فلکیات جیسے مضامین کو ازسرِ نو پڑھایا گیا۔ انسان محض مذہبی تسلیم ورضا کے شکنجے سے نکل کر علمِ تحقیق اور تجربہ کی روش پر گامزن ہوا۔ سائنس نے مذہب کے خوف سے نکل کر تجرباتی بنیاد پر دنیا کو سمجھنا شروع کیا۔ ادب کے افق پر نشاۃ الثانیہ کا ظہور ایک شعوری انقلاب تھا۔ شاعری، ڈرامہ، افسانہ اور فلسفیانہ نثر میں انسانی تجربات، جذبات اور احساسات کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی۔ شیکسپیئر کی تخلیقات میں جو نفسیاتی گہرائی اور تہذیبی پیچیدگی نظر آتی ہے وہ اسی دَور کی عطا ہے۔ یہ دَور آزادیِ فکر، شخصیت کی انفرادیت اور سماجی شعور کی بیداری کا دَور تھا۔ کلیسا کے اندھے تسلُّط کو چیلنج کیا گیا۔ انسان نے اپنے اردگرد کی دنیا پر سوالات اٹھانا سیکھا اور زندگی کو محض مذہبی نظریات کی قید سے نکال کر عقلی وفطری زاویوں سے جانچنا شروع کیا۔ نشاۃ الثانیہ اور اسلامی تہذیب امر قابلِ توجہ ہے کہ یورپی نشاۃ الثانیہ کی بنیادوں میں اندلس اور بغداد کی اسلامی درسگاہوں کی علمی روایتیں شامل تھیں۔ ابنِ رشد، ابنِ سینا، رازی، فارابی اور الخوارزمی جیسے مسلم مفکرین کے تراجم نے یورپ کے ذہن کو نئی توانائی عطا کی۔

نشاۃ الثّانیہ انسانی تاریخ کا وہ نقطۂ آغاز ہے جہاں سے انسانی شعور، فن، سائنس اور ادب نے ایک نئی زندگی پائی۔ یہ دَور نہ صرف یورپ بلکہ پوری دنیا کے لئے تحریکِ بیداری بن گیا۔ آج کی دنیا کا سائنسی وفکری منظرنامہ اسی دَور کی دین ہے۔ لہٰذا، نشاۃ الثانیہ کو محض ایک تاریخی لمحہ نہیں بلکہ انسانی عقل ووجدان کے احیا کی علامت سمجھنا چاہیے۔ جس نے انسان کو خود کو پہچاننے اور دنیا کو نئے زاویے سے دیکھنے کا حوصلہ دیا۔

زبان، معنی اور سیاق کا باہمی رشتہ ترجمہ کی اصل بنیاد زبان اور معنی کے گہرے رشتے پر قائم ہے۔ زبان صرف الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ معنی کی تخلیق کا ایک نظام ہے۔ ہر زبان اپنی تہذیب، اپنے ماحول، اپنے مذہبی اور سماجی احساسات کے مطابق لفظوں کو معنی دیتی ہے۔ لہٰذا جب ایک مترجم کسی لفظ کو دوسری زبان میں منتقل کرتا ہے تو وہ دراصل ایک ثقافتی مفہوم کو منتقل کرتا ہے نہ کہ محض آوازوں کے مجموعے کو۔

مثلاً ''دل'' کا لفظ اُردو میں صرف جسمانی عضو نہیں بلکہ محبت، جذبہ، احساس اور انسانیت کی علامت ہے۔ انگریزی میں (Heart) اگرچہ قریب المعنی ہے مگر اس میں وہ روحانی وجذباتی وسعت نہیں جو اُردو کے ''دل'' میں پائی جاتی ہے۔ یہی وہ لطیف فرق ہے جو ہر مترجم کو

سمجھنا اور محسوس کرنا ضروری ہے۔ ترجمہ دراصل لفظ اور مفہوم کے درمیان ایک زندہ ربط کا عمل ہے۔ اگر یہ ربط ٹوٹ جائے تو ترجمہ خواہ کتنا درست کیوں نہ ہو، اپنی روح کھودیتا ہے۔ اسی لئے مترجم کو سیاق (Context) اور لسانی فضا (Linguistic Environment) پر گہری نگاہ رکھنی چاہیے کیوں کہ ہر جملہ اپنے سیاق میں معنی خیز ہوتا ہے، سیاق سے الگ ہونے پر وہ بے معنی ہوجاتا ہے۔

﴿۱﴾ ثقافتی پس منظر اور ترجمے کا اثر:

زبانیں محض بولی جانے والی آوازیں نہیں بلکہ اپنے ساتھ تہذیبی ورثہ بھی اٹھائے پھرتی ہیں۔ ایک جملہ یا محاورہ اپنی قوم کے مزاج، مذہب اور رسوم کی عکاسی کرتا ہے۔ جب ہم کسی ایسی زبان سے ترجمہ کرتے ہیں جو ہماری ثقافت سے مختلف ہو تو ہمیں یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ کیا اصل مفہوم ہماری ثقافت میں وہی معنویت رکھتا ہے یا نہیں۔ مثلاً انگریزی میں کہا جاتا ہے: ''He has a green thumb.'' اگر اسے لفظی طور پر اُردو میں ترجمہ کیا جائے: ''اس کا انگوٹھا سبز ہے۔'' تو بات بے معنی ہوجائے گی لیکن اگر مترجم ثقافتی شعور رکھتا ہے تو وہ سمجھے گا کہ انگریزی میں ''Green thumb'' کا مطلب باغبانی میں مہارت رکھنے والا شخص ہے اور وہ اُردو میں یوں ترجمہ کرے گا: ''اسے باغبانی کا بڑا شوق ہے'' یا ''وہ پودوں کو خوب پھلنے پھولنے دیتا ہے۔'' یہی ثقافتی آگہی ترجمے کو کامیاب اور بامعنی بناتی ہے۔ بغیر ثقافتی فہم کے ترجمہ ایک بے تخ تحریر بن جاتا ہے جس میں زندگی کی حرارت باقی نہیں رہتی۔

﴿۲﴾ مترجم کے اوصاف و ذمہ داریاں:

(۱) ترجمہ نگاری محض لسانی عمل نہیں بلکہ ایک علمی و اخلاقی ذمہ داری بھی ہے۔

(۲) مترجم مصنّف کے خیالات کا امین ہوتا ہے۔

(۳) اس کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اصل متن کے ساتھ دیانت داری برتے۔

(۴) اس کو چاہیے کہ مصنّف کے معنی کو نہ بگاڑے اور نہ اپنی رائے کو بیچ میں داخل کرے۔

﴿۳﴾ ایک اچھے مترجم میں درج ذیل اوصاف ہونا لازمی ہیں:

(۱) لسانی مہارت: مترجم کو اصل اور ہدف دونوں زبانوں پر غیر معمولی قدرت حاصل ہونی چاہیے۔ وہ ہر لفظ، محاورے اور تراکیب کے مختلف لسانی پہلوؤں کو پہچاننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

(۲) ادبی شعور: صرف لغت جاننا کافی نہیں بلکہ زبان کے اسلوبی ذوق کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً: شاعری، مذہبی متون یا فلسفیانہ تحریریں۔ ہر ایک کے ترجمے کا انداز جدا ہوتا ہے۔

(۳) ثقافتی آگہی: مترجم کو دونوں زبانوں کے معاشرتی اور تہذیبی تناظر سے واقف ہونا چاہیے تاکہ مفہوم کی سچائی برقرار رہے۔

(۴) تحقیقی دیانت: ترجمہ میں اگر کوئی لفظ یا تصور غیر واضح ہو تو مترجم کو تحقیق کر کے درست مفہوم تک پہنچنا چاہیے، محض ظاہری معنی پر اِکتفا نہیں کرنا چاہیے۔

(۵) تخلیقی حس: مترجم محض نقل کرنے والا نہیں بلکہ نیا تخلیق کار ہوتا ہے۔ اسے زبان کی خوب صورتی، جملے کی روانی اور احساس کی لطافت کا خیال رکھنا ہوتا ہے تاکہ ترجمہ روح دار محسوس ہو۔

﴿۴﴾ ترجمے میں توازن کا اصول:

ایک کامیاب مترجم کے لئے سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ وہ وفاداری اور آزادی کے درمیان توازن قائم رکھے۔ اگر وہ بہت زیادہ وفادار رہے تو ترجمہ خشک اور بے جان بن جاتا ہے اور اگر بہت آزاد ہو جائے تو اصل متن کی روح ضائع ہو جاتی ہے۔ اسی لئے حقیقی فنکار وہ ہے جو لفظوں کے پیچھے موجود جذبے کو محسوس کر کے انہیں نئی زبان میں زندہ کر دے۔ یوں کہ قاری کو محسوس ہو کہ وہ اصل مصنّف کی آواز سن رہا ہے۔ ترجمہ دراصل علمی وراثت کا تبادلہ ہے جس نے علوم وفنون کو ایک زبان سے دوسری زبان تک منتقل کر کے انسانیت کو فائدہ پہنچایا۔ ترجمے کی بنیاد زبان، سیاق، ثقافت اور دیانت داری پر قائم ہے۔

مذکورہ چاروں ستون اگر مضبوط ہوں تو ترجمہ صرف ایک تحریر نہیں رہتا بلکہ فکری پل بن جاتا ہے۔ مترجم وہ دربان ہے جو دو تہذیبوں کے دروازے کھولتا ہے اور اس کے ہاتھوں میں وہ کلید ہے جس سے فہم وآگہی کی نئی دنیائیں کھلتی ہیں۔

02.04 ترجمہ کی قسمیں

اس میں ہم ہر قسم کو جدا جدا باب کے طور پر جانیں گے یعنی:

﴿۱﴾ لفظی ترجمہ ﴿۲﴾ معنوی ترجمہ ﴿۳﴾ آزاد ترجمہ ﴿۴﴾ ادبی ترجمہ
﴿۵﴾ تکنیکی ترجمہ ﴿۶﴾ تفسیری ترجمہ ﴿۷﴾ اختصاری ترجمہ ﴿۸﴾ بین المتونی و مشینی ترجمہ

﴿۱﴾ لفظی ترجمہ (Literal Translation):

لفظی ترجمہ، ترجمے کی سب سے قدیم اور سادہ قسم ہے۔ اس میں مترجم کوشش کرتا ہے کہ اصل زبان کے ہر لفظ کا عین بدل دوسری زبان میں پیش کیا جائے۔ یعنی جملے کی ساخت، ترتیب اور مفہوم میں کم سے کم تبدیلی ہو۔ اس طرزِ ترجمہ کا مقصد لفظ بہ لفظ وفاداری ہے تاکہ مصنّف کے الفاظ میں کسی قسم کی تحریف نہ ہو۔ مثلاً ''قرآن مجید'' کے ابتدائی مترجمین، عربی سے فارسی یا اُردو میں اسی طرز پر کام کرتے تھے تاکہ کلامِ الٰہی کی لفظی صحت برقرار رہے۔

(۱) طرزِ عمل اور خصوصیات: لفظی ترجمہ ایک طرح سے لسانی عکس (Mirror Translation) ہوتا ہے۔ مترجم اصل متن کے ہر لفظ کو اس کے قریب ترین ہم معنی لفظ میں منتقل کرتا ہے۔ مثلاً جملہ ''The sun rises in the east'' کا لفظی ترجمہ ہوگا:

''سورج مشرق میں طلوع ہوتا ہے۔''

یہاں معنی، ساخت اور جملے کی ترتیب سب کچھ قریب ترین رکھا گیا ہے۔ یہی انداز مترجم کی وفاداری کی علامت مانا جاتا ہے۔ تاہم اس انداز میں مترجم کو زبان کے قواعد اور محاورات کے فرق کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے کیوں کہ ہر زبان کے بیان کا اپنا ڈھانچہ ہوتا ہے۔ اگر یہ لحاظ نہ رکھا جائے تو ترجمہ بے ربط اور غیر فصیح محسوس ہونے لگتا ہے۔

فائدے:۔

(۱) امانت داری: لفظی ترجمہ میں متن کے ساتھ کسی قسم کی تحریف نہیں ہوتی۔ یہ مذہبی، قانونی یا علمی تحریر کے لئے بہتر سمجھا جاتا ہے۔

(۲) معنی کی حفاظت: مترجم اصل الفاظ کے قریب رہ کر مفہوم کو ضائع ہونے سے بچاتا ہے۔

(۳) سنجیدگی و ثبوت: یہ طرز خاص طور پر ان متون کے لئے مفید ہے جن میں ہر لفظ ایک خاص معنی رکھتا ہے۔
جیسے: مذہبی متون، آئینی دفعات، علمی معاہدے وغیرہ۔

نقائص:

(۱) محاوراتی کمزوری: بعض اوقات ہر لفظ کا بدل تو مل جاتا ہے مگر محاورے کی روح باقی نہیں رہتی۔ مثلاً ''He kicked the bucket'' کا لفظی ترجمہ ''اس نے بالٹی کو لات ماری'' بامعنی نہیں کیونکہ اصل مفہوم ''وہ مر گیا'' ہے۔

(۲) جذباتی و تخلیقی کمی: اس طرز میں جذبہ، فضا اور اسلوب کی نزاکت اکثر غائب ہو جاتی ہے۔

(۳) سیاق سے انحراف: اگر زبان کے پس منظر، ثقافت یا محاورے کا لحاظ نہ رکھا جائے تو معنی مسخ ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

عملی مثال:

انگریزی جملہ: ''He is on cloud nine.'' **لفظی ترجمہ:** ''وہ نویں بادل پر ہے۔'' **معنوی ترجمہ:** ''وہ بہت خوش ہے۔''

مذکورہ مثال واضح کرتی ہے کہ لفظی ترجمہ کبھی کبھار محاوراتی معنویت سے دور جا سکتا ہے۔ لہٰذا مترجم کو ہمیشہ یہ دیکھنا چاہیے کہ وفاداری کے ساتھ ساتھ قاری کی فہم بھی برقرار رہے۔

۲۔ معنوی ترجمہ (Semantic or Sense Translation)

معنوی ترجمہ وہ طرز ہے جس میں مترجم لفظ نہیں، مفہوم کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ مصنف کا اصل پیغام، جذبہ اور مقصد دوسری زبان میں قدرتی اور فصیح انداز میں منتقل ہو جائے، چاہے اس کے لئے جملے کی ساخت یا الفاظ بدلنے پڑیں۔ یہ طرز دراصل روح کا ترجمہ ہے نہ کہ جسم کا۔ مترجم پہلے متن کا مفہوم سمجھتا ہے پھر اسے اپنی زبان میں یوں ڈھالتا ہے کہ معنی وہی رہیں لیکن زبان اپنی قدرتی روانی برقرار رکھے۔ مثلاً: انگریزی جملہ: ''The pen is mightier than the sword.'' اگر لفظ بہ لفظ ترجمہ کیا جائے: ''قلم تلوار سے زیادہ طاقتور ہے۔'' یہ درست ہے مگر معنوی ترجمہ یوں ہوگا: ''قلم کی طاقت، تلوار کی قوت سے بڑھ کر ہے۔'' یہ جملہ اُردو کے لسانی ذوق سے زیادہ ہم آہنگ محسوس ہوتا ہے۔

فائدے:

(۱) قدرتی روانی: قاری کو محسوس نہیں ہوتا کہ وہ ترجمہ پڑھ رہا ہے۔ زبان رواں، محاوراتی اور دلکش رہتی ہے۔

(۲) جذباتی تاثر: مفہوم کے ساتھ ساتھ مصنّف کے جذبات بھی قاری تک منتقل ہو جاتے ہیں۔

(۳) تخلیقی وسعت: مترجم کو اظہار کی گنجائش ملتی ہے۔ جس سے تحریر زیادہ پر اثر بنتی ہے۔

نقائص:

(۱) غیر ارادی تحریف: مترجم اگر مفہوم بیان کرتے ہوئے زیادہ آزادی لے لے تو ممکن ہے کہ مصنّف کی نیت سے ہٹ جائے۔

(۲) حد سے زیادہ تشریح: بعض مترجم مفہوم کو واضح کر کے اسے نیا مطلب دے دیتے ہیں جو ترجمہ نہیں بلکہ تعبیر بن جاتا ہے۔

عملی مثال:

انگریزی جملہ:''.She broke my heart'' **لفظی ترجمہ:**''اس نے میرا دل توڑ دیا۔'' **معنوی ترجمہ:**''اس نے مجھے گہرا دکھ پہنچایا۔'' دونوں درست ہیں مگر معنوی ترجمہ زیادہ حقیقی احساس کو بیان کرتا ہے۔

﴿۳﴾ آزاد ترجمہ(Free Translation):

ترجمہ فنونِ لطیفہ میں ایک نہایت نازک اور دقیق فن ہے۔ یہ صرف الفاظ کی منتقلی نہیں بلکہ ایک زبان کے احساس، جذبے اور تہذیبی فضا کو دوسری زبان میں زندہ کرنے کا عمل ہے۔ ترجمہ کے مختلف اسالیب میں آزاد ترجمہ کو ایک مخصوص اہمیت حاصل ہے کیوں کہ یہ قید و بند کی روایتی دیواروں کو توڑ کر اصل متن کے روحانی تاثر کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

آزاد ترجمہ سے مراد وہ طرزِ ترجمہ ہے جس میں مترجم لفظ بہ لفظ ترجمے کی بجائے خیالات، مفاہیم اور تاثر کو پیش کرتا ہے۔ یہاں لفظوں کی ظاہری ترتیب سے زیادہ پیغام کی روح کو اہمیت دی جاتی ہے۔ مترجم کو یہ آزادی حاصل ہوتی ہے کہ وہ اصل عبارت کے سیاق وسباق کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے الفاظ میں معنی کو واضح کرے۔ اس طرز میں اصل متن کے ساتھ وفاداری لفظی نہیں بلکہ معنوی ہوتی ہے۔ مترجم کا اصل ہدف یہ ہوتا ہے کہ قاری پر وہی اثر مرتب ہو جو مصنّف نے اپنی زبان میں پیدا کیا تھا۔

آزاد ترجمہ کی نوعیت: آزاد ترجمہ محض ترجمانی نہیں بلکہ تخلیقی عمل بھی ہے۔ مترجم بسا اوقات مصنّف کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر اس کے جذبات میں سانس لیتا ہے مگر اظہار میں اپنی زبان کی فطری روانی شامل کر دیتا ہے۔ یہ ترجمہ ان زبانوں کے درمیان زیادہ کارآمد ہوتا ہے جن کی ساخت، محاورے اور تہذیبی پس منظر ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ مثلاً فارسی اور اُردو میں لفظ بہ لفظ ترجمہ ممکن ہے لیکن انگریزی یا فرانسیسی سے اُردو میں ترجمہ کرتے ہوئے اکثر آزاد ترجمہ ہی زیادہ مؤثر ثابت ہوتا ہے۔

آزاد ترجمہ کی اہم خصوصیات:

(۱) معنوی وفاداری: آزاد ترجمہ میں مترجم اصل مفہوم سے انحراف نہیں کرتا بلکہ اسے زیادہ واضح، رواں اور قابلِ فہم انداز میں پیش کرتا ہے۔

(۲) اسلوبی آزادی: مترجم کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی زبان کے حسنِ بیان، محاورات اور ساخت کے مطابق جملے تشکیل دے۔

(۳) قاری کی آسانی: چوں کہ مقصد اصل متن کے تاثر کو منتقل کرنا ہوتا ہے لہٰذا قاری کو ایک فطری اور بامعنی عبارت ملتی ہے۔

(۴) تخلیقی رنگ: مترجم اپنی فکری اور ادبی صلاحیتوں سے ترجمے کو محض نقل نہیں بلکہ ایک فن پارہ بنا دیتا ہے۔

آزاد ترجمہ کی اہمیت: آزاد ترجمہ ادبی، علمی اور فکری سطح پر قومی و بین الاقوامی ربط کا ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعے ایک زبان کی فکری روشنی دوسری زبانوں تک پہنچتی ہے۔ اگر مترجم پابندیوں میں جکڑا رہے تو اصل تخلیق کا جوہر قاری تک منتقل نہیں ہو پاتا۔ اسی لئے آزاد ترجمہ کو جدید تنقید میں ایک تخلیقی فن مانا گیا ہے جو ترجمے کو محض ذریعۂ اظہار نہیں بلکہ ادب کی توسیع بناتا ہے۔

﴿۴﴾ ادبی ترجمہ(Literary Translation)

ادبی ترجمہ ادب کے وسیع و رنگین جہان میں ایک نہایت اہم اور نازک فن ہے۔ یہ محض ایک زبان کے الفاظ کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کا عمل نہیں بلکہ فکر، احساس اور تہذیبی روح کی ترسیل کا ذریعہ ہے۔ ادبی ترجمے کے ذریعے انسانیت کے مشترکہ جذبات، تخیل اور

تجربات ایک زبان سے دوسری زبان تک پہنچتے ہیں اور یہی عمل مختلف تہذیبوں کو ایک دوسرے کے قریب لاتا ہے۔ یہ فن مترجم سے نہ صرف لسانی مہارت بلکہ ادبی شعور، تخلیقی بصیرت اور فنی حساسیت کا مطالبہ کرتا ہے۔ جب یہ ترجمہ کسی ادبی تخلیق، جیسے نظم، افسانہ، ڈرامہ یا ناول کے لئے کیا جائے تو اسے ادبی ترجمہ کہا جاتا ہے۔ ادبی ترجمے میں مترجم کا کام صرف معنی پہنچانا نہیں بلکہ تاثر، لہجہ اور ثقافتی پس منظر بھی منتقل کرنا ہوتا ہے۔ گویا ادبی ترجمہ ایک ایسا فنی عمل ہے جس میں مترجم مصنف کے احساسات کا ہمسفر بن کر انہیں اپنی زبان کے سانچے میں ڈھالتا ہے۔

ادبی ترجمہ کی نوعیت اور فنی دائرہ: ادبی ترجمہ کی نوعیت بنیادی طور پر تخلیقی اور تجزیاتی دونوں ہے۔ مترجم ایک طرف مصنف کے متن سے گہری وابستگی رکھتا ہے تو دوسری طرف وہ اپنی زبان کے محاورے، ثقافت اور ذوق کے مطابق اس کی تخلیقی تشکیلِ نو کرتا ہے۔ ادبی ترجمے کی نوعیت درج ذیل پہلوؤں پر مشتمل ہوتی ہے:

(۱) معنوی امانت داری: مترجم کو یہ یقین دہانی کرنی ہوتی ہے کہ وہ اصل معنی سے انحراف نہ کرے۔

(۲) فنی تخلیقیت: ادبی ترجمہ محض نقل نہیں بلکہ ایک نیا فن پارہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

(۳) زبان کا حسن: مترجم کو اپنی زبان کی لطافت، روانی اور چاشنی کو برقرار رکھتے ہوئے متن میں جان ڈالنی ہوتی ہے۔

ادبی ترجمہ کے فنی تقاضے: ادبی ترجمہ کامیابی سے انجام دینا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ یہ فن ذیل کی خصوصیات کا تقاضا کرتا ہے:

(۱) دو زبانوں پر عبور: مترجم کو اصل اور ہدف دونوں زبانوں کے محاورے، استعارات اور تہذیبی رُموز سے واقف ہونا چاہیے۔

(۲) ادبی ذوق: محض لسانی علم کافی نہیں، ادبی ترجمے کے لئے ذوقِ لطیف، احساسِ جمال اور فکری گہرائی ضروری ہے۔

(۳) تخلیقی توازن: مترجم کو وفاداری اور آزادی کے درمیان ایک نازک توازن قائم رکھنا ہوتا ہے۔

(۴) تہذیبی شعور: ہر زبان ایک تہذیب کی نمائندہ ہوتی ہے۔ لہٰذا مترجم کو دونوں تہذیبوں کی فضا سے آشنا ہونا چاہیے۔

ادبی ترجمے کی اہمیت: ادبی ترجمے نے انسانی تاریخ میں علم و ادب کی وسعت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اسی کے ذریعے یونانی فلسفہ عرب دنیا میں داخل ہوا اور بعد ازاں عربی علوم یورپ تک پہنچے۔ اُردو ادب میں بھی فارسی اور انگریزی تراجم نے نئی فکری راہیں کھولیں۔ ادبی ترجمے کی اہمیت کو درج ذیل نکات میں سمجھا جا سکتا ہے:

(۱) یہ عالمی ادب کو ایک دوسرے سے مربوط کرتا ہے۔

(۲) مختلف اقوام کو تہذیبی ہم آہنگی کی راہ دکھاتا ہے۔

(۳) ایک زبان کے ادبی سرمایے کو عالمگیر حیثیت عطا کرتا ہے۔

(۴) قاری کے لئے فکری وسعت اور ذوقی تنوّع پیدا کرتا ہے۔

ادبی ترجمے کے چیلنجز: ادبی ترجمہ کئی طرح کی مشکلات سے دوچار رہتا ہے، جن میں نمایاں ہیں:

(۱) محاوراتی مشکلات: ہر زبان کے اپنے محاورے اور تہذیبی اشارے ہوتے ہیں جو لفظ بہ لفظ منتقل نہیں کیے جا سکتے۔

(۲) تہذیبی فاصلہ: بعض اوقات دو زبانوں کی ثقافتوں میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ مترجم کو درمیانی راہ نکالنی پڑتی ہے۔

(۳) اسلوبی انطباق: اصل مصنّف کا اسلوب برقرار رکھنا مترجم کے لئے ایک کڑی آزمائش ہوتی ہے۔

(۴)احساساتی تسلسل:بعض جملے یا مصرعے جذباتی طور پر اتنے گہرے ہوتے ہیں کہ ان کی ترسیل میں معمولی کمی بھی اثر کو کم کر دیتی ہے۔

ادبی ترجمہ بطور تخلیقی عمل: ادبی ترجمہ محض تشریح نہیں بلکہ ایک نیا تخلیقی تجربہ ہے۔ یہ مترجم کے لئے اس وقت ایک فن پارہ بن جاتا ہے جب وہ اصل متن کے احساس کو اپنی زبان کی نفسیاتی اور جمالیاتی ساخت میں ڈھالتا ہے، بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ مترجم بیک وقت قاری بھی ہوتا ہے اور تخلیق کار بھی۔ بعض ناقدین نے درست کہا ہے کہ ''ترجمہ، مصنف کا سایہ نہیں بلکہ اس کا نیا سراپا ہے۔'' یہی وہ نکتہ ہے جہاں ترجمہ ادب کے توسیعی دائرے کا سبب بنتا ہے۔

﴿۵﴾ تکنیکی ترجمہ(Technical Translation)

جب دنیا علم وصنعت، سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں تیزی سے ترقی کر رہی ہو تو مختلف زبانوں کے درمیان فنی اور سائنسی معلومات کی ترسیل ناگزیر ہو جاتی ہے۔ یہی ضرورت تکنیکی ترجمہ(Technical Translation) کو جنم دیتی ہے۔

تکنیکی ترجمہ دراصل وہ فن ہے جس کے ذریعے سائنسی، صنعتی، طبی، انجینئرنگ یا تکنیکی اصطلاحات پر مبنی متون کو ایک زبان سے دوسری زبان میں نہ صرف درست بلکہ بامعنی انداز میں منتقل کیا جاتا ہے۔ یہ فن اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت نازک اور دقیق ہے کیوں کہ یہاں غلط مفہوم یا غیر واضح تعبیر کسی بڑے سائنسی یا عملی نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔ تکنیکی ترجمہ سے مراد ایسی تحریروں کا ترجمہ ہے جو کسی خاص علمی یا فنی شعبے سے تعلق رکھتی ہوں۔ مثلاً: انجینئرنگ کی رپورٹیں، سائنسی مقالے، سافٹ ویئر کی دستاویزات، طبّی ہدایات یا مشینی آلات کے استعمال کے رہنما اصول وغیرہ۔ اس ترجمے میں مقصد محض زبان کا بدل نہیں بلکہ علمی درستگی، اصطلاحی ہم آہنگی اور معلومات کی وضاحت ہوتا ہے۔ لہٰذا تکنیکی مترجم کے لئے ضروری ہے کہ وہ دونوں زبانوں کے ساتھ ساتھ متعلقہ میدان کے فنی پس منظر سے بھی واقف ہو۔

تکنیکی ترجمہ کی نوعیت: تکنیکی ترجمہ ایک کارکردگی پر مبنی ترجمہ ہے۔ یہ ادبی ترجمے کی طرح جذباتی یا تاثراتی نہیں بلکہ عملی اور معلوماتی نوعیت رکھتا ہے۔ اس کا مقصد قاری کو کسی مخصوص عمل، ہدایت یا سائنسی تصور سے واضح طور پر آگاہ کرنا ہوتا ہے۔ اس ترجمے میں اسلوب کی دلکشی سے زیادہ وضاحت، اختصار اور دقتِ بیان کو ترجیح دی جاتی ہے۔ ہر لفظ کا انتخاب احتیاط سے کیا جاتا ہے کیوں کہ معمولی تبدیلی بھی مفہوم کو بدل سکتی ہے۔

تکنیکی ترجمہ کی خصوصیات: تکنیکی ترجمہ کی چند نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

(۱) اصطلاحی درستگی: تکنیکی متن میں مخصوص اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ مترجم کو ان اصطلاحات کے مستند متبادل معلوم ہونے چاہئیں۔

(۲) وضاحت اور سادگی: زبان میں غیر ضروری پیچیدگی سے گریز کیا جاتا ہے۔ ہر جملہ واضح، مختصر اور جامع ہوتا ہے۔

(۳) غیر شخصی انداز: ادبی تحریروں کے برعکس تکنیکی متون میں جذباتی رنگ نہیں ہوتا، لہٰذا ترجمہ ہمیشہ غیر شخصی اور معروضی انداز میں کیا جاتا ہے۔

(۴) معیاری لسانی ڈھانچہ: جملوں کی ساخت منطقی اور منظّم ہوتی ہے تاکہ معلومات آسانی سے فہم میں آ سکیں۔

(۵) شعبہ جاتی علم: مترجم کو متعلقہ تکنیکی میدان کی بنیادی اصطلاحات اور اصولوں پر عبور حاصل ہونا ضروری ہے۔

تکنیکی ترجمہ کی ضرورت اور اہمیت: عصرِ حاضر میں دنیا ایک عالمی گاؤں (Global Village) کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ سائنس، طب، مواصلات، کمپیوٹر اور انجینئرنگ کے شعبوں میں روزانہ نئے نظریات اور ایجادات سامنے آ رہی ہیں۔ ان معلومات کو دنیا بھر میں قابلِ فہم بنانے کے لئے تکنیکی ترجمہ ناگزیر ہو چکا ہے۔ اس کی اہمیت درج ذیل پہلوؤں سے نمایاں ہوتی ہے:

(۱) بین الاقوامی رابطہ: مختلف ممالک کی فنی ٹیمیں ایک دوسرے کی تحقیقات اور رپورٹوں سے مستفید ہو سکتی ہیں۔

(۲) تعلیم و تحقیق میں سہولت: سائنسی کتب و مقالوں کے تراجم طلبہ اور محققین کے لئے علم کے نئے دروازے کھولتے ہیں۔

(۳) صنعتی ترقی: مشینری یا سافٹ ویئر کی دستاویزات کے درست تراجم سے پیداوار میں بہتری اور حادثات میں کمی ممکن ہے۔

(۴) طبی میدان میں افادیت: ادویات، آلات اور طبی رہنما اصولوں کے درست تراجم انسانی جانوں کے تحفظ کا ذریعہ بنتے ہیں۔

تکنیکی ترجمہ کے فنی تقاضے: تکنیکی ترجمہ انجام دینے والا شخص صرف مترجم نہیں بلکہ لسانی ماہر اور فنی نکتہ دان ہونا چاہیے۔ اس کے لئے درج ذیل خصوصیات ضروری ہیں:

(۱) موضوعی مہارت: مترجم کو متعلقہ فیلڈ (مثلاً کمپیوٹر، میڈیکل، یا مکینیکل) کا بنیادی علم حاصل ہو۔

(۲) اصطلاحی یکسانی: تمام اصطلاحات کو یکساں طور پر استعمال کرنا تاکہ متن میں ابہام پیدا نہ ہو۔

(۳) ترکیبی دقت: جملوں کی ساخت میں الجھاؤ سے بچنا اور منطق کے لحاظ سے وضاحت برقرار رکھنا۔

(۴) بین الثقافتی آگہی: مختلف زبانوں میں ثقافتی فرق کے باعث بعض اصطلاحات کا مفہوم بدل سکتا ہے، لہٰذا مترجم کو ان پہلوؤں سے آگاہ ہونا چاہیے۔

تکنیکی ترجمہ کے چیلنجز: تکنیکی ترجمہ اگرچہ عملی نوعیت رکھتا ہے مگر اس کے ساتھ کئی مشکلات وابستہ ہیں:

(۱) اصطلاحات کا فقدان: بعض زبانوں میں مخصوص تکنیکی الفاظ کے لئے موزوں متبادل موجود نہیں ہوتے۔

(۲) تسلسلِ معلومات: سائنسی متن میں ایک جملے کی ساخت دوسرے سے منطقی طور پر جڑی ہوتی ہے، معمولی غلطی پورے نظام کو متاثر کر سکتی ہے۔

(۳) معیاری اصطلاحات کا اختلاف: مختلف ممالک ایک ہی تکنیکی تصوّر کے لئے مختلف الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

(۴) ترجمہ میں مشینی مداخلت: خودکار ترجمہ (Machine Translation) اگر غیر محتاط انداز میں استعمال ہو تو سائنسی غلط فہمیوں کا سبب بن سکتا ہے۔

تکنیکی ترجمہ میں مشین اور انسان کا امتزاج: حالیہ دَور میں ترجمہ جاتی عمل میں کمپیوٹر اور مصنوعی ذہانت (AI) کا کردار بڑھ گیا ہے۔ مشین ترجمہ رفتار فراہم کرتا ہے مگر انسانی ترجمہ درستگی، تاثر اور فہم کی ضمانت دیتا ہے۔ اس لئے جدید دَور کا تقاضا ہے کہ دونوں کو متوازن امتزاج کے طور پر استعمال کیا جائے۔ جہاں مشین تیزی فراہم کرے اور انسان معنی کی صحت و وضاحت کو برقرار رکھے۔

﴿۶﴾ تفسیری ترجمہ(Interpretative Translation)

جب کسی عبارت کی گہرائی، معنی کی تہہ داری اور فکری نزاکت زیادہ ہو تو محض لفظی یا آزاد ترجمہ اس کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ ایسی صورت میں تفسیری ترجمہ(Interpretative Translation) کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جو بیک وقت فہم، وضاحت اور تشریح کا جامع عمل ہے۔ تفسیری ترجمہ دراصل وہ طرزِ ترجمہ ہے جس میں مترجم صرف معنی نہیں بلکہ معنی کی توضیح بھی قاری تک پہنچاتا ہے۔ اس میں مترجم مصنّف کے ارادے، سیاق وسباق اور متن کے پوشیدہ مفاہیم کو سامنے رکھتے ہوئے اسے اپنی زبان میں واضح، جامع اور بامعنی انداز میں منتقل کرتا ہے.

تفسیری ترجمہ سے مراد وہ عمل ہے جس میں مترجم کسی عبارت کو صرف ترجمہ نہیں کرتا بلکہ اس کے مبہم، فکری یا نظریاتی پہلوؤں کو بھی واضح کرتا ہے۔ یہ ترجمہ محض زبان کی تبدیلی نہیں بلکہ تشریحی عمل ہے۔ جس میں اصل متن کی معنوی تہوں کو کھول کر نئی زبان میں ترتیب دیا جاتا ہے۔ یہ طرزِ ترجمہ خاص طور پر مذہبی، فلسفیانہ، قانونی یا علمی متون کے لئے موزوں ہے کیوں کہ ان میں ہر لفظ اپنے ساتھ فکری گہرائی اور مفہومی پیچیدگی رکھتا ہے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ ''تفسیری ترجمہ'' ترجمے اور تفسیر کا امتزاج ہے، جہاں مترجم محض قاصد نہیں بلکہ شارح بھی ہوتا ہے۔

تفسیری ترجمہ کی نوعیت: تفسیری ترجمہ ایک علمی اور فکری نوعیت رکھتا ہے۔ اس میں مترجم کا کردار محض منتقل کرنے والے کا نہیں بلکہ فہم وتعبیر کرنے والے کا ہوتا ہے۔ وہ متن کے اندر پوشیدہ معنی، مصنف کی نیت، تاریخی پس منظر اور قاری کے فہم کے دائرے کو سامنے رکھتے ہوئے ایسا ترجمہ پیش کرتا ہے جو وضاحت اور بصیرت دونوں فراہم کرے۔ تفسیری ترجمہ دراصل لسانی وفاداری سے زیادہ فکری امانت داری پر زور دیتا ہے۔ یہ فن اس وقت ناگزیر ہوجاتا ہے جب متن میں علامت، تمثیل یا ابہام کی کیفیت موجود ہو۔

تفسیری ترجمہ کی خصوصیات:

(۱) وضاحتِ مفہوم: تفسیری ترجمہ کا سب سے نمایاں وصف یہ ہے کہ یہ مبہم یا مشکل عبارت کو آسان اور قابلِ فہم بنادیتا ہے۔

(۲) تشریحی توازن: مترجم وضاحت کرتے ہوئے اصل مفہوم سے انحراف نہیں کرتا بلکہ متن کے ذاتی رنگ کو برقرار رکھتا ہے۔

(۳) سیاق وسباق کی پاس داری: متن کا تاریخی اور فکری پس منظر سمجھ کر ترجمہ کرنا تفسیری ترجمے کی بنیاد ہے۔

(۴) زبان کی شفافیت: چوں کہ مقصد فہم پیدا کرنا ہوتا ہے، اس لئے زبان صاف، مربوط اور فصیح رکھی جاتی ہے۔

(۵) قاری کی رہنمائی: مترجم قاری کو مصنف کے ارادے تک پہنچنے میں مدد دیتا ہے، بجائے اس کے کہ اسے محض لفظوں کے بوجھ تلے چھوڑ دے۔

تفسیری ترجمہ کی ضرورت: تفسیری ترجمہ اس وقت لازم قرار پاتا ہے جب متن میں علامتی یا استعاراتی معنی موجود ہوں۔ مصنّف کا اسلوب رمزیت پر مبنی ہو کسی دینی یا فلسفیانہ متن کی تشریح درکار ہو یا جب قاری اور مصنّف کے درمیان تہذیبی ولسانی فاصلہ زیادہ ہو۔ ایسے مواقع پر تفسیری ترجمہ نہ صرف معنی کی وضاحت کرتا ہے بلکہ قاری کے ذہن میں فکری مکالمہ بھی پیدا کرتا ہے۔ مثلاً قرآنِ کریم کے اردو تراجم میں کئی مفسرین نے محض لفظی ترجمہ نہیں کیا بلکہ آیات کی تشریحی وضاحت بھی شامل کی تاکہ قاری معنی کی گہرائی کو سمجھ سکے، یہی تفسیری ترجمہ کی روح ہے۔

تفسیری ترجمہ کے فنی تقاضے: تفسیری ترجمہ چوں کہ فہم وتشریح پر مبنی ہے۔اس کے لئے درج ذیل صلاحیتیں ناگزیر ہیں:

(۱) **علمی بصیرت:** مترجم کو موضوع، متن اور مصنف کے علمی پس منظر کا گہرا علم ہو۔

(۲) **زبان وبیان پر قدرت:** دونوں زبانوں کے اسالیب، محاورات اور تعبیرات پر دسترس ہوتا کہ مفہوم میں کوئی خلل نہ آئے۔

(۳) **فکری دیانت داری:** وضاحت کرتے وقت مترجم کو اپنی ذاتی رائے داخل نہ کرے بلکہ متن کے حقیقی مقصد کو سامنے رکھے۔

(۴) **تحقیقی مزاج:** مترجم کو سیاق، تاریخی حوالوں اور ثقافتی عناصر کا مطالعہ کرکے ترجمہ کرنا چاہیے۔

تفسیری ترجمہ اور دیگر اقسام کا فرق: پہلو، لفظی ترجمہ، آزاد ترجمہ، تفسیری ترجمہ، مرکزی مقصد، لفظی مطابقت، مفہوم کی آزادی، وضاحت وتشریح، مترجم کا کردار، قاصد، تخلیق کار، شارح، زبان کا رنگ، خشک اور پابند، رواں اور آزاد، واضح اور بلیغ، استعمال کا میدان، سادہ متون، ادبی متون، مذہبی، فلسفیانہ اور علمی متون۔اس جدوَل سے واضح ہوتا ہے کہ تفسیری ترجمہ اپنی نوعیت میں سب سے زیادہ فکری گہرائی رکھتا ہے کیوں کہ یہ محض نقل نہیں بلکہ فہم کی تشکیل کرتا ہے۔

تفسیری ترجمہ کے چیلنجز:

(۱) **حدود کا تعین:** وضاحت کرتے ہوئے مترجم بعض اوقات تفسیر میں حد سے بڑھ جاتا ہے جس سے اصل معنی دھندلا جاتے ہیں۔

(۲) **قاری کی سطح:** مترجم کو یہ سمجھنا ہوتا ہے کہ قاری کی علمی استعداد کیا ہے تاکہ وضاحت نہ کم ہو نہ زیادہ۔

(۳) **ذاتی تعبیر کا دخل:** بعض مترجم اپنی فکری ترجیحات شامل کردیتے ہیں، جو ترجمے کی غیر جانب داری کو متاثر کرسکتی ہیں۔

(۴) **تہذیبی اختلافات:** ایک زبان کا استعارہ یا تشبیہ دوسری زبان میں واضح کرنے کے لئے خاص مہارت درکار ہوتی ہے۔

تفسیری ترجمہ کی عصری اہمیت: آج کے بین الاقوامی علمی ماحول میں تفسیری ترجمہ کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔جب مختلف تہذیبوں، مذاہب اور نظریات کے متون دنیا بھر میں مطالعے کا مرکز بن چکے ہیں تو ان کی درست اور تشریحی ترجمانی ہی قاری کے فہم کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔تفسیری ترجمہ علمی مکالمے کی بنیاد رکھتا ہے اور مختلف زبانوں کے درمیان فکری پل کا کردار ادا کرتا ہے۔یہ محض معلومات کی منتقلی نہیں بلکہ معنی کی تفہیم کا ذریعہ ہے جو کسی بھی علمی سماج کی ترقی کے لئے بنیادی عنصر ہے۔

﴿۷﴾ اختصاری ترجمہ (Condensed Translation)

جب وقت کی کمی، علمی طوالت یا مطالعے کی دشواری آڑے آتی ہے تو وہاں اختصاری ترجمہ (Condensed Translation) ایک مؤثر اور فنی حل کے طور پر سامنے آتا ہے۔اختصاری ترجمہ دراصل فنِ اختصار اور فنِ فہم کا حسین امتزاج ہے۔جہاں مترجم نہ صرف متن کے اہم نکات محفوظ رکھتا ہے بلکہ اسے جامع، واضح اور بلیغ انداز میں پیش بھی کرتا ہے۔اختصاری ترجمہ سے مراد وہ طرزِ ترجمہ ہے جس میں اصل متن کے بنیادی مفہوم اور مرکزی خیال کو برقرار رکھتے ہوئے غیر ضروری جزئیات، مثالیں یا تکرار کو حذف کردیا جاتا ہے۔اس میں مترجم اصل عبارت کو مختصر لیکن معنی خیز انداز میں منتقل کرتا ہے تاکہ قاری کم الفاظ میں زیادہ مفہوم حاصل کرسکے۔یوں کہا جاسکتا ہے کہ اختصاری ترجمہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں کم جگہ میں زیادہ عکس نظر آتا ہے۔

اختصاری ترجمہ کی ضرورت: اختصاری ترجمہ اُس وقت ناگزیر ہو جاتا ہے جب اصل متن بہت طویل ہو اور قاری کو اس کا خلاصہ درکار ہو۔ مطالعہ محدود وقت یا مقصد کے لئے کیا جا رہا ہو (مثلاً تدریسی یا تحقیقی مقاصد کے تحت)۔ مصنّف کی بات کو عام فہم اور تیز رفتار انداز میں پہنچانا مقصود ہو۔ اخبارات، رپورٹوں، خلاصوں اور تعلیمی مضامین میں مرکزی نکتہ اجاگر کرنا ہو۔ عصرِ حاضر کے تیز رفتار ابلاغی دَور میں اختصاری ترجمہ ایک لازمی فنی ضرورت بن چکا ہے۔

اختصاری ترجمہ کی خصوصیات:

(۱) جامعیت: اگرچہ یہ ترجمہ مختصر ہوتا ہے لیکن مفہوم کے تمام بنیادی عناصر کو اپنے دائرے میں سمیٹ لیتا ہے۔

(۲) وضاحت: جملوں کی ساخت آسان اور مفہوم واضح ہوتا ہے تاکہ اختصار فہم میں رکاوٹ نہ بنے۔

(۳) ترتیب و تسلسل: مختصر کرتے ہوئے بھی خیال کا ربط، ترتیب اور منطقی بہاؤ قائم رکھا جاتا ہے۔

(۴) لفظی کفایت: غیر ضروری الفاظ، تکرار اور طوالت کو حذف کر صرف وہی بات رکھی جاتی ہے جو ضرورت اور معنویت رکھتی ہو۔

(۵) فکری دیانت داری: مترجم اختصار کے باوجود متن کے مقصد، لہجے اور نظریاتی پہلو کو مسخ نہیں کرتا۔

اختصاری ترجمہ کے فنی تقاضے: اختصاری ترجمہ محض الفاظ کی کمی کا نام نہیں بلکہ یہ علم، فہم اور فنی بصیرت کا امتحان ہے۔ اس کے لئے مترجم میں درج ذیل صلاحیتیں ضروری ہیں:

(۱) گہری فہمِ متن: مترجم کو اصل عبارت کے جوہر اور مرکزی خیال کو پہچاننے کی صلاحیت ہونی چاہیے۔

(۲) زبان پر قدرت: مترجم کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ کن الفاظ کو حذف کیا جا سکتا ہے اور کہیں برقرار رکھنا لازمی ہے۔

(۳) فکری امتیاز: مترجم کو یہ فیصلہ کرنے کی اہلیت ہونی چاہیے کہ کون سا نکتہ متن کا ''جوہر'' ہے اور کون سا ضمنی جزء۔

(۴) جمالیاتی توازن: ترجمے کو اتنا خشک یا میکانکی نہ بنایا جائے کہ وہ اپنی ادبی چمک کھودے۔

اختصاری ترجمہ اور دیگر اقسام کا فرق: پہلو، لفظی ترجمہ، آزاد ترجمہ، اختصاری ترجمہ، مقصد، اصل لفظوں کی مطابقت، مفہوم کی آزادی، مفہوم کا اختصار، انداز، پابند اور دقیق، رواں اور لچک دار، جامع اور خلاصہ نما، مترجم کا کردار، نقل کرنے والا، مفہوم تخلیق کرنے والا، نچوڑ پیش کرنے والا، زبان، خشک، اظہار پسند، متوازن و مربوط۔ یہ فرق واضح کرتا ہے کہ اختصاری ترجمہ دراصل ترجمے کا نچوڑ ہے جو فکر کا خلاصہ پیش کرتا ہے مگر معنی کو مجروح نہیں کرتا۔

اختصاری ترجمہ کے فوائد:

(۱) قاری کو کم وقت میں زیادہ فہم حاصل ہوتا ہے۔

(۲) علمی مضامین، رپورٹس اور خلاصوں میں سہولت پیدا ہوتی ہے۔

(۳) مترجم کو تحلیل و تنقید کی صلاحیت میں نکھار ملتا ہے۔

(۴) تعلیمی دنیا میں طلبہ اور محققین کے لئے فہمِ متن کا آسان ذریعہ فراہم کرتا ہے۔

(۵) یہ زبان میں توازن، کفایت اور شائستگی پیدا کرتا ہے۔

اختصاری ترجمہ کے چیلنجز:

(۱) زیادہ اختصار کا نقصان: اگر مترجم حد سے زیادہ اختصار کرے تو اصل مفہوم مٹ سکتا ہے۔

(۲) تشریحی پہلو کا غیاب: چوں کہ وضاحت کم کی جاتی ہے، اس لئے بعض اوقات پیچیدہ متن کا مطلب دھندلا جاتا ہے۔

(۳) لہجے کی تبدیلی: مختصر کرتے ہوئے مصنّف کا اُسلوب یا لہجہ تبدیل ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے۔

(۴) ترجیحی انتخاب کا مسئلہ: مترجم کو یہ طے کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کون سا حصہ زیادہ اہم ہے اور کسے حذف کیا جائے۔

اختصاری ترجمہ کی عصری اہمیت: ڈیجیٹل اور ابلاغی دنیا میں جہاں مختصر مگر بامعنی اظہار کو فوقیت حاصل ہے، وہاں اختصاری ترجمہ کی اہمیت دوچند ہوگئی ہے۔ یہ فن نہ صرف وقت بچاتا ہے بلکہ مواد کو قابلِ رسائی، قابلِ فہم اور دلکش بناتا ہے۔

اخباری ادارے، تعلیمی ادارے، تحقیقی مراکز اور میڈیا ہاؤسز اس طرزِ ترجمہ کو اپنی بنیادی ضرورت کے طور پر اپنا چکے ہیں۔ یوں اختصاری ترجمہ جدید عہد کی علمی سُرعت اور معنوی گہرائی کے درمیان توازن قائم کرتا ہے۔

﴿۸﴾ بین المتونی ترجمہ (Inter-textual Translation)

جب ترجمہ صرف الفاظ یا جملوں کی سطح پر نہیں رہتا بلکہ متن کے معانی، سیاق و سباق اور فلسفیانہ یا ادبی مفاہیم کو بھی دوسرے زبان میں منتقل کرتا ہے تب ہم اسے بین المتونی ترجمہ (Inter-textual Translation) کہتے ہیں۔ بین المتونی ترجمہ دراصل دو یا دو سے زیادہ متون کے فکری اور معنوی تعلقات کو سامنے رکھتے ہوئے ترجمہ کرنا ہے۔ یہ صرف لفظی مطابقت یا آزاد بیان نہیں بلکہ متون کے باہمی تعلق اور ثقافتی تناظر کو سمجھ کر ترجمہ پیش کرنے کا عمل ہے۔

بین المتونی ترجمہ میں مترجم کو یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اصل متن کا تعلق کس دوسرے متن یا متون سے ہے۔ مصنف نے کن حوالوں، تشبیہوں یا ادبی اشاروں کا استعمال کیا ہے۔ قاری کو وہ تمام ثقافتی، تاریخی اور ادبی پس منظر منتقل کرنے کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، کسی جدید اُردو نظم کا ترجمہ کرتے وقت اگر وہ نظم کسی کلاسیکی فارسی یا عربی روایت کی طرف اشارہ کرتی ہو تو مترجم کو نہ صرف الفاظ بلکہ اس ادب کے تناظر اور اثرات کو بھی قاری تک پہنچانا ضروری ہوتا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ بین المتونی ترجمہ، ترجمہ اور تشریح کا امتزاج ہے، جو قاری کو متن کی گہرائی اور اس کے ادبی ربط تک پہنچاتا ہے۔

بین المتونی ترجمہ کی خصوصیات:

(۱) فکری مطابقت: مترجم متن کے حوالہ جات اور دیگر متون کے تعلق کو برقرار رکھتا ہے تاکہ مفہوم میں گہرائی قائم رہے۔

(۲) ادبی اور ثقافتی بصیرت: مترجم صرف زبان کا ماہر نہیں بلکہ ادبی اور ثقافتی پس منظر کا بھی جانکار ہوتا ہے۔

(۳) تشریح اور وضاحت: مترجم وضاحت کے ذریعے قاری کو متن کے روابط اور ضمنی مفاہیم سمجھاتا ہے تاکہ اصل مقصد اور اثر برقرار رہے۔

(۴) متون کے تعلق کی عکاسی: یہ ترجمہ اصل متن اور اس کے حوالہ جات کے درمیان بین المتونی مکالمہ قائم کرتا ہے۔

بین المتونی ترجمہ کی ضرورت:

(۱) ادبی متون میں: شعری اور نثری ادبی متون میں اکثر تلمیح، تمثیل یا ثقافتی اشارے شامل ہوتے ہیں، جو قاری کے لئے غیر واضح ہو سکتے ہیں۔

(۲) تعلیمی اور تحقیقی مواد میں: تحقیقی مضامین یا علمی کتب میں جب مصنف مختلف متون یا نظریات کا حوالہ دیتا ہے، تو بین المتونی ترجمہ فہمِ مواد کو آسان بناتا ہے۔

(۳) ثقافتی اور تاریخی مطالعے کے لئے: بین المتونی ترجمہ قاری کو مختلف ثقافتوں، زبانوں اور تاریخی پس منظر سے متعارف کراتا ہے تاکہ وہ متن کے اصل اثر کو سمجھ سکے۔

بین المتونی ترجمہ کے فنی تقاضے:

(۱) علمی بصیرت: مترجم کو مختلف زبانوں اور متون کے علم، تاریخی سیاق اور ادبی پس منظر کا علم ہونا چاہیے۔

(۲) تفسیر کی مہارت: مترجم کو متن کے ضمنی معنی، اشارے اور استعاراتی مفاہیم سمجھ کر ترجمہ کرنا ضروری ہے۔

(۳) زبان پر مہارت: مترجم کو دونوں زبانوں میں اظہار، محاورے اور ادبی اسالیب پر عبور ہو، تاکہ اصل متن کا رنگ برقرار رہے۔

(۴) تہذیبی حساسیت: مترجم کو مختلف ثقافتوں کے ربط اور حساسیت کا خیال رکھنا ضروری ہے تاکہ ترجمہ قاری کے لئے درست اور موزوں ہو۔

بین المتونی ترجمہ کے فوائد:

(۱) قاری کو متن کی فکری گہرائی اور روابط سمجھ میں آجاتے ہیں۔

(۲) مختلف متون، زبانوں اور ثقافتوں کے درمیان ادبی اور علمی مکالمہ قائم ہوتا ہے۔

(۳) ترجمہ صرف لفظوں کا تبادلہ نہیں بلکہ فکری اور ادبی پل بھی بنتا ہے۔

(۴) علمی اور ادبی تحقیق میں حوالہ جات کی درست تشریح آسان ہوتی ہے۔

چیلنجز اور احتیاطی تدابیر:

(۱) زبان و ثقافت کا اختلاف: مختلف متون کے تعلقات کو دوسرے زبان میں منتقل کرنا مشکل ہوتا ہے۔

(۲) تشریح اور وفاداری میں توازن: مترجم کو وضاحت اور اصل متن کے وفاداری کے درمیان توازن قائم رکھنا ضروری ہے۔

(۳) متن کی پیچیدگی: بعض اوقات متن کے ضمنی مفاہیم اتنے پیچیدہ ہوتے ہیں کہ ان کی صحیح ترجمانی انتہائی مشکل ہو جاتی ہے۔

02.05 ترجمہ کے اُصول

ترجمہ محض ایک زبان کے الفاظ کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کا نام نہیں بلکہ یہ ایک فکری، لسانی اور ثقافتی عمل ہے جو دو مختلف تہذیبوں کے درمیان معنوی ربط قائم کرتا ہے۔ مترجم کا کام نہ صرف زبانوں کے درمیان رابطہ پیدا کرنا ہے بلکہ معنی، لہجہ، جذبہ اور اُسلوب کو بھی بحفاظت منتقل کرنا ہے۔ اس کے لئے چند بنیادی اُصولوں پر عمل ناگزیر ہے۔

﴿۱﴾ فہمِ متن(Understanding the Source Text)

ترجمہ کرنے سے پہلے مترجم کو اصل متن کا مکمل فہم حاصل ہونا چاہیے۔ مصنف کا مقصد، مفہوم، جذبات اور طرزِ اظہار سمجھے بغیر ترجمہ ادھورا رہتا ہے۔ مترجم کو چاہیے کہ وہ ہر لفظ کے پس منظر، محاورے اور اس کے ثقافتی مفہوم کو سمجھے تاکہ مطلب میں کوئی بگاڑ نہ آئے۔

﴿۲﴾ وفاداریِ متن(Fidelity to the Original Text)

ترجمہ کا بنیادی اُصول یہ ہے کہ مترجم اصل متن کے ساتھ دیانت دار رہے۔ وفاداری کا مطلب لفظ بہ لفظ نقل نہیں بلکہ روحِ متن کی حفاظت ہے۔ اگر کوئی لفظی ترجمہ مفہوم کو بگاڑتا ہے تو مترجم کو معنوی ترجمہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ مفہوم برقرار رہے۔

﴿۳﴾ لسانی نزاکتوں کا لحاظ(Linguistic Sensitivity)

ہر زبان کا اپنا ذائقہ، لہجہ اور محاوراتی انداز ہوتا ہے۔ مترجم کو دونوں زبانوں کے لسانی آہنگ، محاورے، تلمیحات اور ثقافتی اشاروں کا گہرا شعور ہونا چاہیے۔ ایک کامیاب مترجم وہی ہے جو زبان کے مزاج کو محسوس کرے اور اس کے مطابق جملوں کو ڈھالے۔

﴿۴﴾ اسلوب کی مطابقت(Stylistic Harmony)

اصل مصنّف کے اُسلوب کو برقرار رکھنا ترجمہ کی روح ہے۔ اگر متن ادبی ہے تو ترجمہ میں بھی وہی نرمی، روانی اور جمالیاتی رنگ ہونا چاہیے۔ اگر متن علمی ہے تو ترجمہ میں وضاحت، جامعیت اور استدلال کی قوت نظر آئے۔ مترجم کو مصنّف کی فکری فضا سے ہم آہنگ ہونا چاہیے۔

﴿۵﴾ ثقافتی ہم آہنگی(Cultural Equivalence)

ترجمہ صرف الفاظ کا نہیں، تہذیبوں کا تبادلہ ہے۔ ایسے محاورے، تشبیہیں یا علامات جو ایک زبان میں مانوس ہوں، دوسری میں اجنبی محسوس ہوسکتی ہیں۔ مترجم کو چاہیے کہ وہ ان کا متبادل اسی ثقافتی معنویت میں تلاش کرے تاکہ قاری اجنبیت محسوس نہ کرے۔

﴿۶﴾ سلاست اور روانی(Clarity and Fluency)

ترجمہ ایسا ہو کہ قاری کو یہ احساس نہ ہو کہ وہ ترجمہ شدہ متن پڑھ رہا ہے۔ زبان کی روانی، جملوں کی ساخت اور لفظیات میں فصاحت وسادگی ہو۔ مترجم کا ہنر یہی ہے کہ وہ اصل مفہوم کو اس انداز میں بیان کرے کہ وہ اپنی جگہ نیا اور فطری لگے۔

﴿۷﴾ امانت اور دیانت(Integrity and Honesty)

مترجم کے لئے سب سے اہم اصول دیانت داری ہے۔ وہ نہ مفہوم میں کمی کرے نہ اپنی طرف سے اضافہ۔ ترجمہ ایک امانت ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ مترجم مصنف کی فکر کے ساتھ انصاف کرے، خواہ وہ اس سے ذاتی طور پر متفق ہو یا نہ ہو۔

﴿۸﴾ تنقیدی بصیرت(Critical Awareness)

ایک اچھا مترجم صرف نقل کرنے والا نہیں بلکہ فکر کا شریک بھی ہونا چاہیے۔ اسے یہ بھی احساس ہونا چاہیے کہ ترجمہ کے دَوران کون سے پہلو مبہم ہوسکتے ہیں اور کہاں وضاحت کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے علمی شعور، مطالعہ اور تنقیدی صلاحیت لازمی ہے۔

﴿۹﴾ اصطلاحات کا درست انتخاب (Terminological Accuracy)

علمی یا فنی متون میں اصطلاحات کی صحت سب سے اہم پہلو ہے۔ مترجم کو متعلقہ میدان کی اصطلاحات پر دسترس حاصل ہونی چاہیے تاکہ ترجمہ علمی معیار پر پورا اُترے۔ ایک غلط اصطلاح پورے مفہوم کو بگاڑ سکتی ہے۔

﴿۱۰﴾ مقصدیت اور قارئیت (Purpose and Readability)

ہر ترجمہ کا ایک ہدف اور ایک قاری ہوتا ہے۔ مترجم کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ کس کے لئے ترجمہ کر رہا ہے۔ علمی طبقے کے لئے، عام قارئین کے لئے یا ادبی ذوق رکھنے والوں کے لئے۔ یہی شعور ترجمہ کے اسلوب اور لہجے کا تعین کرتا ہے۔ ترجمہ ایک فن بھی ہے اور ایک ذمہ داری بھی۔ یہ زبانوں کے مابین فکر، احساس اور تہذیب کا پُل ہے۔ ایک کامیاب مترجم وہ ہے جو محض لفظوں کو نہیں بلکہ روحِ متن کو منتقل کرے اور ایسا ترجمہ پیش کرے جو زبان کی نزاکتوں، تہذیبی لطافتوں اور فکری صداقتوں کا آئینہ دار ہو۔

02.06 خلاصہ

ترجمہ دراصل علمی وراثت کا تبادلہ ہے جس نے علوم وفنون کو ایک زبان سے دوسری زبان تک منتقل کر کے انسانیت کو فائدہ پہنچایا۔ ترجمے کی بنیاد زبان، سیاق، ثقافت اور دیانت داری پر قائم ہے۔ یہ چاروں ستون اگر مضبوط ہوں تو ترجمہ صرف ایک تحریر نہیں رہتا بلکہ فکری پل بن جاتا ہے۔ مترجم وہ دربان ہے جو دو تہذیبوں کے دروازے کھولتا ہے اور اس کے ہاتھوں میں وہ کلید ہے جس سے فہم و آگہی کی نئی دنیائیں کھلتی ہیں۔ لفظی ترجمہ کا مقصد لفظی صحت کو برقرار رکھنا ہے مگر یہ طرز صرف اُن مواقع پر مفید ہے جہاں معنی متعین اور غیر مبہم ہوں۔ جب متن ادبی یا جذباتی نوعیت کا ہو تو لفظی ترجمہ اکثر ناکافی ثابت ہوتا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ طرز ترجمے کی بنیاد ضرور ہے لیکن کمال نہیں کیوں کہ ترجمہ صرف لفظوں کا نہیں، احساسات کا بھی ہوتا ہے۔ معنوی ترجمہ اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جب اصل متن میں احساسات، استعارے یا ثقافتی معنی غالب ہوں۔ یہ ترجمہ قاری کو مصنف کے قریب لے آتا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ جہاں لفظی ترجمہ ''محافظ'' ہے، وہیں معنوی ترجمہ ''ترجمان'' ہے۔ جو معنی کو زبانِ دل میں ڈھال دیتا ہے۔ آزاد ترجمہ وہ آئینہ ہے جس میں اصل تخلیق کی روح اور احساس جھلکتے ہیں نہ کہ صرف اس کے الفاظ۔ ایک اچھا مترجم وہی ہے جو مصنف کے معنی کو اپنی زبان کے ذوق، لچک اور اثر انگیزی کے ساتھ قاری تک پہنچا دے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ترجمہ محض نقل سے بڑھ کر فنِ ادب بن جاتا ہے۔ ادبی ترجمہ ایک ذہنی ریاضت، فکری ہم آہنگی اور فنی نزاکت کا مرکب ہے۔ یہ فن زبانوں کے درمیان نہیں بلکہ قلب و احساس کے درمیان پُل بناتا ہے۔ اس کے ذریعے مختلف تہذیبوں کے درمیان مکالمہ پیدا ہوتا ہے اور ادب ایک عالمی ورثہ بن جاتا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ادبی ترجمہ صرف الفاظ کی منتقلی نہیں بلکہ احساسات کی منتقلی کا نام ہے۔ ادبی ترجمہ اسی وقت کامیاب ہوتا ہے جب مترجم مصنّف کے جذبے کو اپنی زبان میں یوں زندہ کر دے کہ قاری کو محسوس ہو۔ ''یہ وہی احساس ہے، مگر ایک نئی زبان میں سانس لیتا ہوا۔'' تکنیکی ترجمہ عصرِ حاضر کی سائنسی و فکری دنیا میں ایک ناگزیر ضرورت بن چکا ہے۔ یہ علم کی سرحدوں کو وسعت دیتا ہے، اقوام کو جوڑتا ہے اور تحقیق و صنعت کے میدان میں ترقی کے دروازے کھولتا ہے۔ مگر اس فن میں کامیابی اسی وقت ممکن ہے جب مترجم لسانی مہارت، فنی بصیرت اور علمی دیانت کے ساتھ کام کرے۔ کیوں کہ تکنیکی ترجمہ محض الفاظ کا بدل نہیں، بلکہ علم کی امانت ہے اور

اس امانت کی حفاظت ہی ایک حقیقی مترجم کی اصل پہچان ہے۔ تفسیری ترجمہ فنِ ترجمہ کی ایک بلند ترین صورت ہے، جو مترجم سے فکر، فہم، علم اور دیانت کا مطالبہ کرتی ہے۔ یہ فن محض لفظوں کا بدل نہیں بلکہ فکر کی تجدید کا عمل ہے۔ مترجم یہاں صرف پیغام رساں نہیں بلکہ مفہوم کا شارح ہوتا ہے، جو قاری کو متن کے اندر چھپی روشنی تک لے جاتا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ تفسیری ترجمہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں اصل متن کی روح اور قاری کا فہم ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ترجمہ صرف فن نہیں رہتا بلکہ علم کا تسلسل بن جاتا ہے۔ اختصاری ترجمہ محض الفاظ کی کمی نہیں بلکہ معنی کی تہذیب ہے۔ یہ فن اس مترجم کے لئے امتحان ہے جو کم لفظوں میں زیادہ فکر سمیٹنا جانتا ہو۔ یہی وہ ترجمہ ہے جو وقت کی تنگی میں معنی کی وسعت پیدا کرتا ہے اور قاری کو مفہوم کی گہرائی تک پہنچا دیتا ہے بغیر اسے تفصیل کے بوجھ میں الجھائے۔ یوں اختصاری ترجمہ ادب، تعلیم اور ابلاغ، تینوں کے سنگم پر کھڑا ایک سنجیدہ فنی عمل ہے جو زبان کو سلیقہ، فکر کو توازن اور بیان کو وقار عطا کرتا ہے۔ بین المتونی ترجمہ ایک اعلیٰ سطح کا فکری اور ادبی فن ہے۔ یہ صرف الفاظ کی منتقلی نہیں بلکہ متن کے حوالہ جات، ثقافتی ربط اور ادبی مکالمے کو دوسرے زبان میں منتقل کرنے کا عمل ہے۔ اس کے ذریعے قاری نہ صرف متن کے بنیادی مفہوم کو سمجھتا ہے بلکہ اس کے ادبی اور فکری تعلقات سے بھی واقف ہوتا ہے۔ یوں بین المتونی ترجمہ ادب، تحقیق اور علمی مطالعے میں ایک اہم اور ضروری فنی عمل کے طور پر اُبھرتا ہے، جو ترجمے کو صرف زبان کی تبدیلی نہیں بلکہ فکری اور ادبی پل بناتا ہے۔

یہ اکائی اس بات کا مکمل اشاریہ ہے کہ اگر کوئی قوم علمی خود کفالت، تہذیبی وقار اور فکری سربلندی چاہتی ہے تو اسے ترجمہ کے عمل کو نہایت سنجیدگی، دیانت اور شعور کے ساتھ اپنانا ہوگا۔ کیوں کہ ترجمہ صرف لفظوں کا نہیں، دلوں اور ذہنوں کا تبادلہ ہے۔

02.07 فرہنگ

اِحیا	زندہ کرنا، جان ڈالنا	رمزیت	اشارات اور نشانات سے کام لینا
استدلال	دلیل یا ثبوت پیش کرنا	رموز	راز، نشانات، نکات
اِستعداد	قابلیت، صلاحیت، لیاقت	روابط	تعلقات، میل ملاپ
افادیت	فائدہ، نفع	شارح	شرح لکھنے والا، تفصیل سے بیان کرنے والا
افکار	فکر کی جمع، فکریں، خیالات	ضمنی	عارضی یا ثانوی
اقوامِ عالم	دنیا کی قومیں	عبور	مہارت، پکڑ
اِکتفا	کفایت، قناعت، کافی	عمیق	گہرا، دقیق
انحراف	نافرمانی، انکار	لسانی	زبان سے متعلق یا منسوب
بسا اَوقات	اکثر، کبھی کبھی	مبنی	قائم، منحصر، موقوف
تحریف	متن میں تبدیلی، بدل دینا	مبہم	شک میں پڑا ہوا، گول مول
تحلیل	تفصیل سے جانچ یا پرکھنا	مترجم	ترجمہ کرنے والا
ترسیل	روانہ کرنا، بھیجنا، ارسال کرنا	متقاضی	تقاضا، طلب یا مطالبہ کرنے والا

تشکیلِ نو	نیا نیا بنایا ہوا	متوازن	توازن، وزن میں برابر
تفاہم	سمجھ، دانائی، عقل	متون	متن کی جمع
تفہیم	سمجھنا، سمجھ میں آنا، معلوم ہونا	مربوط	جڑا ہوا، ترتیب دیا ہوا
تمدن	شہری بود و باش، سماجی زندگی، تہذیب	مسخ	بگڑا ہوا، بدلا ہوا
توضیح	وضاحت، تشریح	مشترکہ	شریک کیا ہوا، ساجھے کا
ثقافت	رسم و رواج، تہذیب	معاہدے	عہد نامہ، قول و قرار
جَدول	نقشہ، فہرست	مقید	قید، اسیر
جزئیات	چھوٹی چھوٹی باتیں یا حصہ	منظّم	ترتیب دیا ہوا، متحد، اکٹھا
حذف	خارج	مؤثر	اثر کرنے والا، اثر انداز، کارگر
دربان	چوکی دار یا محافظ	ناگزیر	لازم، ضروری
دسترس	رسائی، پہنچ، قدرت، قابو	نوعیت	خصوصیت، حالت، انداز
دقیق	پیچیدہ، مشکل، دشوار	وسعت	پھیلاؤ، کشادگی، چوڑائی
دیانت دار	ایمان دار، سچا	ہدف	مقصد، نشانہ

02.08 نمونہ امتحانی سوالات

الف: درجِ ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰/۱۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر ۱ : ترجمہ کی مختصر تعریف پیش کیجیے۔

سوال نمبر ۲ : آزاد ترجمہ کیا ہے؟ وضاحت کیجیے۔

سوال نمبر ۳ : مترجم کی ذمہ داریاں اور اوصاف بیان کیجیے۔

ب: درجِ ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰/۳۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر ۱ : ترجمے کے اُصول تحریر کیجیے۔

سوال نمبر ۲ : ترجمہ کی تعریف اور بنیادوں پر روشنی ڈالیے۔

سوال نمبر ۳ : ترجمہ کی کتنی قسمیں ہیں؟ تفصیل سے بیان کیجیے۔

معروضی سوالات

سوال نمبر ۱ : اس اکائی میں ترجمے کی کتنی قسمیں بیان کی گئیں ہیں؟

(الف) ۲ (ج) ۱۰

(ب) ۵ (د) ۸

سوال نمبر۲ : متن کی جمع کیا ہے؟

(الف) باتیں (ج) مارنا

(ب) ابہام (د) متون

سوال نمبر۳ : لفظ ''روابط'' کا معنی کیا ہے؟

(الف) اقرار (ج) انکار

(ب) تعلقات (د) خرافات

سوال نمبر۴ : ''یہ صرف الفاظ کی منتقلی نہیں بلکہ متن کے حوالہ جات، ثقافتی ربط اور ادبی مکالمے کو دوسرے زبان میں منتقل کرنے کا عمل ہے۔'' یہ الفاظ کس کے لئے بیان کیے گئے ہیں؟

(الف) ترجمہ (ج) نظم

(ب) غزل (د) رباعی

سوال نمبر۵ : ''اس کے ذریعے قاری نہ صرف متن کے بنیادی مفہوم کو سمجھتا ہے بلکہ اس کے ادبی اور فکری تعلقات سے بھی واقف ہوتا ہے۔'' یہ الفاظ کس صنف کی وضاحت کرتے ہیں؟

(الف) قصیدہ (ج) ترجمہ

(ب) غزل (د) ان میں سے کوئی نہیں

سوال نمبر۶ : اس اکائی میں ترجمے کے کتنے اصول پیش کیے گئے ہیں؟

(الف) ۲ (ج) ۶

(ب) ۴ (د) ۱۰

معروضی سوالات کے جوابات

جواب نمبر۱ : (د) ۸

جواب نمبر۲ : (د) متون

جواب نمبر۳ : (ب) تعلقات

جواب نمبر۴ : (الف) ترجمہ

جواب نمبر۵ : (ج) ترجمہ

جواب نمبر۶ : (د) ۱۰

02.09 حوالہ جاتی کتب

۱۔ ترجمہ: روایت وفن از نثار احمد قریشی

۲۔ ترجمہ فن اور روایت از پروفیسر قمر رئیس

۳۔ فن ترجمہ نگاری از ڈاکٹر خلیق

✲

اکائی 03 اُردو میں ترجمہ نگاری کی روایت

ساخت

03.01 : اغراض ومقاصد

03.02 : تمہید

03.03 : ترجمے کی تعریف

03.04 : ترجمے کا آغاز وارتقا

03.05 : ترجمے کی روایات

03.06 : خلاصہ

03.07 : فرہنگ

03.08 : سوالات

03.09 : حوالہ جاتی کتب

03.01 اغراض ومقاصد

آپ اس اکائی میں ترجمہ کیا ہے؟ اس کی تعریف، آغاز وارتقا اور اس کی روایات کا بھی تفصیل سے مطالعہ کریں گے۔ جس سے آپ کو ترجمہ کی تعریف، آغاز وارتقا اور اس کی روایات (فورٹ ولیم کالج، دہلی ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی، سرسید احمد خاں کی سائنٹفک سوسائٹی، دارالترجمہ عثمانیہ اور شعری تراجم کی روایت وغیرہ) کو بھی سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ اس کے بعد ہم آپ کے لئے اس اکائی کا خلاصہ پیش کریں گے۔ اس اکائی میں فرہنگ بھی دی جائے گی جس کے ذریعے آپ مشکل الفاظ کے معانی سمجھ کر اکائی کو اچھی طرح سمجھ لیں گے۔ اس کے بعد نمونہ امتحانی سوالات، معروضی سوالات اور ان کے جوابات پیش کیے جائیں گے۔ آخر میں حوالہ جاتی کتب پیش کی جائیں گی۔ اکائی کے مطالعے کے بعد آپ سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ آپ ترجمہ کی قسمیں اور اس کے اُصول سے اچھی طرح واقف ہو جائیں گے۔

03.02 تمہید

اُردو ترجمہ کی روایت کو اگر محض زبان کی تبدیلی تک محدود کر دیا جائے تو یہ اس عظیم فکری عمل کی ناقدری ہوگی۔ درحقیقت ترجمہ ایک ایسا شعوری اور تخلیقی عمل ہے جو دو لسانی نظام کے درمیان محض الفاظ ہی نہیں بلکہ تصورات، تہذیبوں اور احساسات کی منتقلی کا ذریعہ بنتا ہے۔ اُردو میں ترجمہ کی روایت نے نہ صرف علم وادب کی ترسیل کو ممکن بنایا بلکہ فکری بیداری اور تہذیبی شعور کو بھی جلا بخشی۔ برصغیر میں جب مختلف تہذیبیں باہم ٹکرائیں اور میل جول کا عمل شروع ہوا تو ترجمہ ایک ناگزیر ضرورت کے طور پر سامنے آیا۔ مسلم عہدِ حکومت میں عربی اور فارسی کی علمی روایت کو اُردو میں منتقل کرنے کی کوششیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ ترجمہ صرف علمی تقاضا نہیں بلکہ ایک تہذیبی فریضہ بھی تھا۔ اس زمانے میں سیرت، فقہ، تصوّف اور اخلاقیات سے متعلق متون کے تراجم نے اُردو کو مذہبی وروحانی زبان کی حیثیت بھی عطا کی۔

''فورٹ ولیم کالج'' کا قیام اُردو ترجمہ کی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں انگریزی، فارسی اور سنسکرت کی اہم کتب کو اُردو میں منتقل کیا گیا، جس کے نتیجے میں اُردو نثر کو نہ صرف وسعت ملی بلکہ اس کا اُسلوب بھی سنور کر سامنے آیا۔ داستانوی اور اخلاقی ادب کے تراجم نے اُردو قارئین میں مطالعہ کا ذوق پیدا کیا اور زبان کو ایک منظّم فکری ڈھانچہ عطا کیا۔ ترجمہ نگاری کے اس سفر میں مترجم محض ایک وسیلہ نہیں بلکہ ایک معنوی تخلیق کار کے طور پر اُبھرتا ہے۔ وہ اصل متن کے پس منظر، اُسلوب، فکری جہت اور لسانی نزاکت کو سمجھ کر اسے اُردو کے سانچے میں اس طرح ڈھالتا ہے کہ نہ صرف مفہوم برقرار رہے بلکہ جمالیاتی حُسن بھی قائم رہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ترجمہ فن کے درجے پر فائز ہو جاتا ہے۔

انیسویں صدی کے بعد مغربی علوم و افکار کے تراجم نے اُردو علمی روایت کو نئی سمت دی۔ فلسفہ، عمرانیات، نفسیات، تاریخ اور سائنس کے تراجم نے اُردو کو ایک ہمہ گیر علمی زبان بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اسی دَور میں اصطلاح سازی کا عمل بھی تیز ہوا جس کے نتیجے میں اُردو علمی زبان کے طور پر مزید مستحکم ہوئی۔ اُردو ترجمہ کی روایت میں تہذیبی مطابقت کو ہمیشہ مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ مترجمین نے محض لفظی وفاداری پر زور دینے کے بجائے مفہومی وفاداری کو ترجیح دی تاکہ ترجمہ، قاری کے لئے اجنبی نہ ہو بلکہ مانوس اور قابلِ فہم بن جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو ترجمہ ہمیشہ دل نشین اور رواں محسوس ہوتا ہے۔ عصری دَور میں ترجمہ نہ صرف علمی میدان بلکہ میڈیا، صحافت، ڈیجیٹل پلیٹ فارم اور بین الاقوامی مکالمے کا اہم ذریعہ بن چکا ہے۔ عالمی ادب کے تراجم نے اُردو قارئین کو مختلف تہذیبوں کے فکری نظام سے آشنا کیا، جبکہ اُردو ادب کے تراجم نے اُردو کو عالمی منظرنامے پر روشناس کرایا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض اوقات اُردو ترجمہ میں سطحی پن اور لغوی جمود کا شکار ہونا بھی دیکھا گیا ہے، جہاں مترجم نے اصل متن کی روح کو مکمل طور پر منتقل نہیں کیا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ترجمہ محض لسانی مشق نہیں بلکہ فکری ذمہ داری ہے، جو عمیق مطالعہ، لسانی مہارت اور تہذیبی بصیرت کی متقاضی ہے۔ اُردو ترجمہ کی روایت ایک زندہ اور متحرک فکری سلسلہ ہے جو ماضی کی حکمت، حال کی ضروریات اور مستقبل کی امنگوں کو باہم جوڑتا ہے۔ یہ روایت اُردو زبان کو وسعت، گہرائی اور معنویت عطا کرتی ہے اور اسے محض اظہار کا ذریعہ نہیں بلکہ فکری مکالمے کا مؤثر وسیلہ بناتی ہے۔ بلاشبہ ترجمہ اُردو کی روحانی و علمی زندگی کا ایک لازمی جزو ہے، جس کے بغیر اس کی فکری عظمت کا تصوّر بھی ممکن نہیں۔

03.03 ترجمے کی تعریف

ترجمہ وہ شعوری اور فنی عمل ہے جس میں ایک زبان میں موجود مفہوم، جذبات، معلومات اور طرزِ اظہار کو دوسری زبان میں منتقل کیا جاتا ہے مگر محض الفاظ کی لفظی ادائیگی نہیں بلکہ اس بندھے ہوئے پیغام کی روح، سیاق و سباق اور مقصد کو برقرار رکھتے ہوئے نئی زبان میں زندہ کرنا ہوتا ہے۔ ترجمہ کا مقصد صرف کسی متن کو دوسری زبان میں پڑھنے کے قابل بنانا نہیں بلکہ پڑھنے والے کو وہی فکری، جذباتی اور ثقافتی تجربہ فراہم کرنا ہے جو اصل متن دے رہا تھا۔

﴿۱﴾ **بنیادی عناصر:**

(۱) مفہوم (Meaning): الفاظ اور جملوں کی سطح پر جو مطلب ہے، اسے برقرار رکھنا ضروری ہے۔

(۲) سیاق و سباق (Context): جملے کا پس منظر، مصنف کا ارادہ، مخاطب کی نوعیت اور متن کا صنف یہ سب ترجمہ کے فیصلوں کو متاثر کرتے ہیں۔

(۳) اسلوب و لحن (ToneStyle): رسمی، غیر رسمی، ادبی، سائنسی یا بول چال کی زبان، اس انداز کو برقرار رکھنا یا متن کے مقصد کے مطابق ڈھالنا۔

(۴) ثقافتی حوالہ جات (Cultural References): محاورے، روایات، تاریخی یا سماجی اشارات کو مناسب متبادل یا تشریح کے ساتھ پیش کرنا۔

(۵) عملی مقصد (Function): معلومات پہنچانی ہے، قاری کو قائل کرنا ہے، تفریح کرانی ہے یا قانونی حیثیت رکھنی ہے۔ یہ مقصد ترجمہ کے طریقۂ کار کو بدل دیتا ہے۔

﴿۲﴾ ترجمے کی اقسام (مختصر):

(۱) لفظی/حرف بہ حرف ترجمہ: الفاظ کے قریب ترین متبادل تلاش کیے جاتے ہیں۔ مفہوم ضائع ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

(۲) خیالی/مقصدی ترجمہ: مفہوم اور اثر کو مقدم رکھا جاتا ہے، اُسلوب میں تبدیلی جائز سمجھی جاتی ہے۔

(۳) آڈینس/مرکوز ترجمہ: جسے کس کے لئے ترجمہ کیا جا رہا ہے (عمومی قاری، طلبہ، ماہرین) کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔

(۴) ترمیمی/ادارتی ترجمہ: جب اصل متن میں مقامی حوالہ جات یا انداز قابلِ قبول نہ ہوں تو ترجمہ میں تبدیلی یا توضیح کی جاتی ہے۔

﴿۳﴾ ترجمہ کا عمل مراحل:

(۱) مطالعہ اور تجزیہ: متن کی نوعیت، مقصد، ہدفِ سامعین اور ثقافتی مخصوصیات کو سمجھنا۔

(۲) ابتدائی ترجمہ: مفہومی خاکہ تیار کرنا، جملوں کا بنیادی ترجمہ کرنا۔

(۳) درمیانی ترمیم: اُسلوب، روانی اور مطابقت کے لئے ایک یا کئی بار نظر ثانی۔

(۴) حتمی ادارت و ثبوت خوانی: اصطلاحات، املا، علامات اور حوالہ جات کی جانچ۔

(۵) حساس نوعیت کی جانچ (اگر ضروری ہو): قانونی، طبی یا تکنیکی مواد میں ماہر کی پڑتال لازمی۔

﴿۴﴾ اُصول اور توازن:

ترجمہ میں دو اہم اقدار کے مابین توازن ضروری ہے: وفاداری (Fidelity) اور قابلیتِ رسائی (Accessibility)

(۱) وفاداری: متن کے قریب رہنا۔

(۲) قابلیتِ رسائی: نئے قاری کے لئے متن کو قدرتی اور پڑھنے کے قابل بنانا۔

اچھا ترجمہ دونوں کا بے نظیر توازن ہے جہاں معنی اور اثر برقرار رہیں اور زبان قدرتی محسوس ہو۔

﴿۵﴾ مشکلات اور چیلنجز:

لغوی خلا: بعض الفاظ یا تصوّرات دوسری زبان میں سیدھا متبادل نہیں رکھتے۔

محاورات و اصطلاحات: لوک محاورے، ثقافتی استعارے اور محاوراتی الفاظ کو مناسب انداز میں منتقل کرنا مشکل ہوتا ہے۔

ثقافتی حساسیت: کچھ مواد ممکنہ طور پر ناپسند یا غلط سمجھا جا سکتا ہے، ترجمان کو ثقافتی حساسیت کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔

علاقائی فرق: ایک ہی زبان کے مختلف بولیوں اور رجسٹرز کا فرق، جسے ترجمہ میں برقرار رکھنا یا بدلنا ضروری ہوسکتا ہے۔

﴿۶﴾ اخلاقی اور پیشہ ورانہ اُصول:

(۱) وفاداری اور ایمانداری: مصنّف کے ارادے کو توڑنا یا متن کو جان بوجھ کر بدلنا غیر اخلاقی ہے۔

(۲) قابلِ اعتماد حوالہ: تکنیکی اور سائنسی متن میں درست حوالہ جات اور ماہرین کی تصدیق ضروری ہے۔

(۳) رازداری: خاص طور پر ترجمہ کیے جانے والے دستاویزات کی رازداری برقرار رکھنی چاہیے۔

(۴) معرفت و اہلیت: مترجم کا علمِ موضوع، لسانی قابلیت اور ثقافتی واقفیت ترجمے کی معیار طے کرتی ہیں۔

(۵) ترجمہ کی فطرت: ترجمہ ایک فنی عمل ہے جو زبانوں کے درمیان پُل قائم کرتا ہے۔ یہ لفظوں کا تبادلہ نہیں بلکہ معنی، تاثر اور ثقافتی تجربہ کا منتقل کرنا ہے۔ ایک عمدہ ترجمہ وہ ہے جو پڑھنے والے کو اصل متن کے قریب ترین تجربے سے روشناس کرائے۔

03.04 ترجمے کا آغاز و ارتقا

انسانی تہذیب کی تاریخ محض جنگوں، سلطنتوں اور ایجادات کی نہیں، بلکہ خیالات، علوم اور ثقافتوں کے تبادلے کی بھی داستان ہے۔ جب مختلف زبانیں بولنے والی قومیں ایک دوسرے کے قریب آئیں، تو ایک ایسی ضرورت نے جنم لیا جو بعد میں ایک مکمل علمی فن بن گئی اور وہ ہے ''ترجمہ''۔ ترجمہ دراصل انسان کی اس خواہش کا اظہار ہے کہ وہ دوسرے انسان کے فہم تک پہنچے، اس کی بات سمجھے اور اپنی بات اس تک پہنچائے۔ یوں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ترجمہ صرف الفاظ کی منتقلی نہیں بلکہ تہذیبوں کے درمیان ایک خاموش مگر طاقتور پل ہے۔

﴿۱﴾ ابتدائی دَور میں ترجمہ:

ترجمہ کا آغاز اس وقت ہوا ہوگا جب انسان نے پہلی مرتبہ محسوس کیا کہ اس کی زبان دوسرے انسان کے لئے نامانوس ہے۔ ابتدائی معاشروں میں تجارتی قافلوں، سفیروں اور مسافروں کے ذریعے مختلف قوموں کا آمنا سامنا ہوا۔ اس وقت مترجمین باقاعدہ تعلیمی پس منظر کے حامل لوگ نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ افراد ہوتے تھے جو دو زبانوں سے واقف ہوتے اور عملی ضرورت کے تحت الفاظ کا تبادلہ کرتے تھے۔ اس دَور میں ترجمہ صرف روزمرّہ کی ضروریات تک محدود تھا۔ جیسے: اشیا کا لین دین، پیغامات کی ترسیل یا معاہدوں کا مفہوم سمجھانا۔ جوں جوں انسانی شعور میں وسعت آئی اور علم کی قدر بڑھی، ویسے ویسے ترجمہ بھی محض ضرورت سے نکل کر علم کے فروغ کا ذریعہ بن گیا۔ مختلف تہذیبوں کے لوگوں نے محسوس کیا کہ ہر قوم کے پاس کچھ نہ کچھ قیمتی علمی سرمایہ ہے اور اگر وہ دوسرے لوگوں تک منتقل ہو جائے تو انسانیت مجموعی طور پر ترقی کی طرف گامزن ہوسکتی ہے۔

﴿۲﴾ مذہبی متون اور ترجمہ:

ترجمہ کے ارتقائی سفر میں مذہبی کتب کو ایک خاص مقام حاصل رہا ہے۔ جب مذاہب نے سرحدوں سے نکل کر مختلف اقوام میں پھیلنا شروع کیا تو ان کی تعلیمات کو مقامی زبانوں میں منتقل کرنا ناگزیر ہوگیا۔ اسی ضرورت نے ترجمہ کو ایک باقاعدہ علمی عمل کی شکل دی۔ مترجمین کو یہ احساس ہوا کہ مذہبی مفاہیم کے ترجمے میں معمولی سی لغزش بھی بڑے فکری مغالطے کو جنم دے سکتی ہے، لہٰذا ترجمہ نہایت احتیاط، دیانت اور فہم کے ساتھ کیا جانے لگا۔ یوں تو ترجمہ صرف زبان دانی کی مشق نہ رہا بلکہ فکری ذمہ داری کا عمل بن گیا۔

﴿۳﴾ علمی سرمائے کی منتقلی:

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ترجمہ کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ فلسفہ، سائنس، طب، ریاضی اور ادب جیسے شعبے بھی اس کے دائرے میں آ گئے۔ مختلف خطوں میں علمی ذخائر موجود تھے مگر زبان کی رکاوٹ انہیں محدود رکھے ہوئے تھی۔ ترجمے نے ان رکاوٹوں کو توڑا اور ایک تہذیب کے علم کو دوسری تہذیب تک پہنچا دیا۔ یہ وہ مرحلہ تھا جب ترجمہ ایک باقاعدہ تحریک کی صورت اختیار کرتا ہے۔ بعض اَدوار میں حکومتوں اور دانشوروں نے ترجمے کی سرپرستی کی، جامعات اور علمی مراکز قائم کیے گئے، جہاں مترجمین کی جماعتیں مل کر اہم علمی متون کو دوسری زبانوں میں منتقل کرنے لگیں۔ اس سے نہ صرف علم بڑھا بلکہ زبانوں میں وسعت اور گہرائی بھی پیدا ہوئی۔

﴿۴﴾ ادبی ترجمہ اور اس کی اہمیت:

ادب انسانی جذبات، تجربات اور سماجی شعور کی عکاسی کرتا ہے۔ جب ادبی متون کا ترجمہ ہوا تو ایک قوم کے دکھ، سکھ، روایات اور خواب دوسری قوم تک پہنچنے لگے۔ ناول، افسانہ، شاعری اور ڈراما ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہو کر عالمی ادب کا حصہ بن گئے۔ یوں ادب نے ایک آفاقی رنگ اختیار کر لیا۔ ادبی ترجمہ نے زبانوں کو نئے اسالیب، تراکیب اور محاورات سے روشناس کرایا۔ کئی زبانوں کی ترقی میں ترجمہ شدہ ادب نے بنیادی کردار ادا کیا۔ اس سے تخلیقی اظہار کو نئی سمتیں ملیں اور فکر کے نئے دریچے کھلے۔

﴿۵﴾ جدید دَور میں ترجمہ:

آج کے دَور میں ترجمہ ایک مستقل علم اور باقاعدہ شعبہ بن چکا ہے۔ تعلیمی اداروں میں ترجمہ کے اُصول و نظریات پڑھائے جاتے ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی نے اس عمل کو تیز کر دیا ہے مگر اس کے باوجود انسانی عقل، ذوق اور فہم کی جگہ کوئی مشین نہیں لے سکی۔ اس لئے ایک اچھا مترجم آج بھی وہی ہے جو دونوں زبانوں کے ساتھ ساتھ دونوں تہذیبوں کے شعور سے بھی واقف ہو۔ عصرِ حاضر میں ترجمہ صرف کتابوں تک محدود نہیں رہا۔ فلم، میڈیا، سفارت کاری، سائنس و ٹیکنالوجی، قانون اور بین الاقوامی تعلقات جیسے اہم میدانوں میں اس کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ چکی ہے۔ یوں ترجمہ انسانوں کو قریب لانے والا ایک عالمی ذریعہ بن چکا ہے۔

﴿۶﴾ مجموعی جائزہ:

اگر ترجمہ کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ترجمہ انسانی ترقی کے ستونوں میں سے ایک ہے۔ اگر ترجمہ نہ ہوتا تو شاید علوم مخصوص زبانوں اور علاقوں تک محدود رہتے اور تہذیبوں کے درمیان وہ فکری ربط قائم نہ ہو پاتا جو آج ہمیں نظر آتا ہے۔

ترجمہ دراصل صرف زبانوں کو نہیں بلکہ دلوں اور ذہنوں کو بھی ایک دوسرے سے جوڑتا ہے۔ یہ انسان کے اس ازلی خواب کی تعبیر ہے جس میں وہ چاہتا ہے کہ اس کی بات، اس کا علم اور اس کا احساس سرحدوں سے آزاد ہو کر پوری دنیا تک پہنچے۔

03.05 ترجمے کی روایات

ترجمہ صرف الفاظ کی تبدیلی کا نام نہیں بلکہ تہذیبوں کے باہمی مکالمے، فکری ربط اور علمی منتقلی کا ایک ہمہ گیر ذریعہ ہے۔ اُردو زبان کی تشکیل و ترویج میں ترجمہ نگاری کو جو بنیادی حیثیت حاصل ہے، وہ اسے محض ایک فنی عمل سے بڑھا کر تہذیبی روایت کا درجہ دیتی ہے۔ اُردو کی ترجمہ نگاری نے مختلف زبانوں کے علمی، ادبی، فلسفیانہ اور سائنسی ذخیرے کو اپنے دامن میں سمیٹ کر برصغیر کے فکری افق کو وسعت بخشی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو کی روایت میں ترجمہ نہ صرف ایک علمی ضرورت رہا بلکہ زبان کی بالیدگی اور فکری نشو و نما کا طاقت ور وسیلہ بھی بنا۔

﴿۱﴾ ترجمہ نگاری کا مفہوم:

ترجمہ نگاری سے مراد کسی زبان کے متن کو اس کے مفہوم، اُسلوب، تہذیبی پس منظر اور فکری روح کو برقرار رکھتے ہوئے دوسری زبان میں منتقل کرنا ہے۔ یہ عمل لفظی تبدیلی سے کہیں بڑھ کر تخلیقی شعور، زبان دانی اور معنوی بصیرت کا تقاضا کرتا ہے۔ ایک کامیاب مترجم وہی ہوتا ہے جو اصل متن کے مزاج کو برقرار رکھتے ہوئے اسے ہدفی زبان میں اس طرح منتقل کرے کہ مفہوم بھی محفوظ رہے اور اسلوب بھی فطری معلوم ہو۔

﴿۲﴾ برصغیر میں ترجمہ نگاری کی ابتدائی روایت:

برصغیر میں ترجمہ نگاری کی روایت اسلامی عہد کے ساتھ ہی شروع ہوگئی تھی جب عربی اور فارسی علمی ذخیرے کو مقامی زبانوں میں منتقل کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ مذہبی علوم، فقہی متون اور صوفیانہ تعلیمات کے تراجم نے عوام کو فکری روشنی فراہم کی۔ بعدازاں جب اُردو نے ایک باقاعدہ زبان کی شکل اختیار کی تو عربی، فارسی اور سنسکرت کے اہم متون کے تراجم اُردو میں کیے جانے لگے جنہوں نے علمی شعور کو جلا بخشی۔

﴿۳﴾ دکنی عہد اور ترجمہ نگاری:

دکنی دَور اُردو ترجمہ نگاری کی ابتدائی باقاعدہ صورت کا مظہر ہے۔ اس عہد میں دینی کتب، اخلاقی رسائل اور صوفیانہ تصانیف کے تراجم نے زبان میں سادگی اور روانی پیدا کی۔ دکنی مترجمین نے ترجمہ کو عوامی سطح پر فہم کے لئے قابلِ رسائی بنایا اور یوں اُردو کو ایک مقبول علمی زبان کے طور پر فروغ ملا۔

﴿۴﴾ ''فورٹ ولیم کالج'': تاریخ، خدمات اور ادبی اثرات:

برصغیر کی تعلیمی و لسانی تاریخ میں ''فورٹ ولیم کالج'' کو ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ ادارہ محض ایک تعلیمی مرکز نہیں تھا بلکہ ایک ایسا علمی کارخانہ تھا جہاں زبان و بیان کو باقاعدہ نظم وضبط کے ساتھ فروغ دیا گیا اور مقامی زبانوں کو سرکاری و تعلیمی سطح پر ایک نئی شناخت عطا ہوئی۔ خصوصاً اُردو زبان کی ترویج و تشکیل میں فورٹ ولیم کالج کا کردار فیصلہ کن ثابت ہوا جس نے نثر کے اسالیب، ترجمہ نگاری اور لسانی معیار کو واضح سمت فراہم کی۔

(۱) قیام کا پس منظر: اٹھارہویں صدی کے اواخر میں ''ایسٹ انڈیا کمپنی'' کو برصغیر میں اپنے انتظامی اُمور چلانے کے لئے ایسے اہل کاروں کی ضرورت محسوس ہوئی جو مقامی زبانوں سے واقف ہوں۔ اسی مقصد کے تحت ۱۸۰۰ء میں گورنر جنرل ویلزلی کی سرپرستی میں ''رائٹرز بلڈنگ'' کلکتہ (موجودہ کولکاتا) میں ''فورٹ ولیم کالج'' کا قیام عمل میں آیا۔ فورٹ ولیم کالج کے پرنسپل یا نائب پرنسپل ہونے کے لئے یہ شرط طے کی گئی کہ اس کالج کا جو بھی پرنسپل یا نائب پرنسپل ہوگا، وہ ''چرچ آف انگلینڈ'' کا پادری ہونا چاہیے۔ اس کالج کا پرنسپل پادری ریورنڈ ڈیوڈ اور شعبۂ ہندوستانی کے پہلے پروفیسر جان گل کرسٹ تھے۔ ولزلی نے ۱۸/اگست ۱۸۰۰ء میں گل کرسٹ کو ہندوستانی شعبے کا پروفیسر مقرر کیا اور گل کرسٹ نے تقریباً چار سال خدمت انجام دی۔ گل کرسٹ نے ''ہندوستانی پریس'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کے زیر اہتمام کتابیں شائع کی جاتی تھیں۔ اس ادارے کا بنیادی مقصد انگریز افسروں کو ہندوستانی زبانوں، ثقافت اور معاشرت سے روشناس کرانا تھا تاکہ وہ مقامی آبادی سے بہتر روابط قائم کرسکیں۔

(۲) تعلیمی ولسانی خدمات: ''فورٹ ولیم کالج'' نے زبان کی تعلیم کو محض بول چال تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے ایک باقاعدہ علمی و ادبی قالب میں ڈھالنے کی سعی کی۔ یہاں فارسی، عربی، سنسکرت، بنگالی اور ہندی کے ساتھ ساتھ اُردو زبان کی تدریس کو خصوصی اہمیت دی گئی۔ اسی دَور میں اُردو نثر کو سادگی، روانی اور وضاحت کے اوصاف سے آراستہ کیا گیا، جس کا براہِ راست اثر بعد کی ادبی روایت پر پڑا۔

کالج میں مترجمین اور مصنّفین کی ایک جماعت تیار کی گئی جنھوں نے کلاسیکی داستانوں، اخلاقی حکایات اور مذہبی متون کو اُردو قالب میں منتقل کیا۔ یہ تراجم نہ صرف تعلیمی ضروریات کے لئے تھے بلکہ زبان کی ساخت کو نکھارنے کا ذریعہ بھی بنے۔

(۳) اہم اہلِ قلم اوران کی خدمات: ''فورٹ ولیم کالج'' سے وابستہ متعدد اہلِ قلم نے اُردو نثر کو ایک مستحکم بنیاد فراہم کی۔ ان میں میر اَمن دہلوی، شیر علی افسوؔس، حیدر بخش حیدری، نہال چند لاہوری، میر بہادر علی حسینی، مظہر علی خاں وِلاؔ، کاظم علی خاں جواںؔ، حفیظ الدین احمد، خلیل علی خاں اشکؔ، مولوی اکرام علی، مرزا علی لطفؔ، للولال کوی، مرزا جان طپش، مولوی امانت اللہ اور مرزا محمد فطرت جیسے نام نمایاں ہیں۔ میر اَمن دہلوی کی تصنیف ''باغ و بہار'' کو اُردو نثر کی کلاسیکی روایت میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ جو زبان کی سلاست اور بیانیہ حُسن کی بہترین مثال ہے۔ ان اہلِ قلم نے محاوراتی زبان کو فروغ دیا، تکلف سے گریز کیا اور ایسے اسلوب کو رواج دیا جو عام قاری کی فہم سے قریب تر تھا۔ اس طرح اُردو نثر کو ایک نئی شناخت ملی جو نہ صرف درباری بلکہ عوامی سطح پر بھی مقبول ہوئی۔

(۴) ترجمہ نگاری اوراس کا ارتقا: ''فورٹ ولیم کالج'' کو برّصغیر میں باضابطہ ترجمہ نگاری کا اوّلین مرکز کہا جا سکتا ہے۔ یہاں تراجم کا مقصد صرف مفہوم کی منتقلی نہیں بلکہ زبان کی تربیت اور اُسلوب کی تہذیب بھی تھا۔ مترجمین نے مقامی زبان کے سانچے میں غیر ملکی متون کو یوں ڈھالا کہ وہ اجنبی محسوس نہ ہوں بلکہ مقامی مزاج کا حصہ بن جائیں۔ میر امن دہلوی کی مشہور کتاب ''باغ و بہار'' جس کی اشاعت ۱۸۰۴ء ہے۔ ان کی ایک اور کتاب ''گنج خوبی'' جو اخلاقِ محسنی کا ترجمہ ہے۔ شیر علی افسوؔس جو ایک بہترین شاعر بھی تھے۔ ان کی کچھ تالیفی وتخلیق کارناموں میں: ''باغِ اُردو''، جسے جان گل کرسٹ کی فرمائش پر لکھا تھا اور یہ شیخ سعدی کی تصنیف ''گلستاں'' کا اُردو ترجمہ ہے، جس میں انہوں نے نثر کا ترجمہ نثر میں اور نظم کا ترجمہ نظم میں کیا ہے۔ ''آرائشِ محفل'' یہ کتاب فارسی میں ایک قصہ ''حاتم طائی'' سے ماخوذ ہے۔ انہوں نے ایک اور فارسی کتاب ''بہارِ دانش'' کا اُردو ترجمہ گلزارِ دانش کے نام سے کیا۔ حیدر بخش حیدری کی تصنیفات: قصہ مہر و ماہ، ''توتا کہانی'' جو سید محمد قادری کی تصنیف ''طوطی نامہ'' کا اُردو ترجمہ ہے۔ حیدری نے مُلّا واعظ حسین کاشفی کی تصنیف ''روضۃ الشہدا'' کا اُردو میں ترجمہ ''گلِ مغفرت'' کے نام سے کیا۔ گل کرسٹ کی فرمائش پر نہال چند لاہوری نے ''تاج الملوک'' اور ''بکاولی'' جو فارسی زبان کے قصے تھے، ان کا ترجمہ اُردو میں ''مذہبِ عشق'' کے نام سے کیا۔ میر بہادر علی حسینی نے تقریباً چار کتابوں (۱) ''نثرِ بے نظیر'' (میر حسن کی مثنوی ''سحر البیان'' کے قصے کو نثر کیا) (۲) ''اخلاقِ ہندی'' (فارسی زبان کی کتاب ''مفرح القلوب'' کا اُردو ترجمہ ہے) (۳) ''نقلیاتِ ہندی'' اور (۴) ''تاریخ آسام'' کا فورٹ ولیم کالج میں ترجمہ کیا۔ مظہر علی خاں وِلاؔ نے للولال کوی کی مدد سے گل کرسٹ کی فرمائش پر ''مادھونل اور کام کنڈلا'' اور ''بیتال پچیسی'' کا برج بھاشا سے اُردو میں ترجمہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ وِلاؔ نے ''ہفت گلشن''، ''لطائف وظرائف''، ''تاریخ شیر شاہی''، ''تاریخ جہانگیر شاہی'' اور ''پند نامہ'' کے بھی ترجمے کیے۔ کاظم علی جواںؔ نے برج بھاشا سے اُردو میں ''شکنتلا'' اور ''سنگھاسن بتیسی'' جیسی کتابوں کا ترجمہ کیا، اس کے بعد ''ترجمۂ قران مجید'' لکھا اور آخر میں ''تاریخ فرشتہ'' کے ایک حصے کا اُردو ترجمہ ''تاریخِ بہمنی'' کے نام سے کیا۔ حفیظ الدین احمد صاحب نے ''عیارِ دانش'' کا اُردو ترجمہ ''خرد افروز'' کے نام سے کیا۔ خلیل علی خاں اشکؔ نے ''فورٹ ولیم کالج'' میں خدمت کے دَوران

تقریباً چھ کتب(۱)''داستانِ امیر حمزہ''(۲)''رسالۂ کائنات''(۳)''نگار خانۂ چین''(۴)انتخابِ سلطانیہ(۵)''واقعاتِ اکبر''(۶) ''منتخب الفوائد'' کا ترجمہ کیا۔مولوی اکرام علی عربی کے جیّد عالم تھے اورانہوں نے فورٹ ولیم کالج میں عربی رسالہ''اِخوان الصفا'' کا ترجمہ کیا۔مرزا علی لطف نے''گلشنِ ہند'' کے نام سے فارسی تذکرہ''گلزارِ ابراہیم'' کا اُردو زبان میں ترجمہ کیا۔مرزا محمد فطرت نے کالج میں ولیم ہنٹر کی مدد سے''انجیل'' کا اُردو میں ترجمہ کیا۔

(۵)ادبی اثرات ونتائج: ''فورٹ ولیم کالج'' کی خدمات کا سب سے بڑا اثر یہ تھا کہ اُردو نثر،ایک معیاری،مربوط اور منظّم اُسلوب کی حامل ہوگئی۔زبان کو درباری پیچیدگیوں سے نکال کر سادہ اور رواں انداز میں پیش کیا گیا۔اس کے نتیجے میں ادبی تخلیق میں توازن،شائستگی اور فکری وضاحت پیدا ہوئی۔اسی دَور میں نصابی ادب،اخلاقی حکایات اور اصلاحی مضامین نے جنم لیا جو بعد ازاں سرسید کی تحریک اور جدید نثر کی بنیاد بنے۔اگرچہ فورٹ ولیم کالج کی خدمات بے مثال ہیں تاہم بعض ناقدین کے نزدیک اس ادارے نے اُردو زبان کو ایک مصنوعی سانچے میں ڈھال دیا جہاں فطری ارتقا کے بجائے سرکاری ضرورتیں غالب رہیں۔اس کے باوجود یہ حقیقت ناقابلِ انکار ہے کہ اگر فورٹ ولیم کالج وجود میں نہ آتا تو اُردو نثر کو وہ باقاعدہ ڈھانچہ شاید اتنی جلدی نصیب نہ ہوتا۔''فورٹ ولیم کالج''برّصغیر کی علمی تاریخ کا وہ درخشاں باب ہے جس نے زبان وادب کو ایک نئی جہت عطا کی۔اس کی بدولت اُردو نثر نے سادگی،تشخص اور فکری ہم آہنگی حاصل کی۔یہ ادارہ نہ صرف تعلیمی تاریخ بلکہ اُردو زبان کے فکری وفنی ارتقا کا روشن مینار ہے جس کی کرنیں آج بھی ادبی اُفق پر نمایاں ہیں۔

﴿۵﴾ ''دہلی ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی:پس منظر،کردار اور ادبی احوال'':

''دہلی ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی'' ایک مقامی سطح پر قائم شدہ علمی ابتکار کے طور پر تاریخی ولسانی مطالعے میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔اس دستاویز کا مقصد اسی مخصوص ادارے کی فطرت،خدمات اور اُردو وہندی دونوں زبانوں پر اس کے اثرات کو پیش کیا جارہا ہے۔

(۱)قیام اور تاریخی ماحول: مسٹر فیاکس بتروس نے''ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی''۱۸۴۳ء میں دہلی کالج کے ماتحت قائم کی۔دہلی کے طویل علمی اور ادبی پس منظر میں''ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی'' نے ایک اہم کردار ادا کیا۔خاص طور پر وہ دَور جب طبع وطبعیات،جدید علوم اور انتظامی اصطلاحات کو مقامی زبانوں میں منتقل کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔یہ سوسائٹی،جو عموماً مقامی علما،مترجمین اور بعض سماجی/مشنری حلقوں کے تعاون سے چلتی رہی۔دہلی کے اشاعتی،مدارس اور علمی حلقوں میں فعال رہی۔اس کا کام بنیادی طور پر مقامی زبانوں (اُردو،ہندی، بنگالی ودیگر بولیوں) میں نصابی،سائنسی اور اخلاقی مضامین کے تراجم اور تشریحات کی ترویج تھا تاکہ شعورِ عامہ میں علمی مضامین کی رسائی ممکن بنائی جاسکے۔

(۲)مقاصد وترجیحات: دہلی ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی کے مرکزی مقاصد درج ذیل سمجھے جاتے ہیں:

مقامی زبانوں میں معیاری تعلیمی وعلمی مواد کی تیاری۔

مذہبی،اخلاقی اور سائنسی متون کا ایسے انداز میں ترجمہ جو مقامی ثقافتی تناظر کے مطابق ہو۔

اصطلاح سازی:نئی سائنسی،قانونی اور انتظامی اصطلاحات کا مقامی زبانوں میں متعارف کرانا۔

مترجمین کی تربیت اور لسانی معیارات کی باضابطہ تشہیر۔

ان اہداف کے پیچھے مقامی تعلیمی ضروریات کے ساتھ ساتھ سماجی بیداری کا مقصد بھی پایا جاتا تھا، یعنی تعلیم کو محض خواص تک محدود رکھنے کے بجائے عوامی سطح تک پہنچانا۔

(۳) عمومی طریقِ کار: سوسائٹی کے کام کا طریقِ کار عموماً تین ستونوں پر مشتمل تھا: متن کا انتخاب، مفہوم کی مطابقت اور لسانی ہم آہنگی۔ مترجمین اصل متن کے مفہوم کو برقرار رکھتے ہوئے اسے اِس انداز میں ڈھالتے کہ قارئین کو معنی کی روانی محسوس ہو۔ اس عمل میں ادبی ذوق، اصطلاحی جانکاری اور مقامی محاورات کی سمجھ اتنی ہی ضروری تھی جتنی کہ علمی مہارت۔

(۴) نمایاں شعبہ جات و موضوعات: دہلی ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی نے درجِ ذیل موضوعات پر خاص توجہ دی:

تعلیمی نصاب (تاریخ، جغرافیہ، ریاضی وغیرہ)

طبی وصحت کے موضوعات۔

اخلاقی و مذہبی تراجم جو عام فہم انداز میں ہوں۔

سماجی وسیاسی مباحث جن کا مقامی سیاق وسباق میں ترجمہ مفید ہو۔

یہ شعبہ جات اس لئے منتخب کیے گئے کہ ان کا براہِ راست اثر تعلیمی وسماجی فہم پر پڑتا تھا۔

(۵) لسانی وادبی اثرات: سوسائٹی کے زیرِ اہتمام تراجم نے دہلی کے لسانی منظرنامے میں کئی نمایاں تبدیلیاں لائیں:

اُردو وہندی نثر میں سادگی، وضاحت اور علمی اصطلاحات کی شمولیت بڑھی۔

کتابت وچھپائی کے نئے سانچے مقبول ہوئے اور مقامی ''پرنٹنگ ہاؤسز'' نے ایسے متون شائع کیے جو پہلے دستیاب نہ تھے۔

اصطلاحاتی ذخیرہ (Lexicon) پختہ ہوا، جس سے بعد کے مترجمین اور اسکالرز کو سہولت ملی۔

ان تبدیلیوں نے نہ صرف علمی دائرہ کار کو وسیع کیا بلکہ زبانوں کی علمی خوداعتمادی میں بھی اضافہ کیا۔

(۶) سماجی وثقافتی اہمیت: سوسائٹی کے کام نے مقامی طبقوں میں تعلیم اور جدید معلومات کے لئے دل چسپی پیدا کی۔ خاص طور پر متوسط طبقے اور نوآبادیاتی انتظامیہ کی کہنہ روایات میں بدلاؤ آیا اور لوگ نئی اصطلاحات، سائنسی سوچ اور انتظامی شعور سے واقف ہوئے۔ اس طرح یہ ادارہ تعلیمی وسماجی تبدیلی کا محرک بھی بنا۔ ''دہلی ورنیکلر ٹرانسلیشن'' سوسائٹی نے مقامی زبانوں کو علمی صحیفہ عطا کرنے میں جو کردار ادا کیا وہ قابلِ قدر ہے۔ اس کے تراجم نے تعلیمی، سماجی اور ادبی شعبوں میں نئی راہیں کھولیں اور مقامی قاری تک جدید فکر پہنچانے میں معاون ثابت ہوئے۔

﴿۶﴾ سر سید احمد خان کی سائنٹفک سوسائٹی:

پس منظر، مقاصد اور علمی وادبی اثرات: سر سید احمد خان کی قائم کردہ ''سائنٹفک سوسائٹی'' برّصغیر کی فکری تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ادارہ محض ایک ترجمہ مرکز نہیں تھا بلکہ ایک ہمہ جہت علمی تحریک کا نقطۂ آغاز تھا جس کا بنیادی مقصد مسلمانوں اور ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقے کو جدید سائنسی شعور، عقلی طرزِ فکر اور مغربی علوم سے روشناس کرانا تھا۔ اس سوسائٹی نے اُردو زبان کو جدید علمی اظہار کا وسیلہ بنا کر اسے ایک نئی فکری جہت عطا کی اور ادب ودانش کے منظرنامے کو ایک منظّم اور روشن سمت فراہم کی۔

(۱) قیام کا پس منظر: ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کی سیاسی، تعلیمی اور سماجی حالت زوال پذیر ہو چکی تھی۔ سر سید احمد خان نے اس پسماندگی کی بنیادی وجہ جہالت اور جدید علوم سے دُوری کو قرار دیا۔ چنانچہ انہوں نے اس خلا کو پُر کرنے کے لئے ۱۸۶۲ء میں ''غازی پور'' میں ''سائنٹفک سوسائٹی'' کی بنیاد رکھی، جسے بعد ازاں ۱۸۶۴ء میں علی گڑھ منتقل کر دیا گیا۔ سوسائٹی کے قیام کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ مغربی سائنسی، تاریخی اور فلسفیانہ کتب کو اُردو میں منتقل کر کے عام فہم بنایا جائے تا کہ ہندوستانی مسلمان جدید دنیا کے فکری دھارے سے ہم آہنگ ہو سکیں۔

(۲) مقاصد اور فکری نصب العین: سائنٹفک سوسائٹی کی بنیاد چند واضح نظریاتی اُصولوں پر رکھی گئی تھی:

مغربی علوم وفنون کا اُردو میں ترجمہ اور اشاعت۔

سائنسی شعور اور منطقی طرزِ فکر کی ترویج۔

جہالت، توہم پرستی اور روایت پرستی کے خلاف فکری بیداری۔

اُردو زبان کو جدید علوم کا ذریعہ بنانا۔

تعلیم کو مذہبی تنگ نظری سے نکال کر علمِ نافع سے جوڑنا۔

سر سید کا یقین تھا کہ قوم کی ترقی کا راز جدید تعلیم اور سائنسی بصیرت میں پوشیدہ ہے اور ''سائنٹفک سوسائٹی'' اسی سوچ کی عملی تعبیر تھی۔

(۳) علمی خدمات اور ترجمہ نگاری: سوسائٹی کے تحت مختلف سائنسی، تاریخی اور فکری کتب کا اُردو میں ترجمہ کیا گیا۔ ان تراجم میں طبیعیات، فلکیات، طب، تاریخِ یورپ اور فلسفہ جیسے موضوعات شامل تھے۔ یہ کام نہ صرف زبان کی علمی وسعت کا سبب بنا بلکہ اُردو میں اصطلاح سازی کے ایک نئے رجحان کو بھی فروغ ملا۔ ترجمے محض لفظی نہ تھے بلکہ مفہوم کو مقامی ذہن کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اس عمل میں سر سید کی رہنمائی اور نگرانی نے ایک معیاری ترجمہ روایت قائم کی جو بعد کے اَدوار کے لئے نمونہ ثابت ہوئی۔

(۴) اشاعتی سرگرمیاں: سائنٹفک سوسائٹی نے ایک مستقل مطبع قائم کیا جہاں سے سائنسی مضامین، تحقیقی رسائل اور ترجمہ شدہ کتب شائع ہوتی رہیں۔ اس کے ذریعے جدید علوم گھریلو سطح تک پہنچے اور مطالعے کی ایک نئی روایت پروان چڑھی۔ سوسائٹی کا رسالہ بھی شائع ہوتا تھا جس میں سائنسی مضامین کے ساتھ ساتھ تعلیمی اصلاحات، سماجی مسائل اور فکری مباحث شامل ہوتے تھے۔

(۵) سماجی و تعلیمی اثرات: سائنٹفک سوسائٹی نے نہ صرف علمی میدان بلکہ سماجی سطح پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔ اس نے ایک ایسے تعلیمی ماحول کو جنم دیا جس نے بعد میں علی گڑھ تحریک کی صورت اختیار کی۔ مسلمانوں میں جدید تعلیم کا شعور بیدار ہوا اور تعلیمی اداروں کے قیام کی راہ ہموار ہوئی۔

یہ سوسائٹی دراصل ایک فکری انقلاب کا پیش خیمہ تھی جس نے ذہنی غلامی کے حصار کو توڑ کر خود اعتمادی کو فروغ دیا۔ سر سید احمد خان کی سائنٹفک سوسائٹی محض ایک ادارہ نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر فکری تحریک تھی جس نے اُردو زبان، مسلم معاشرے اور تعلیمی شعور کو ایک نئی سمت عطا کی۔ اس کے ذریعے علم کو وقار، عقل کو احترام اور زبان کو وسعت نصیب ہوئی۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اگر سائنٹفک سوسائٹی وجود میں نہ آتی تو برصغیر میں جدید علمی روایت کی بنیاد اتنی مضبوط نہ ہوتی۔ یہ ادارہ آج بھی فکری روشنی کا ایک مینار ہے جو ترقی، تحقیق اور شعور کی راہوں کو منوّر کرتا ہے۔

﴿۷﴾ دارالترجمہ عثمانیہ: تہذیبی شعور، علمی روایت اور اُردو کی جدید تشکیل:

''دارالترجمہ عثمانیہ'' حیدرآباد (دکن) کی علمی تاریخ کا وہ درخشاں باب ہے جس نے اُردو زبان کو محض ادبی اظہار کی سطح سے بلند کر کے ایک باقاعدہ سائنسی، فکری اور تحقیقی زبان کی حیثیت عطا کی۔ یہ ادارہ سلطنتِ حیدرآباد (دکن) کے زیرِ سایہ قائم ہوا اور اس کا مقصد یورپی علوم، جدید سائنسی تحقیق اور مغربی فلسفے کو اُردو میں منتقل کر کے برصغیر کے علمی اُفق کو وسعت بخشنا تھا۔ ''دارالترجمہ عثمانیہ'' نہ صرف ایک ترجمہ کا مرکز تھا بلکہ ایک فکری تجربہ گاہ تھی جہاں زبان، علم اور تہذیب ایک نئے سانچے میں ڈھل رہے تھے۔

(۱) قیام کا تاریخی پس منظر: بیسویں صدی کے آغاز میں جب برِّصغیر میں جدید تعلیمی ادارے مغربی زبانوں کے زیرِ اثر قائم ہو رہے تھے۔ نظامِ حیدرآباد میر عثمان علی خان نے اس امر کی ضرورت محسوس کی کہ اعلیٰ تعلیم کو مقامی زبان میں فروغ دیا جائے تاکہ علم خواص تک محدود نہ رہے بلکہ عوام کی فکری تربیت کا وسیلہ بن سکے۔ اسی ویژن کے تحت ۱۹۱۷ء میں ''جامعہ عثمانیہ'' کا قیام عمل میں آیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ''دارالترجمہ عثمانیہ'' کی بنیاد رکھی گئی۔ اس ادارے کا بنیادی نصب العین یہ تھا کہ مغربی سائنسی، فلسفیانہ، طبی اور تکنیکی علوم کو اُردو میں منتقل کر کے تعلیم کا ذریعہ بنایا جائے۔

(۲) بنیادی مقاصد: دارالترجمہ عثمانیہ کے قیام کے پس منظر میں درج ذیل مقاصد کارفرما تھے:

اعلیٰ تعلیم کو اُردو زبان میں فروغ دینا۔

مغربی علوم و فنون کا باقاعدہ ترجمہ اور اشاعت۔

اُردو کو سائنسی اظہار کی مکمل زبان بنانا۔

علمی و فکری خود کفالت کا حصول۔

دکن میں جدید تعلیمی روایت کی تشکیل۔

یہ مقاصد اس عزم کی علامت تھے کہ زبان کو محض بول چال کا ذریعہ نہیں بلکہ علم کا مستند وسیلہ بنایا جائے۔

(۳) ترجمہ نگاری کا منظّم نظام: ''دارالترجمہ عثمانیہ'' کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کا مربوط اور منظّم ترجمہ نظام تھا۔ یہاں تراجم محض لفظی نہیں بلکہ مفہومی، توضیحی اور تحقیقی بنیادوں پر کیے جاتے تھے۔ مترجمین کو نہ صرف زبانوں پر عبور حاصل ہوتا تھا بلکہ موضوعات کی مکمل فہم بھی لازمی تھی۔ ریاضی، طبیعیات، کیمیا، طب، قانون، معاشیات اور فلسفہ جیسے شعبوں کی معیاری کتابوں کو اُردو جامہ پہنایا گیا۔ اس عمل سے اُردو زبان میں اصطلاحات کا ایک وسیع و مضبوط ذخیرہ وجود میں آیا جو آج بھی علمی سرمائے کا حصہ ہے۔

(۴) منتخب مترجمین اور علمی شخصیات: ''دارالترجمہ عثمانیہ'' سے وابستہ کئی جید علما اور مترجمین نے زبان و علم کی تاریخ میں گراں قدر خدمات انجام دیں، جن میں شامل ہیں: مولوی عبدالحق، ڈاکٹر سید عبداللطیف، مولوی عبدالسلام، شمس العلما نواب علی یار جنگ، خواجہ غلام محمد۔ ان شخصیات نے ترجمہ نگاری کو ایک فن اور ذمہ دار علمی روایت کی حیثیت عطا کی۔

(۵) اُردو زبان پر اثرات: ''دارالترجمہ عثمانیہ'' نے اُردو کو ایک جدید علمی زبان میں تبدیل کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اس کے اثرات درج ذیل صورتوں میں نمایاں ہوئے:

اُردو میں سائنسی اور فکری اصطلاحات کی تخلیق۔

تعلیمی نصاب کی تشکیل اُردو میں۔

نثر میں منطقی اور تحقیقی اُسلوب کا فروغ۔

علمی تحریر میں معیار اور سلاست۔

یہ سب عوامل اُردو کے ارتقائی سفر میں ایک انقلابی مرحلے کی علامت ہیں۔

(۶) تہذیبی و فکری اہمیت: ''دارالترجمہ عثمانیہ'' محض تعلیمی ادارہ نہ تھا بلکہ ایک تہذیبی تحریک کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس نے حیدرآباد (دکن) کو علم و ادب کا مرکز بنا دیا اور ایک ایسا طبقہ تیار کیا جو جدید فکر اور مقامی تہذیب کے امتزاج کا مظہر تھا۔ یہ ادارہ مشرق و مغرب کے درمیان ایک مضبوط فکری پل تھا جس نے دونوں روایتوں کو ہم آہنگ کیا۔

(۷) زوال اور تاریخی ورثہ: سیاسی تغیرات اور ریاستِ حیدرآباد کے الحاق کے بعد ''دارالترجمہ عثمانیہ'' کا وہ فعال دَور رفتہ رفتہ ماند پڑ گیا مگر اس کی علمی روشنی آج بھی تحقیق کی دنیا میں زندہ ہے۔ اس کے تیار کردہ تراجم آج بھی متعدد جامعات اور علمی مراکز میں مستند حیثیت رکھتے ہیں۔ ''دارالترجمہ عثمانیہ'' اُردو زبان و ادب کے لئے ایک عظیم الشان علمی ورثہ ہے۔ اس نے زبان کو علم کی بلندیوں تک پہنچایا اور ثابت کیا کہ اُردو بھی جدید دنیا کے پیچیدہ علوم کو سمیٹنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ ادارہ نہ صرف ماضی کی یادگار ہے بلکہ آج کے لئے بھی ایک فکری رہنمائی کا سرچشمہ ہے، جو ہمیں یاد دلاتا ہے کہ زبان کی حقیقی عظمت علم کی خدمت میں مضمر ہوتی ہے۔

﴿۸﴾ اُردو میں شعری ترجمہ کی روایت آغاز، ارتقا اور فنی و تہذیبی جہات کا جامع مطالعہ:

اُردو ادب کی تاریخ محض تخلیقی اظہار کی کہانی نہیں بلکہ فکری تبادلے، لسانی ہم آہنگی اور تہذیبی رابطوں کی روشن روایت بھی ہے۔ اسی روایت کی ایک نہایت نازک اور لطیف صورت شعری ترجمہ ہے، جس کے ذریعے مختلف زبانوں کے شعری سرمایے کو اُردو کے قالب میں منتقل کر کے نہ صرف معنوی وسعت پیدا کی گئی بلکہ اُردو شاعری کو ایک عالمی شعری فضا سے ہم آہنگ بھی کیا گیا۔ شعری ترجمہ، سادہ لفظی منتقلی نہیں بلکہ جمالیاتی روح، فکری رمزیت اور موسیقانہ آہنگ کی تخلیقی ترسیل کا پیچیدہ عمل ہے، جو مترجم سے ہمہ گیر شعور اور فنی بصیرت کا تقاضا کرتا ہے۔

(۱) آغازِ روایت: گول کنڈہ اور دکنی شعری فضا: اُردو میں شعری ترجمہ کے اولین نقوش ہمیں دکن کی سرزمین، خصوصاً ''گول کنڈہ'' میں ملتے ہیں، جو صدیوں تک علم و ادب کا مرکز رہا۔ یہاں فارسی، عربی اور مقامی بولیوں کے امتزاج نے ایک ایسی ادبی فضا تشکیل دی جہاں ترجمہ محض ضرورت نہ رہا بلکہ تہذیبی رویّہ بن گیا۔ دکن کی یہ فضا دراصل وہ ابتدائی تجربہ گاہ تھی جہاں شعری اظہار نے غیر زبانوں سے اثر قبول کرتے ہوئے اپنے لیے نئے اسالیب تراشے۔ اس ضمن میں محمد قلی قطب شاہ کا کردار بطور اولین دکنی شاعر نہایت نمایاں ہے۔ ان کا دیوان ایسے اشعار پر مشتمل ہے جن میں فارسی شعری مضامین کی بازآفرینی اور تخلیقی ترجمے کی جھلک واضح طور پر نظر آتی ہے۔ انہوں نے فارسی شعری روایت کو محض نقل نہ کیا بلکہ اسے مقامی لہجے، دکنی حسّیت اور داخلی آہنگ کے ساتھ ہم آمیز کر کے ایک نئی صورت عطا کی۔ یوں شعری ترجمہ، ان کے دَور میں، زبانوں کے درمیان ایک تخلیقی پل کی حیثیت اختیار کر گیا۔ ''گول کنڈہ'' کی یہ ادبی روایت بعد ازاں شمالی ہند تک پہنچی اور اُردو شعری ترجمے کے ارتقا کی ایک مضبوط بنیاد فراہم کی۔

(۲) کلاسیکی دَور اور فارسی شعریات کا اثر: شمالی ہند میں اُردو کے فروغ کے ساتھ فارسی کا گہرا اثر شعری ترجمے کی روایت کو وسعت بخشتا گیا۔ سعدیؔ، حافظؔ، رومیؔ اور فردوسیؔ جیسے فارسی شعرا کے اشعار کا اُردو میں ترجمہ یا تخلیقی اقتباس عام ہوا۔ مترجمین نے یہاں لفظی پابندی کے بجائے خیال اور کیفیت کو ترجیح دی، جس کے نتیجے میں ترجمہ اکثر ایک نئی تخلیق کی صورت اختیار کر لیتا تھا۔ اس دَور میں شعری ترجمہ تین نمایاں صورتوں میں سامنے آیا۔

(۳) انیسویں صدی: شعری ترجمہ اور اصلاحی رجحان: انیسویں صدی میں شعری ترجمہ صرف جمالیاتی ذوق تک محدود نہ رہا بلکہ اصلاحی اور تہذیبی مقاصد سے بھی وابستہ ہو گیا۔ مولانا حالیؔ اور شبلی نعمانی جیسے مفکرین نے ترجمے کو ایک سنجیدہ علمی فریضہ تصوّر کیا۔ حالیؔ کے یہاں ترجمہ اخلاقی شعور کی تربیت کا ذریعہ بن گیا جبکہ شبلی نے فکری گہرائی اور تاریخی شعور کو ترجمے کا محور بنایا۔ اسی دَور میں یورپی زبانوں، خصوصاً انگریزی شاعری کا اُردو میں ترجمہ شروع ہوا، جس سے نئی موضوعاتی اور فکری جہتیں سامنے آئیں۔

(۴) جدید دَور: فکری مکالمہ اور عالمی شعری اثرات: جدید دَور میں شعری ترجمہ ایک فنی تجربے سے آگے بڑھ کر عالمی شعری مکالمے کی صورت اختیار کر گیا۔ ن.م. راشد، فیض احمد فیضؔ اور سجاد ظہیر جیسے ادیبوں نے روسی، فرانسیسی اور دیگر عالمی زبانوں کے شعرا کے کلام کا نہایت فنی شعور کے ساتھ اُردو میں ترجمہ کیا۔ اس کے نتیجے میں اُردو شاعری میں علامتی اظہار، وجودی فکر اور انسانی کرب کی نئی جہات اُبھریں۔ یہ ترجمے محض نقل نہ تھے بلکہ ایک ثقافتی بلند آہنگ تبادلے کی صورت اختیار کر چکے تھے۔

(۵) فنی مسائل اور لسانی چیلنجز: شعری ترجمہ میں سب سے مشکل مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ اصل متن کی بحر، قافیہ اور صوتی آہنگ کو نئی زبان میں برقرار رکھا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ ثقافتی علامات، اساطیری اشارات اور مقامی تشبیہیں بھی ایسے عناصر ہیں جنہیں منتقل کرتے وقت مترجم کو تخلیقی اجتہاد سے کام لینا پڑتا ہے۔ چنانچہ شعری ترجمہ ایک توازن کا عمل ہے جہاں وفاداری اور تخلیق کے درمیان ایک نازک رشتہ قائم کرنا ہوتا ہے۔

(۶) شعری ترجمہ بطور تہذیبی رابطہ: شعری ترجمہ دراصل تہذیبوں کے درمیان ایک روحانی مکالمہ قائم کرتا ہے۔ یہ عمل اُردو قاری کو نہ صرف دوسرے معاشروں کے فکری اُفق سے روشناس کراتا ہے بلکہ اُردو شاعری کو بھی عالمی منظرنامے میں ایک باوقار شناخت عطا کرتا ہے۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ شعری ترجمہ اُردو ادب کا وہ روشن دریچہ ہے جس کے ذریعے عالمی شعری کائنات کی خوشبو ہمارے ادبی شعور کو مہکاتی اور فکر کو نئی سمتوں سے آشنا کرتی ہے۔ ایک ایسا عمل جو زبانوں کے درمیان نہیں بلکہ دلوں اور تہذیبوں کے درمیان پُل تعمیر کرتا ہے۔ اُردو میں ترجمہ نگاری کی روایت ایک مسلسل ارتقائی عمل ہے جس نے زبان کو فکری وسعت، علمی استحکام اور تہذیبی وقار عطا کیا ہے۔ ''فورٹ ولیم کالج''، ''ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی''، ''سائنٹفک سوسائٹی'' اور ''دارالترجمہ عثمانیہ'' جیسے اداروں نے اس روایت کو مضبوط بنیادیں فراہم کیں اور اُردو کو ایک جامع علمی زبان کے طور پر مستحکم کیا۔ یہی روایت آج بھی زبان کی ترقی اور فکری تسلسل کی ضامن ہے۔

03.06 خلاصہ

ترجمہ صرف الفاظ کی تبدیلی کا نام نہیں بلکہ تہذیبوں کے باہمی مکالمے، فکری ربط اور علمی منتقلی کا ایک ہمہ گیر ذریعہ ہے۔ اُردو زبان کی تشکیل و ترویج میں ترجمہ نگاری کو جو بنیادی حیثیت حاصل ہے، وہ اسے محض ایک فنی عمل سے بڑھا کر تہذیبی روایت کا درجہ دیتی ہے۔ اُردو کی ترجمہ نگاری نے مختلف زبانوں کے علمی، ادبی، فلسفیانہ اور سائنسی ذخیرے کو اپنے دامن میں سمیٹ کر برصغیر کے فکری اُفق کو وسعت بخشی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اُردو کی روایت میں ترجمہ نہ صرف ایک علمی ضرورت رہا بلکہ زبان کی بالیدگی اور فکری نشو ونما کا طاقت وَر وسیلہ بھی بنا۔ ترجمہ نگاری سے مراد کسی زبان کے متن کو اس کے مفہوم، اُسلوب، تہذیبی پس منظر اور فکری روح کو برقرار رکھتے ہوئے دوسری زبان میں منتقل کرنا ہے۔ یہ عمل لفظی تبدیلی سے کہیں بڑھ کر تخلیقی شعور، زبان دانی اور معنوی بصیرت کا تقاضا کرتا ہے۔ ایک کامیاب مترجم وہی ہوتا ہے جو اصل متن کے مزاج کو برقرار رکھتے ہوئے اسے ہدفی زبان میں اس طرح منتقل کرے کہ مفہوم بھی محفوظ رہے اور اُسلوب بھی فطری معلوم ہو۔ برصغیر میں ترجمہ نگاری کی روایت اسلامی عہد کے ساتھ ہی شروع ہوگئی تھی جب عربی و فارسی علمی ذخیرے کو مقامی زبانوں میں منتقل کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ مذہبی علوم، فقہی متون اور صوفیانہ تعلیمات کے تراجم نے عوام کو فکری روشنی فراہم کی۔ بعدازاں جب اُردو نے ایک باقاعدہ زبان کی شکل اختیار کی تو عربی، فارسی اور سنسکرت کے اہم متون کے تراجم اُردو میں کیے جانے لگے، جنہوں نے علمی شعور کو جلا بخشی۔ دکنی دور اُردو ترجمہ نگاری کی ابتدائی باقاعدہ صورت کا مظہر ہے۔ اس عہد میں دینی کتب، اخلاقی رسائل اور صوفیانہ تصانیف کے تراجم نے زبان میں سادگی اور روانی پیدا کی۔ دکنی مترجمین نے ترجمہ کو عوامی سطح پر فہم کے لئے قابلِ رسائی بنایا اور یوں اُردو کو ایک مقبول علمی زبان کے طور پر فروغ ملا۔ اُردو ترجمہ نگاری کی تاریخ میں ''فورٹ ولیم کالج'' (۱۸۰۰ء) کو سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ اس ادارے کا بنیادی مقصد ہندوستانی زبانوں میں تعلیم کے لئے معیاری نصوص تیار کرنا تھا۔ یہاں فارسی، عربی، سنسکرت اور انگریزی ادب کے تراجم اُردو میں کیے گئے۔ میر امن کی ''باغ و بہار''، لالہ دھن پت رائے کی نثری کاوشیں اور دیگر مترجمین کے کام نے اُردو نثر کو نئی جہت عطا کی۔ اس کالج نے ترجمہ نگاری کو محض انفرادی عمل کے بجائے ایک منظّم علمی روایت میں ڈھال دیا۔ انیسویں صدی میں ''ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی'' کا قیام عمل میں آیا جس کا مقصد مغربی علوم وفنون کو مقامی زبانوں میں منتقل کرنا تھا۔ اس ادارے نے سائنسی، فلسفیانہ اور معاشرتی علوم کی کتابوں کے اُردو تراجم کر کے اہلِ علم کو جدید فکری سرمایہ فراہم کیا۔ اس سوسائٹی کے ذریعے ترجمہ نگاری کو تعلیمی نظام سے ہم آہنگ کیا گیا اور اسے فکری بیداری کا ذریعہ بنایا گیا۔ سرسید احمد خان کی قائم کردہ سائنٹفک سوسائٹی (۱۸۶۴ء) اُردو ترجمہ نگاری کے میدان میں ایک انقلابی قدم تھا۔ اس کا مقصد مغربی سائنس، فلسفہ اور جدید علوم کو اُردو میں منتقل کرنا تھا تاکہ مسلمانوں کو جدید علمی شعور سے روشناس کرایا جا سکے۔ سرسید کی نگرانی میں متعدد سائنسی کتب کے تراجم ہوئے جنہوں نے اُردو کو سائنسی اصطلاحات سے مالا مال کیا اور اسے جدید علمی زبان کے سانچے میں ڈھالا۔ ''دارالترجمہ عثمانیہ'' (حیدرآباد، دکن) ترجمہ نگاری کے میدان میں ایک مثالی ادارہ تھا جہاں اعلیٰ علمی سطح پر عربی، فارسی، انگریزی اور دیگر زبانوں کے متون کو اُردو میں منتقل کیا گیا۔ یہاں فلسفہ، سائنس، تاریخ اور قانون جیسے موضوعات پر معیاری تراجم ہوئے جنہوں نے اُردو کو علمی دنیا میں وقار بخشا۔ ''دارالترجمہ عثمانیہ'' نے ترجمہ نگاری کو ایک مربوط علمی نظام کی شکل دی۔ برطانوی دَور میں ترجمہ نگاری کی روایت نے مزید وسعت اختیار کی۔ مغربی لٹریچر، سائنسی تحقیقات اور جدید نظریات کے تراجم نے اُردو کو فکری طور پر مالا مال کیا۔ اس دَور میں ترجمہ نگاری کو تعلیمی منصوبہ بندی کا حصہ بنایا گیا اور اسے جدید علوم کی ترسیل کا ذریعہ قرار دیا گیا۔ اُردو میں ترجمہ نگاری کے مختلف اسالیب رائج رہے ہیں: لفظی ترجمہ: اصل متن کے الفاظ کی براہِ راست منتقلی۔ معنوی ترجمہ: مفہوم کو ترجیح دے کر اسلوبی ہم آہنگی پیدا کرنا۔ آزاد ترجمہ: تخلیقی انداز میں متن کی نئی صورت گری۔ اختصاری ترجمہ: متن کا جامع خلاصہ پیش کرنا۔

سرسید احمد خان، شبلی نعمانی، مولوی عبدالحق، محمد حسین آزاد، عبدالحلیم شرر اور دیگر اہل قلم نے ترجمہ نگاری کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان کے تراجم نے اُردو کو علمی اور ادبی وسعت عطا کی اور زبان کے وقار کو مستحکم کیا۔ ترجمہ نگاری کے لسانی و ادبی اثرات: ترجمہ نگاری نے اُردو کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کیا، نئے اسالیب کو جنم دیا اور اظہار کی نئی راہیں کھولیں۔ علمی اصطلاحات کی شمولیت نے زبان کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کیا اور فکری گہرائی پیدا کی۔ آج کے دَور میں ڈیجیٹل ذرائع اور جدید ٹیکنالوجی نے ترجمہ نگاری کو مزید وسعت دی ہے۔ عالمی ادب کے تراجم کے ذریعے اُردو کو بین الاقوامی سطح پر متعارف کرایا جا رہا ہے۔ اُردو میں ترجمہ نگاری کی روایت ایک مسلسل ارتقائی عمل ہے جس نے زبان کو فکری وسعت، علمی استحکام اور تہذیبی وقار عطا کیا ہے۔ ''فورٹ ولیم کالج''، ''ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی''، ''سائنٹفک سوسائٹی'' اور ''دارالترجمہ عثمانیہ'' جیسے اداروں نے اس روایت کو مضبوط بنیادیں فراہم کیں اور اُردو کو ایک جامع علمی زبان کے طور پر مستحکم کیا۔ اُردو میں شعری ترجمہ کی روایت ''گول کنڈہ'' کے ابتدائی تجربوں سے لے کر جدید عالمی شعری اثرات تک، ایک ہمہ جہت ادبی سرمائے کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ محمد قلی قطب شاہ کی تخلیقی بصیرت سے شروع ہونے والا یہ سفر، آج ایک ایسی مستحکم روایت بن چکا ہے جو اُردو شاعری کو فکری بالیدگی، تہذیبی وسعت اور جمالیاتی گہرائی سے ہم کنار کرتا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ شعری ترجمہ اُردو ادب کا وہ روشن دریچہ ہے جس کے ذریعے عالمی شعری کائنات کی خوشبو ہمارے ادبی شعور کو مہکاتی اور فکر کو نئی سمتوں سے آشنا کرتی ہے۔ ایک ایسا عمل جو زبانوں کے درمیان نہیں بلکہ دلوں اور تہذیبوں کے درمیان پُل تعمیر کرتا ہے۔ یہی روایت آج بھی زبان کی ترقی اور فکری تسلسل کی ضامن ہے۔ اُردو میں ترجمہ نگاری کی روایت کو نصاب میں شامل کرنا طلبہ کے ذہنی اُفق کو وسیع کرتا ہے۔

03.07 فرہنگ

ابتکار	: جدّت، ایجاد	عمیق	: گہرا، دقیق
اخلاقیات	: اخلاق سے منسوب امور و مسائل	فریضہ	: ذمہ داری
ازلی	: قدیم، بہت پرانا	فعال	: مؤثر، اثر دار
استحکام	: پختگی، مضبوطی	فقہ	: آگہی، علم، دانش
اسلوب	: انداز، ڈھنگ، طریقہ	قارئین	: پڑھنے والے لوگ
اقدار	: اہمیت، قدر و قیمت	قالب	: ڈھانچہ، جسم
اقوامِ عالم	: دنیا کی قومیں	لحن	: سریلی آواز، سُر
امتزاج	: میل جھول، ملاپ	مابین	: بیچ میں یا درمیان میں
اہل کاروں	: کارندے، دفتر میں کام کرنے والے	مانوس	: بے تکلف، گھلا ملا، راغب
بے نظیر	: بے مثال، لاجواب	مترجم	: ترجمہ کرنے والا
ترسیل	: روانہ کرنا، بھیجنا، ارسال کرنا	متقاضی	: تقاضا، طلب یا مطالبہ کرنے والا
تشہیر	: مشہور یا شہرت پانا	متوازن	: توازن، وزن میں برابر
تصوف	: راہِ طریقت، علم معرفت	محدود	: حد میں

توضیح	: وضاحت،تشریح	مستحکم	: مضبوط، پختہ
توہم پرستی	: وہم کی پوجا،خلافِ عقل باتوں کو ماننے والا	مصنوعی	: غیر حقیقی،خیالی
ثقافت	: رسم ورواج،تہذیب	مضمر	: پوشیدہ، چھپا ہوا
جزو	: حصہ،ٹکڑا	مطبع	: پریس، چھاپہ خانہ
جلا	: چمک، روشنی	منتقل	: بدل دینا
جمود	: جماؤ، بے حسی	منظّم	: ترتیب دیا ہوا،متحد،اکٹھا
حتمی	: لازمی،ضروری	مؤثر	: اثر کرنے والا،اثر انداز، کارگر
دقیق	: پیچیدہ،مشکل، دشوار	ناگزیر	: لازم،ضروری
راہ ہموار	: مشکل حل ہونا یا آسان ہونا	نصب العین	: مقصد اصلی
سعی	: کوشش	نصوص	: دلیلیں،واضح
شعورعامہ	: عوام کی سوچ یا رائے	نوعیت	: خصوصیت،حالت،انداز
عبور	: مہارت، پکڑ	وسعت	: پھیلاؤ، کشادگی، چوڑائی
عمرانیات	: انسانی معاشرت کا علم	ہدف	: مقصد،نشانہ

03.08 نمونہ امتحانی سوالات

الف: درجِ ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰/۱۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر ۱ : ترجمہ کیا ہے؟ وضاحت کیجیے۔

سوال نمبر ۲ : ''دارالترجمہ عثمانیہ'' کیا ہے؟ بیان کیجیے۔

سوال نمبر ۳ : ''فورٹ ولیم کالج'' پر ایک مختصر مضمون قلم بند کیجیے۔

ب: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰/۳۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر ۱ : ترجمے کے آغاز وارتقا پر روشنی ڈالیے۔

سوال نمبر ۲ : ترجمہ کی روایات کو تفصیل سے بیان کیجیے۔

سوال نمبر ۳ : سرسید احمد خاں کی سائنٹفک سوسائٹی کا پس منظر اپنے الفاظ میں لکھیے۔

معروضی سوالات

سوال نمبر ۱ : شعر علی افسوسؔ ترجمہ نگار کے علاوہ اور کیا تھے؟

(الف) شاعر (ج) سُنار

(ب) لوہار (د) لکڑہارا

سوال نمبر۲ : ''ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی'' کا قیام کب عمل میں آیا؟

(الف) ۱۸۲۰ء (ج) ۱۸۵۵ء

(ب) ۱۸۴۳ء (د) ۱۸۶۰ء

سوال نمبر۳ : ''فورٹ ولیم کالج'' کی بنیاد کب رکھی گئی؟

(الف) ۱۷۷۵ء (ج) ۱۷۸۵ء

(ب) ۱۷۸۰ء (د) ۱۸۰۰ء

سوال نمبر۴ : ''باغِ اُردو'' کس کا اُردو ترجمہ ہے؟

(الف) آرائش محفل کا (ج) باغ و بہار کا

(ب) گلستاں کا (د) بوستاں کا

سوال نمبر۵ : ''باغ و بہار'' کس مصنف کی کتاب کا نام ہے؟

(الف) میرؔ (ج) غالبؔ

(ب) للولال (د) میر امن

سوال نمبر۶ : ''دارالترجمہ عثمانیہ'' کب اور کہاں عمل میں آیا؟

(الف) حیدرآباد ۱۹۱۷ء (ج) دہلی ۱۹۴۰ء

(ب) لکھنؤ ۱۹۳۵ء (د) آگرہ ۱۹۴۵ء

سوال نمبر۷ : سرسید احمد خاں نے ''سائنٹفک سوسائٹی'' کی بنیاد کہاں رکھی۔

(الف) رام پور (ج) پٹنہ

(ب) غازی پور (د) بریلی

سوال نمبر۸ : میر امن دہلوی کس ادارے سے وابستہ تھے؟

(الف) فورٹ ولیم کالج (ج) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

(ب) دہلی کالج (د) لکھنؤ یونیورسٹی

سوال نمبر۹ : ''آرائش محفل'' کس کی تصنیف ہے؟

(الف) مومنؔ (ج) میر امن

(ب) کاظم علی (د) حیدر بخش حیدری

سوال نمبر۱۰ : گل کرسٹ فورٹ ولیم کالج میں کس عہدے پر فائز تھا؟

(الف) خزانچی (ج) منشی

(ب) پرنسپل (د) ہندوستانی شعبے کا پروفیسر

معروضی سوالات کے جوابات

جواب نمبر۱ : (الف) شاعر	جواب نمبر۶ : (الف) حیدآباد ۱۹۱۷ء
جواب نمبر۲ : (ب) ۱۸۴۳ء	جواب نمبر۷ : (ب) غازی پور
جواب نمبر۳ : (د) ۱۸۰۰ء	جواب نمبر۸ : (الف) فورٹ ولیم کالج
جواب نمبر۴ : (ب) گلستاں کا	جواب نمبر۹ : (د) حیدر بخش حیدری
جواب نمبر۵ : (د) میر امن	جواب نمبر۱۰ : (د) ہندوستانی شعبے کا پروفیسر

03.09 حوالہ جاتی کتب

۱۔ تاریخ ادب اُردو از جمیل جالبی

۲۔ ترجمہ: روایت وفن از نثار احمد قریشی

۳۔ ترجمہ فن اور روایت از پروفیسر قمر رئیس

۴۔ فن ترجمہ نگاری از ڈاکٹر خلیق

✵

بلاک نمبر 02

اکائی	04	ترجمہ کے تقاضے	شانِ علی
اکائی	05	مترجم کی خصوصیات	ڈاکٹر شہپر شریف
اکائی	06	تراجم اور اصطلاحات	ڈاکٹر شہپر شریف
اکائی	07	اُردو کے علمی وفنی ترجمہ کے ادارے	ڈاکٹر شہپر شریف

اکائی 04 ترجمہ کے تقاضے

ساخت

04.01 : اغراض ومقاصد

04.02 : تمہید

04.03 : ترجمہ: تعارف اور معنوی وسعت

04.04 : ترجمے کے تقاضے

04.05 : خلاصہ

04.06 : فرہنگ

04.07 : سوالات

04.08 : حوالہ جاتی کتب

04.01 اغراض ومقاصد

آپ اس اکائی میں ترجمہ کیا ہے؟ ترجمہ: تعارف اور معنوی وسعت، ترجمے کے تقاضے اوران کی عملی ضرورت، مترجم کی علمی، فکری اوراخلاقی ذمہ داریوں اوراس کے تقاضوں کا بھی تفصیل سے مطالعہ کریں گے۔جس سے آپ کو ترجمہ کی تعریف اور معنوی وسعت، ترجمے کے تقاضے اوران کی عملی ضرورت، مترجم کی علمی، فکری اوراخلاقی ذمہ داریوں اوراس کے تقاضوں (لسانی، اسلوبی، ثقافتی، فکری ومعنوی، ادبی ترجمہ، سائنسی وفنی اور مذہبی تقاضے وغیرہ) کو بھی سمجھنے میں آسانی ہوگی۔اس کے بعد ہم آپ کے لئے اس اکائی کا خلاصہ پیش کریں گے۔اس اکائی میں فرہنگ بھی دی جائے گی جس کے ذریعے آپ مشکل الفاظ کے معانی سمجھ کر اکائی کو اچھی طرح سمجھ لیں گے۔اس کے بعد نمونہ امتحانی سوالات، معروضی سوالات اوران کے جوابات پیش کیے جائیں گے۔آخر میں حوالہ جاتی کتب پیش کی جائیں گی۔اکائی کے مطالعے کے بعد آپ سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ آپ ترجمے کے تقاضوں سے اچھی طرح واقف ہو جائیں گے۔

04.02 تمہید

ادب کی دنیا میں ترجمہ محض لفظوں کی تبدیلی کا عمل نہیں بلکہ دو تہذیبوں، دو ذہنی رویّوں اور دو فکری دنیاؤں کے بیچ ایک باریک اور نازک پل کی حیثیت رکھتا ہے۔ایک زبان میں جنم لینے والا خیال جب دوسری زبان میں منتقل ہوتا ہے تو وہ اپنے ساتھ اُس زبان کا مزاج، ثقافتی پس منظر اور معنوی لطافت بھی لے کر آتا ہے۔اس لئے ترجمہ کرنے والا محض مترجم نہیں رہتا، وہ ایک ایسے فنکار کا روپ اختیار کر لیتا ہے جسے ایک لمحے میں کئی ذمہ داریاں نبھانی ہوتی ہیں۔لفظوں کی صحت، معانی کی درستگی، اُسلوب کی روانی، ثقافت کی پاس داری اور مصنّف کے مزاج کی نگہداشت۔

ترجمے کے بنیادی تقاضوں میں سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ مترجم دونوں زبانوں سے مکمل طور پر واقف ہو۔ محض لغوی معلومات کافی نہیں ہوتیں بلکہ زبان کے لہجے، محاورے، روزمرّہ، صوتی آہنگ اور تہذیبی حوالوں سے واقفیت ناگزیر ہوتی ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ مترجم اصل متن کے مقصد کو سمجھنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہو۔ مصنف نے کیوں لکھا؟ کس جذبے میں لکھا؟ اور اس کے جملوں کے پیچھے کون سی معنوی پرتیں چھپی ہیں؟ جب تک مترجم ان باریکیوں کو نہیں سمجھتا، ترجمہ سطحی، خشک اور بے روح ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ترجمے میں دیانت داری بھی بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ مترجم کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اصل متن کے مفہوم میں اپنی مرضی شامل کر دے یا مصنّف کی بات کو بدل کر پیش کرے۔ اس کا کام خیالات کو منتقل کرنا ہے، تخلیق نو کرنا نہیں۔ وہ مصنّف کی آواز کو اپنی آواز میں نہیں ڈبوتا بلکہ اپنی زبان کی وسعت سے اُس آواز کو نیا حلقۂ سامعین فراہم کرتا ہے۔ ترجمے کی ایک اور لازمی شرط یہ ہے کہ مترجم اپنی زبان میں وہی سلاست اور روانی پیدا کرے جو اصل متن میں پائی جاتی ہے۔ اگر ترجمہ بوجھل، پیچیدہ یا بے آہنگ ہو جائے تو مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

عہدِ جدید میں ترجمے کے تقاضوں میں ایک نیا عنصر بھی شامل ہو چکا ہے۔ بین المتونیت اور عالمی سیاق۔ آج کا مترجم صرف لفظوں کا نقل کنندہ نہیں بلکہ مختلف علمی و فکری حوالوں کو پہچاننے والا شخص بھی ہونا چاہیے۔ اسے یہ معلوم ہو کہ کسی جملے کی جڑیں کس تہذیب یا کس کتابی روایت سے جڑی ہیں تاکہ وہ اسے دوسرے سیاق میں درست طریقے سے منتقل کر سکے۔ یوں ترجمہ ایک ایسا ہمہ جہت عمل ہے جس میں زبان، فکر، ثقافت، فہم، دیانت اور فن سب یکجا ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ عناصر ہیں جو ترجمے کو محض ''منتقلی'' نہیں رہنے دیتے بلکہ علم و ادب کی دنیا میں اسے ایک ذمہ دارانہ اور تخلیقی کارنامہ بنا دیتے ہیں۔

04.03 ترجمہ: تعارف اور معنوی وسعت

ترجمہ انسانی تاریخ کا ایک قدیم ترین اور باوقار ترین عمل ہے۔ جب انسان نے بولنا سیکھا، خیالات کو لفظوں میں ڈھالنا سیکھا اور اپنے تجربات دوسروں تک پہنچانے کی ضرورت محسوس کی، تب ہی ترجمے کی ابتدائی صورت قائم ہو گئی تھی۔ اگرچہ باقاعدہ اور منظّم ترجمہ بعد کے اَدوار میں سامنے آیا مگر اس کی جڑیں انسانی فطرت میں بہت گہری ہیں۔ ترجمہ دراصل ایک فکری عمل ہے، جس میں ایک زبان کے خیالات، احساسات اور معانی کو دوسری زبان کے سانچے میں اس طرح ڈھالا جاتا ہے کہ وہ اپنی اصل روح سے وابستہ رہیں اور ساتھ ہی نئی زبان کے مزاج سے ہم آہنگ بھی ہو جائیں۔ یہی عمل اسے محض لفظی تبدیلی کے بجائے ایک تخلیقی اور فکری سرگرمی بنا دیتا ہے۔ عام طور پر ترجمہ کو صرف الفاظ کی منتقلی سمجھ لیا جاتا ہے مگر حقیقت اس سے کہیں زیادہ گہری ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس میں:

دو زبانیں ایک دوسرے سے گفتگو کرتی ہیں۔

دو تہذیبیں آپس میں متعارف ہوتی ہیں۔

دو معاشرے فکری سطح پر قریب آتے ہیں۔

یوں ترجمہ صرف لسانی سرگرمی نہیں بلکہ ایک تہذیبی رابطہ اور علمی مکالمہ بن جاتا ہے۔

﴿۱﴾ ترجمہ کی معنوی جہتیں:

ترجمہ کے عمل میں کئی سطحیں شامل ہوتی ہیں:

(۱)**لفظی سطح**: یہ وہ سطح ہے جہاں مترجم الفاظ کے ظاہری مطلب کو دوسری زبان میں منتقل کرتا ہے مگر ترجمہ صرف اسی سطح تک محدود رہے تو وہ خشک، بیرنگ اور اکثر غلط ہو جاتا ہے۔

(۲)**مفہومی سطح**: یہ ترجمے کی اصل اور بنیادی سطح ہے۔ یہاں مترجم صرف الفاظ نہیں بلکہ پورے جملے، پیراگراف اور متن کے مجموعی مفہوم کو دوسری زبان میں منتقل کرتا ہے۔

(۳)**جذباتی سطح**: ہر تحریر کے پیچھے ایک جذبہ، ایک کیفیت، ایک احساس ہوتا ہے۔ اچھا مترجم وہی ہوتا ہے جو اس جذبے کو بھی قاری تک منتقل کر دے۔ مثلاً اگر متن میں غم، خوشی، طنز یا محبت کا عنصر ہو تو ترجمے میں بھی وہی کیفیت جھلکنی چاہیے۔

(۴)**تہذیبی سطح**: ہر زبان کا تعلق ایک خاص تہذیب سے ہوتا ہے۔ اس تہذیب کے اپنے محاورے، تشبیہیں، تہوار، روایات اور اقدار ہوتی ہیں۔ ترجمہ کرتے وقت اس تہذیبی پس منظر کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

﴿۲﴾ ترجمہ کی اہمیت:

ترجمہ نہ ہوتا تو انسان آج بھی بہت سے علوم سے محروم ہوتا۔ دنیا کی جتنی بڑی ایجادات، دریافتیں اور فکری خزانے ہیں، وہ سب کسی نہ کسی وقت ترجمے کے ذریعے ہی مختلف زبانوں میں منتقل ہوئے۔ ترجمہ کی بدولت: علوم کی اشاعت ہوئی، تہذیبوں کے درمیان رابطہ بڑھا، فکر کو وسعت ملی، ادب کو نئی راہیں ملیں، مذاہب کے پیغامات دوسری اقوام تک پہنچے۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اگر ترجمہ نہ ہوتا تو انسانی عقل کا سفر ادھورا رہ جاتا۔

مترجم: ایک خاموش معمار مترجم ایک ایسا معمار ہوتا ہے جو نظر نہیں آتا مگر اس کا بنایا ہوا پل صدیوں تک قائم رہتا ہے۔ وہ دو زبانوں کے درمیان ایک ایسا راستہ بناتا ہے جس سے فکر، علم اور شعور کا قافلہ گزرتا ہے۔ مترجم کا کام انتہائی نازک ہوتا ہے کیونکہ ذرا سی غلطی مفہوم بدل سکتی ہے، ایک لفظ پوری فکر کو مسخ کر سکتا ہے، ایک جملہ تاریخ کا رخ بدل سکتا ہے۔ اس لئے ترجمہ ایک ذمہ داری ہے، محض ہنر نہیں۔

ترجمہ کی اقسام اور ان کی عملی ضرورت:

(الف)لفظی ترجمہ (ب) آزاد ترجمہ (ج) معنوی ترجمہ (د) ادبی ترجمہ (ہ) فنی و سائنسی ترجمہ (و) صحافتی ترجمہ

﴿۳﴾ ترجمہ کی اقسام اور ان کی عملی ضرورت:

ترجمہ ایک وسیع دائرہ ہے، اس کے اطوار اور اقسام مختلف مقصد، موضوع اور قاری کے لحاظ سے بدلے جاتے ہیں۔ ہر قسم کے ترجمے کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں اور ہر ایک کے لئے مختلف حکمتِ عملی کارگر ثابت ہوتی ہے۔ ذیل میں اہم اقسام اور صورتِ حال بیان کی جاتی ہے:

(۱)**لفظی ترجمہ(Literal Translation)**: لفظ بہ لفظ منتقل کرنے والا ترجمہ اس کا عمومی نام ہے۔ اس میں مترجم کوشش کرتا ہے کہ جملے کی ترکیب اور الفاظ کی ترتیب کو قدرِ امکان برقرار رکھا جائے۔ اس کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں دستاویزی یا قانونی متن ہو، جہاں لفظی درستگی شرط ہوتی ہے۔ اس کے حدود: ادبی متن یا محاوراتی جملوں میں یہ اسلوب موزوں نہیں رہتا کیوں کہ معنی کا سارا بوجھ محض ایک لفظ پر آ جاتا ہے جس کے نتیجے میں متن کی روح اور تاثیر مجروح ہو سکتی ہے۔

(۲) معنوی یا انطباقی ترجمہ(Dynamic Equivalence\Sense-for-Sense): یہ وہ طریقہ ہے جس میں مفہوم کو ترجیح دی جاتی ہے، چاہے الفاظ بدل جائیں۔ مترجم کا مقصد ہوتا ہے کہ قاری کو وہی ذہنی تجربہ پہنچے جو ماخذ زبان کے قاری کو پہنچا۔ اس کا استعمال ادبی، صحافتی اور عوامی مواصلات میں ہوتا ہے، اس کے فوائد: پڑھنے میں روانی اور قدرتی محسوس ہوتے ہیں اور اس کے خطرات: یہ ہیں کہ اگر حد سے زیادہ آزاد ترجمہ ہو تو مصنّف کا مخصوص اسلوب ضائع ہو سکتا ہے۔

(۳) آزاد ترجمہ(Adaptation/Free Translation): اس میں مترجم متن کو نیا رنگ دے سکتا ہے، اضافی تشریحات شامل کر سکتا ہے، اور بعض اوقات متن کو ہدف ثقافت کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔ یہ ایک تخلیقی عمل ہو سکتا ہے۔

استعمال: بچوں کے ادب، مقامات کی تشہیر، اشتہارات یا جب اصل متن صرف ایک بنیاد فراہم کر رہا ہو۔

احتیاط: آزاد ترجمہ میں شفافیت ضروری ہے۔ قاری کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ایک ایڈاپٹیشن ہے، نہ کہ حرفاً اصل۔

(۴) ادبی ترجمہ(Literary Translation): شاعری، افسانہ، ڈرامہ اور نثر فنی کے لیے مخصوص مہارتیں درکار ہوتی ہیں: وزن، انداز، استعارات، تشبیہات اور لسانی ذائقے کو برقرار رکھنا۔

چیلنجز: شاعری کا ترجمہ خاص طور پر دشوار ہے کیوں کہ شاعری میں آواز، لَحن، اور مابعدِ معنیات کا بڑا حصہ ہوتا ہے۔

حکمتِ عملی: مترجم کو کبھی کبھار طرز و تاثر کو ترجیح دینی پڑتی ہے بجائے لفظی وفاداری کے۔

(۵) سائنسی و فنی ترجمہ(Scientific Translation/Technical): یہ ترجمہ موضوعی تخصص اور درست اصطلاحاتی علم کا متقاضی ہوتا ہے۔ درست اصطلاح، واحد معنوی موافقت اور روایتی تعریفیں برقرار رکھنا لازم ہے۔

خصوصیات: اصطلاحاتی استقامت، حوالہ جات کی درستگی، جدولیں اور فارمولے کی اصل ساخت۔

غلطی کا نتیجہ: سائنسی متن میں معمولی لغزش بھی خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ لہٰذا حوالہ جاتی جانچ اور ماہرِ مضمون کی منظوری ضروری ہوتی ہے۔

(۶) مذہبی و نصوصی ترجمہ(Sacred Texts Translation/Religious): ایسے متن نہایت نازک ہوتے ہیں کیوں کہ ان میں عقائد، رسومات اور مذہبی حساسیت شامل ہوتی ہے۔ یہاں مترجم کی اخلاقی اور علمی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔

اصول: لغوی اور معنوی دونوں اعتبار سے محتاط رہنا، مختلف تعبیرات و روایات کا ادراک اور قاری کو واضح کرنا کہ کون سی تشریح کس روایت سے منقول ہے۔

(۷) صحافتی ترجمہ(Journalistic Translation): خبروں، مضامین اور رپورٹس کا ترجمہ رفتار اور درستگی دونوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ اصل پیغام کی فوری اور عین مطابقت ضروری ہوتی ہے۔

چیلنج: خبر کے سیاق و سباق کا درست اندازہ، اصطلاحات میں یکسانیت اور حسِ امتیاز برقرار رکھنا۔

بنیادی تقاضا: تیز رفتاری کے ساتھ checking-fact اور ماخذ کی معتبر جانچ۔

(۸) مقامی اور لسانی ایڈاپٹیشن (Localization): یہ ترجمہ نہ صرف زبان بلکہ ثقافتی ڈیزائن بھی بدلتا ہے۔ مثلاً سافٹ ویئر، ویب سائٹس، گیمز یا مصنوعات کے لئے۔ کالنڈر، فارمیٹس، طنز اور ریفرنسز کو ہدف بازار کے مطابق ڈھالنا ضروری ہے۔

ضرورت: جب مقصد مارکیٹنگ یا صارف کا بہترین تجربہ ہو۔

نتیجہ: زیادہ مقبولیت اور بہتر رسائی۔

اقسامِ ترجمہ کا انتخاب متن کے مقصد، قاری کے طبقے اور پیشہ ورانہ ضرورتوں کے مطابق کرنا چاہیے۔ ایک محتاط مترجم ہر ٹرانسفرمیشن کے تقاضے پر نظر رکھتا ہے اور اس کے مطابق حکمتِ عملی اپناتا ہے۔

﴿۴﴾ مترجم کی علمی، فکری اور اخلاقی ذمہ داریاں:

ترجمہ محض تکنیکی عمل نہیں بلکہ اس کے پیچھے ایک اخلاقی ضابطہ بھی ہوتا ہے جو مترجم کے رویّے اور فیصلوں کو شکل دیتا ہے۔ ذیل میں اس ضابطے کے اہم عناصر دیے جا رہے ہیں:

(۱) دیانت داری اور وفاداری:

وفاداریِ مفہوم: مترجم متن کے بنیادی معنی میں دخل اندازی نہیں کرے گا۔ اگر کسی مقام پر ترمیم یا حذف ضروری ہو تو اسے واضح کیا جائے۔

شفافیت: قاری کو معلوم ہو کہ ترجمہ میں کون سی تبدیلیاں کی گئی ہیں۔

(۲) حوالہ جات اور ماخذ کی شناخت: جہاں ممکن ہو حوالہ جاتی نوٹس شامل کیے جائیں۔ اگر ماخذ متن کا کوئی مخصوص ورژن یا نادر نسخہ استعمال ہوا تو اسے درج کیا جائے۔

(۳) ثقافتی حساسیت: مترجم کو ہدف ثقافت کی خط و نشان، حساس موضوعات اور ممنوعہ موضوعات کا علم ہونا چاہیے۔ کسی ایسی عبارت کا ترجمہ جو ہدف معاشرے میں اشتعال پیدا کر سکتی ہو، سنبھال کر کیا جائے یا ضروری نوٹس کے ساتھ پیش کیا جائے۔

(۴) خود ارادیت سے گریز: مترجم کو اپنے ذاتی نظریات یا سیاسی رجحانات کو متن میں مسلط نہیں کرنا چاہیے۔ اگر ترجمہ کسی نظریاتی انداز کے تحت کیا گیا ہے تو اس کا ذکر ضروری ہے۔

(۵) پیشہ ورانہ مہارت اور تسلسل: اصطلاحی فہرست (Glossary) اور ترجیحی الفاظ کی لسٹ بنانا ضروری ہے تاکہ پورے متن میں یکسانیت رہے۔ قاری کی رہنمائی کے لئے تکنیکی اصطلاحات کے اُردو متبادل یا توضیحات دی جائیں۔

(۶) راز داری اور حقوقِ مصنف: خاص طور پر زیرِ ترجمہ یا زیرِ اشاعت غیر مطبوعہ مواد کی صورت میں مترجم کے پاس راز داری کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ کسی بھی مواد کو بغیر اجازت افشا نہ کیا جائے۔

کاپی رائٹ قوانین کا احترام۔ اگر ترجمہ اشاعت کے لئے ہے تو اجازت نامے اور لائسنس کی جانچ لازمی ہے۔

(۷) تلافی اور اصلاح کی گنجائش: مترجم کو اپنی غلطیوں کا اعتراف اور اصلاح کا رویہ رکھنا چاہیے۔ اشاعت سے قبل peer review یا ماہرِ مضمون کی جانچ مفید رہتی ہے۔

عملی اخلاقی مثالیں:

حذفِ منظّم: اگر کسی مذہبی متن میں ایسی تشریحات ہوں جو ہدف معاشرے میں غلط فہمی پھیلائیں تو حذف سے پہلے حاشیہ یا نوٹ شامل کریں۔ حذف صریحاً نہ کریں۔

اداراتی تبدیلیاں: اگر کسی ڈیٹا یا اعداد و شمار میں غلطی ہو تو ماخذ کی تصدیق کے بعد ہی متن کو درست کریں اور قارئین کو واضح کریں کہ ترمیم کی گئی ہے۔

ادبی ازالہ: ادبی متن میں مترجم کبھی کبھی ایسے مقامات میں ترمیم کرتا ہے جو ہدف زبان میں معنوی خلا پیدا کر دیں، ایسی تبدیلیاں تشریحات کے ذریعے واضح کریں۔

04.04 ترجمے کے تقاضے

﴿۱﴾ لسانی تقاضے (Requirements Grammatical & Lexical):

ترجمہ کی بنیاد زبان کی شفاف سمجھ ہے۔ اس باب میں وہ لسانی نقطۂ نظر بیان کیے جا رہے ہیں جو ہر کامیاب ترجمہ کا حصہ ہوتے ہیں۔

(۱) الفاظ کا انتخاب (Lexical Choice): الفاظ کا مناسب انتخاب متن کی صحت کا اوّلین تقاضا ہے۔ مترجم کو چاہیے کہ وہ ایسے الفاظ چنیں جو ہدف زبان میں عام فہم ہوں مگر اصل مفہوم کو برقرار رکھیں۔ مخصوص اصطلاحات کے لئے **glossary** تیار کریں اور ہر بار ایک ہی متبادل استعمال کریں تاکہ یکسانیت قائم رہے۔

(۲) اصطلاحی یکسانیت (Terminological Consistency): سائنسی و فنی متون میں اصطلاحات کی مطابقت ضروری ہے۔ ایک اصطلاح کے متبادل بار بار بدلنے سے قاری اُلجھ جاتا ہے۔ طویل دستاویزات میں اصطلاحی فہرست ابتدائے کتاب میں یا آخر میں شامل کریں۔

(۳) نحو اور جملہ بندی (Sentence Structure & Syntax): ہر زبان کی نحوی ساخت مختلف ہوتی ہے۔ اسی لئے لفظی ترکیب کی ضرورت کے مطابق جملوں کو ہموار کریں۔ انگریزی جیسے زبانوں کے طویل مرکبات کو اُردو میں بریک کر کے بہتر، مختصر جملے بنا کر پیش کرنا عموماً بہتر تاثیر دیتا ہے۔

(۴) محاورات اور اصطلاحات (Collocations & Idioms): محاورات کا لفظی ترجمہ اکثر بے معنی ہوتا ہے۔ بہتر ہے کہ مترجم ہدف زبان کے متبادل محاورہ تلاش کرے یا تشریح کے ذریعے مفہوم پہنچائے۔ collocations پر توجہ دیں یعنی کون سے الفاظ عموماً ایک ساتھ آتے ہیں تاکہ ترجمہ فطری محسوس ہو۔

(۵) نشانِ اعراب اور علامتیں (Orthography&Punctuation): اُردو نکتہ و شکلِ املا کی پابندی ضروری ہے۔ درست وقف، قوسین، حاشیے اور حوالہ جات سے متن منظّم اور پڑھنے میں آسان بنتا ہے۔ اعداد و شمار، تاریخوں اور رقمی شکلوں کے معیار ایک جیسے رکھیں (مثلاً: ۱۵ تا ۲۰) یہ فیصلہ اداراتی اصول کے مطابق کیا جائے۔

(۶) صنفی (Gender) اور شراکتی (Agreement) مسائل: اُردو میں صیغہ اور جنس کے حساب سے ضمیروں اور صفات کا بہاؤ مختلف ہوسکتا ہے۔ ان کا درست اظہار مفہوم کی درستگی کے لئے ضروری ہے۔

غیر مشخص یا غیر متعین ماخذ کے لئے غیر جانب دار الفاظ اختیار کریں یا متن کے مطابق نوٹ چھوڑیں۔

(۷) لحن اور طرزِ اظہار کی مناسبت (Tone & Register): ہر متن کا ایک مخصوص register ہوتا ہے۔ علمی، عام فہم، رسمی، محاوری وغیرہ۔ ہدف قاری کے مطابق register برقرار رکھیں۔

ادبی متن میں poetic register اور سائنسی متن میں formal register ضروری ہے، ان میں ملاوٹ قاری کو خلط مبحث کر سکتی ہے۔ عملی مشقیں (لغوی سطح پر فوراً استعمال کے قابل)

ایک سادہ انگریزی پیراگراف لیں اور اس کے تین متبادل اُردو تراجم کریں: لفظی، معنوی اور مختصر۔ ہر ایک کا فائدہ و نقصان نوٹ کریں۔ کسی ادبی اقتباس کے محاورے تلاش کریں اور ان کے متبادل اُردو محاورات یا تشریح لکھیں۔ سائنسی اصطلاحات کی فہرست بنا کر ان کے مستند اُردو متبادلات جمع کریں اور glossary تیار کریں۔

﴿۲﴾ اُسلوبی و بیانی تقاضے (Requirements Rhetorical & Stylistic):

ہر متن محض معلومات کا مجموعہ نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک خاص اسلوب، آواز (voice) اور لَے (rhythm) رکھتا ہے۔ ترجمہ کرنے والا اگر اس اسلوب سے غافل ہو جائے تو متن کی روح ماند پڑ جاتی ہے، چاہے مفہوم لفظاً درست ہی کیوں نہ ہو۔ اس باب میں ترجمے کے وہ اسلوبی تقاضے بیان کیے جا رہے ہیں جو متن کو زندہ، رواں اور اثر انگیز بناتے ہیں۔

(۱) مصنف کی آواز (Authorial Voice) کا تحفظ: ہر مصنف کا ایک مخصوص انداز اظہار ہوتا ہے۔ کسی کا لہجہ سخت، کسی کا نرم، کسی کا اسلوب خطیبانہ اور کسی کا مکالماتی۔ مترجم پر لازم ہے کہ وہ اس آواز کو پہچانے اور حتی المقدور اسی کیفیت کو منتقل کرے۔ اگر مصنف طنزیہ انداز میں لکھ رہا ہے تو ترجمہ میں بھی طنز کی جھلک باقی رہنی چاہیے۔ اگر لہجہ سنجیدہ، علمی اور خطیبانہ ہے تو زبان بھی اسی رعب و وقار سے آراستہ ہو۔

(۲) آہنگ اور روانی (Flow & Rhythm): اچھا ترجمہ وہ ہے جو ترجمہ محسوس نہ ہو بلکہ اصل تحریر معلوم ہو۔ یہ تب ممکن ہوتا ہے جب جملوں کے بہاؤ میں قدرتی پن ہو۔ بہت زیادہ بھاری اور پیچیدہ جملے متن کو بوجھل بنا دیتے ہیں۔ بہت زیادہ سادہ جملے علمی و ادبی وقار کم کر دیتے ہیں۔ لہٰذا مترجم کو معتدل آہنگ پیدا کرنا ہوتا ہے۔

(۳) ادبی لوازمات کی رعایت: اگر متن میں تشبیہ، استعارہ، علامت، تلمیح یا دیگر ادبی صنعتیں ہوں تو مترجم کو دو راستے اختیار کرنے پڑتے ہیں: یا تو اُسی صنعت کی ہدف زبان میں متبادل تلاش کرے یا پھر حاشیہ یا مختصر تشریح کے ذریعے اس پہلو کو واضح کرے۔ ادبی ترجمہ صرف معنی نہیں بلکہ کیفیت کی منتقلی ہوتا ہے۔

(۴) مکالمے اور کردار کی زبان: کہنی، ناول اور ڈرامے میں ہر کردار کا ایک الگ لہجہ اور طبقاتی شناخت ہوتی ہے۔ مترجم کو چاہیے کہ: بوڑھے کردار کی زبان میں وقار اور سنجیدگی رکھے، نوجوان کردار کی گفتگو میں فطری روانی و تازگی رکھے۔ دیہاتی کردار کی زبان میں سادگی اور شہری کردار میں تہذیبی نزاکت نمایاں کرے۔ یہ فرق نہ ہو تو کردار فلیٹ (Flat) اور غیر حقیقی محسوس ہوتے ہیں۔

(۵) رموزِ اوقاف اور تنظیمِ عبارت: نقطہ، کوما، وقفے، کوٹیشن مارکس، پیرا گراف کی تقسیم۔ یہ سب اُسلوب کا حصہ ہیں۔ بعض اوقات صرف ایک غلط وقفہ پورے مفہوم کو بدل دیتا ہے۔ اس لئے یہ صرف تکنیکی نہیں بلکہ اُسلوبی مسئلہ بھی ہے۔

مترجم اگر صرف الفاظ کا ترجمہ کرے تو وہ مترجم نہیں، نقل کرنے والا ہے لیکن اگر وہ اسلوب کو منتقل کرے تو وہ تخلیقی شریکِ کار بن جاتا ہے۔ یہی اعلیٰ ترجمہ ہے۔

﴿۳﴾ ثقافتی وتہذیبی تقاضے(Requirements Requirements & Cultural):

ہر زبان اپنے ساتھ ایک تہذیب، تاریخ، رسوم و رواج اور اجتماعی شعور لے کر چلتی ہے۔ ترجمہ محض زبان کا نہیں، دراصل ثقافت کا تبادلہ بھی ہوتا ہے۔

(۱) ثقافتی حوالوں کی پہچان: کوئی ایسا لفظ، محاورہ یا واقعہ جو ایک خاص قوم یا تہذیب میں معنی رکھتا ہو، دوسری زبان میں منتقل کرتے ہوئے مشکل پیدا کرتا ہے۔ **مثال کے طور پر:** مغربی تہذیب کے تہوار، مخصوص طرزِ لباس اور معاشرتی روایات۔

ایسے مواقع پر مترجم کے پاس تین راستے ہوتے ہیں:

(الف) اصل لفظ برقرار رکھے اور ساتھ وضاحت دے۔

(ب) ہدف تہذیب کا ہم معنی حوالہ دے۔

(ج) لفظ کو بدل کر مفہوم واضح کرے۔

(۲) مذہبی وتہذیبی حساسیت: کبھی کبھی کوئی جملہ ایک زبان میں معمولی ہوتا ہے مگر دوسری ثقافت میں اسے گستاخی یا تمسخر سمجھا جا سکتا ہے۔ ایسے مقامات پر مترجم کو بے حد احتیاط کی ضرورت ہے۔ ایسی عبارتوں کو نرم انداز میں پیش کیا جائے یا حاشیہ کے ذریعے وضاحت کی جائے تاکہ اصل مفہوم بھی بچے اور قاری کی دل آزاری بھی نہ ہو۔

(۳) مقامی رنگ کا تحفظ: بعض اوقات متن کا حُسن اسی بات میں ہوتا ہے کہ وہ اپنی مقامی شناخت برقرار رکھے۔ مثلاً اگر کسی ناول میں کسی گاؤں کے رسوم، بولی یا روایت کا ذکر ہے تو اسے مکمل طور پر بدلنا نہیں چاہیے بلکہ قاری کو اس نئی تہذیب سے آشنا کرنا چاہیے۔

﴿۴﴾ سائنسی، ادبی اور مذہبی متون کے مخصوص تقاضے:

ہر نوع (Genre) کا اپنا مزاج ہوتا ہے، اور ہر مزاج کے اپنے تقاضے:

(۱) سائنسی متن کے تقاضے: اصطلاحات میں ایک لفظ کے لئے ایک محدود اور طے شدہ متبادل، غیر ضروری اسلوبی نفاست سے گریز، زیادہ سے زیادہ وضاحت اور کم سے کم ابہام۔

(۲) ادبی متن کے تقاضے: تخیلی فضا کا تحفظ، لہجہ، جذبات اور علامتوں کی صحیح منتقلی حسنِ بیان کو برقرار رکھنا۔

(۳) مذہبی متن کے تقاضے: انتہائی احتیاط، مختلف مسلکی یا فکری آرا کا احترام، جہاں اختلاف ہو وہاں وضاحتی نوٹ، یہاں مترجم ایک علمی ذمہ دار ہی نہیں بلکہ اخلاقی ذمہ دار بھی ہوتا ہے۔

ترجمہ کے تقاضے: محض قواعد اور اصولوں کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک ذمہ دارانہ فکری عمل ہے۔ یہ علم، فن، تہذیب، ادب اور اخلاق کا حسین امتزاج ہے۔ کامیاب مترجم وہ ہے جو: اصل متن کا وفادار ہو، ہدف زبان کا ماہر ہو، تہذیبی فرق کو سمجھے اور قاری سے ایمان داری کرے۔ یہ یونٹ مترجم کو صرف زبان تبدیل کرنا نہیں سکھاتا بلکہ سوچ، احساس اور ثقافت منتقل کرنے کا شعور عطا کرتا ہے۔

04.05 خلاصہ

ترجمہ انسانی فکر کی وہ خاموش زبان ہے جو مختلف تہذیبوں، قوموں اور صدیوں کو ایک غیر مرئی رشتے میں باندھتی ہے۔ یہ عمل صرف دو زبانوں کے درمیان الفاظ کا تبادلہ نہیں بلکہ دو ذہنوں، دو مزاجوں اور دو تہذیبی تجربوں کے درمیان ایک بامعنی مکالمہ ہے۔ اس مکالمے میں اگر دیانت، شعور اور فنی آگہی شامل ہو جائے تو ترجمہ محض منتقلی نہیں رہتا بلکہ ایک تخلیقی تعمیر میں بدل جاتا ہے۔

اس یونٹ میں واضح طور پر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ترجمے کا عمل جتنا بظاہر آسان نظر آتا ہے، حقیقت میں اتنا ہی پیچیدہ، نازک اور ذمہ دارانہ ہوتا ہے۔ مترجم کو نہ صرف زبان پر عبور ہونا چاہیے بلکہ متن کے پس منظر، مصنف کے مزاج اور تحریر کی روح کو بھی سمجھنا ضروری ہے۔ اگر یہ تینوں عناصر نظر انداز کر دیے جائیں تو ترجمہ بے جان، غیر مؤثر اور بعض اوقات گمراہ کن بھی ہو سکتا ہے۔ اس بات پر خصوصی زور دیا گیا ہے کہ ترجمہ محض لغت دیکھ کر نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے لئے لسانی بصیرت، ثقافتی آگاہی، ادبی ذوق اور فکری حساسیت لازمی صفات ہیں۔ ایک کامیاب مترجم وہ ہے جو زبانوں کے درمیان صرف پل نہ بنائے بلکہ ان کے درمیان فہم کی روشنی بھی پھیلائے۔ اس یونٹ سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ ترجمہ زمانوں کو جوڑنے والی وہ زنجیر ہے جو علم کو محدود ہونے سے بچاتی ہے۔ یہ صدیوں کے تجربات، ایجادات، خیالات اور نظریات کو ایک قوم سے دوسری قوم تک پہنچانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ اگر ترجمہ نہ ہوتا تو دنیا کا بیشتر علم بند دروازوں کے پیچھے قید رہتا۔ جدید ٹیکنالوجی کے دَور میں اگرچہ مشینی ترجمہ سہولت فراہم کر رہا ہے، مگر انسانی فکر، جذبے اور اسلوب کی باریکیوں کو پوری طرح منتقل کرنے کی صلاحیت آج بھی انسان ہی رکھتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا بجا ہے کہ مستقبل میں بھی معیاری اور مؤثر ترجمے کے لئے تربیت یافتہ اور حساس مترجم کی ضرورت باقی رہے گی۔

آخر کار یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ترجمہ صرف ایک فن نہیں بلکہ ایک علمی ذمہ داری اور تہذیبی خدمت ہے، جسے دیانت، مہارت اور شعور کے ساتھ انجام دینا ہی اس کا حقیقی تقاضا ہے۔

اہم اصطلاحات (Key Terms/Glossary):

ترجمہ (Translation): ایک زبان کے مفہوم کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کا فکری اور لسانی عمل۔

مترجم (Translator): وہ فرد جو ایک زبان کے متن کو دوسری زبان میں منتقل کرتا ہے۔

اصل متن (Source Text): وہ تحریر جس سے ترجمہ کیا جا رہا ہو۔

ہدفی زبان (Target Language): وہ زبان جس میں ترجمہ کیا جا رہا ہو۔

لفظی ترجمہ (Literal Translation): الفاظ کی سطح پر کیا گیا ترجمہ، بغیر مفہوم کی گہرائی میں جائے۔

معنوی ترجمہ(Semantic Translation):الفاظ کے بجائے مفہوم کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا گیا ترجمہ۔

آزاد ترجمہ(Free Translation):ایسا ترجمہ جس میں مترجم زبان کی روانی کے لیے ساخت تبدیل کر لیتا ہے۔

ادبی ترجمہ(Literary Translation):ناول، افسانہ، شاعری اور ادب کا ترجمہ جس میں اسلوب اور جذبہ اہم ہوتا ہے۔

اصطلاح(Terminology):کسی خاص فن یا علم میں استعمال ہونے والے مخصوص الفاظ۔

محاورہ(Idiom):ایسا جملہ یا ترکیب جس کا مطلب لفظی مطلب سے مختلف ہو۔

ثقافتی حوالہ(Cultural Reference):کسی خاص تہذیب یا معاشرے سے متعلق تصور یا روایت۔

لسانی تقاضے(Linguistic Requirements):گرائمر، جملوں کی ساخت اور زبان کے قواعد کی پابندی۔

اسلوب(Style):مصنف کے اظہار کا مخصوص طریقہ۔

ثقافتی ہم آہنگی(Cultural Adaptation):ترجمے کو ہدفی زبان کی تہذیب کے مطابق ڈھالنا۔

مشینی ترجمہ(Machine Translation):کمپیوٹر یا سافٹ ویئر کے ذریعے کیا گیا ترجمہ۔

انسانی ترجمہ(Human Translation):انسان کی فکری صلاحیت کے ذریعے کیا گیا ترجمہ۔

ترجمہ کے تقاضے محض قواعد اور اصولوں کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک ذمہ دارانہ فکری عمل ہے۔ یہ علم، فن، تہذیب، ادب اور اخلاق کا حسین امتزاج ہے۔ کامیاب مترجم وہ ہے جو: اصل متن کا وفادار ہو، ہدف زبان کا ماہر ہو، تہذیبی فرق کو سمجھے اور قاری سے ایمان داری کرے۔ یہ یونٹ مترجم کو صرف زبان تبدیل کرنا نہیں سکھاتا بلکہ سوچ، احساس اور ثقافت منتقل کرنے کا شعور عطا کرتا ہے۔

04.06 فرہنگ

ابتکار	: جدّت، ایجاد	عنصر	: اصل، بنیاد، مفرد شے
ازلی	: قدیم، بہت پرانا	فریضہ	: ذمہ داری
استحکام	: پختگی، مضبوطی	فعال	: مؤثر، اثر دار
اُسلوب	: انداز، ڈھنگ، طریقہ	فوت	: مر جانا، ختم ہو جانا
افراد	: فرد کی جمع، اشخاص	قارئین	: پڑھنے والے لوگ
اقدار	: اہمیت، قدر و قیمت	قالب	: ڈھانچہ، جسم
اہلِ کاروں	: کارندے، دفتر میں کام کرنے والے	مابین	: بیچ میں یا درمیان میں
بے روح	: بے جان، غیر جاندار	مترجم	: ترجمہ کرنے والا
بے نظیر	: بے مثال، لاجواب	متقاضی	: تقاضا، طلب یا مطالبہ کرنے والا
تبدیلی	: بدلاؤ	متوازن	: توازن، وزن میں برابر

ترسیل : روانہ کرنا،بھیجنا،ارسال کرنا

تشہیر : مشہور یا شہرت پانا

تصوّف : راہِ طریقت،علم معرفت

توضیح : وضاحت،تشریح

توہم پرستی : وہم کی پوجا،خلاف عقل باتوں کو ماننے والا

ثقافت : رسم ورواج،تہذیب

ثقافتی : تہذیبی

جزو : حصہ،ٹکڑا

جہتیں : جہت کی جمع،سمت،رخ،جانب

حتمی : لازمی،ضروری

دیانت داری : ایمان داری

راہ ہموار : مشکل حل ہونا یا آسان ہونا

سعی : کوشش

شعورعامہ : عوام کی سوچ یارائے

صوتی آہنگ : آوازوں کا باہمی میل

عبور : مہارت،پکڑ

عمیق : گہرا،دقیق

مجموعی : کل،تمام

مستحکم : مضبوط،پختہ

مصنوعی : غیر حقیقی،خیالی

مضمر : پوشیدہ،چھپاہوا

مطبع : پریس،چھاپہ خانہ

منتقل : بدل دینا

منظّم : ترتیب دیا ہوا،متحد،اکٹھا

موٴثر : اثر کرنے والا،اثر انداز،کارگر

ناگزیر : لازم،ضروری

نحواظہار : ظاہر کرنے کا طریقہ یا ڈھنگ

نصب العین : مقصد اصلی

نقل کنندہ : نقل کرنے والا

نگہداشت : نگرانی،نگہبانی

نوعیت : خصوصیت،حالت،انداز

وسعت : پھیلاؤ،کشادگی،چوڑائی

ہدف : مقصد،نشانہ

ہمہ جہت : ہرسمت،ہرطرف

04.07 نمونہ امتحانی سوالات

الف: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰/۱۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبرا : ''آزاد ترجمہ'' پر روشنی ڈالیے۔

سوال نمبر۲ : ''ادبی ترجمہ'' کیا ہے بیان کیجیے۔

سوال نمبر۳ : ترجمہ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ وضاحت کیجیے۔

ب: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰/۳۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبرا : ترجمے کی تعریف بیان کیجیے۔

سوال نمبر۲ : ترجمے کی معنوی جہتوں پر روشنی ڈالیے۔

سوال نمبر۳ : ترجمے کے تقاضوں کو تفصیل سے بیان کیجیے۔

04.08 حوالہ جاتی کتب

ا۔ ترجمہ: روایت وفن از نثار احمد قریشی

۲۔ ترجمہ فن اور روایت از پروفیسر قمر رئیس

۳۔ فن ترجمہ نگاری از ڈاکٹر خلیق

اکائی 05 مترجم کی خصوصیات

ساخت

05.01 : اغراض ومقاصد
05.02 : تمہید
05.03 : قدیم ماہرین کے نزدیک مترجم کی بنیادی خصوصیات
05.04 : فطری مناسبت اورترجمے کا ذوق
05.05 : لغات کا استعمال اور وسیع مطالعہ
05.06 : موضوع، مصنف اور اسلوب سے واقفیت
05.07 : خلاصہ
05.08 : فرہنگ
05.09 : نمونہ امتحانی سوالات
05.10 : حوالہ جاتی کتب
05.11 : اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

05.01 اغراض ومقاصد

ترجمہ زبان و بیان کے سب سے مشکل فنون میں سے ایک ہے جس کے لیے وسیع مطالعہ، گہری زبان دانی، دونوں زبانوں کی نزاکتوں پر مہارت اور مسلسل مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ مترجم صرف الفاظ منتقل نہیں کرتا بلکہ معنی، احساس، تہذیبی رنگ اور مصنف کے اسلوب کو بھی قاری تک پہنچاتا ہے۔ اسی لیے مترجم سے بلند شعری ذوق، علمی بصیرت اور لسانی مہارت کی توقع کی جاتی ہے۔ ہر زبان کا اپنا مزاج اور اپنی تہذیبی فضا ہوتی ہے، اس لیے ان کی خصوصیات کو سمجھ کر متن کو نئے سانچے میں ڈھالنا مترجم کی اصل صلاحیت کا امتحان ہوتا ہے۔ مختلف زبانیں بولنے والے انسان جب ایک دوسرے کے تجربات، خیالات اور علمی وراثت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو مترجم اُن کے درمیان ایک لازمی پل کا کام انجام دیتا ہے۔ چنانچہ مترجم محض زبان بدلنے والا شخص نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک ایسا باخبر، باشعور اور وسیع النظر فرد ہوتا ہے جو نہ صرف دو زبانوں بلکہ دو تہذیبوں، دو ثقافتوں اور دو فکری نظاموں کو باہم مربوط کرتا ہے۔ اس عمل میں مترجم سے غیر معمولی ذہنی صلاحیتوں، علمی بصیرت اور تخلیقی شعور کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم وجدید مفکرین نے مترجم کی اہمیت کو ہمیشہ تسلیم کیا ہے اور اس کے لئے مخصوص خصوصیات اور اوصاف پر زور دیا ہے۔ پیشِ نظر اکائی میں انہی خصوصیات کا تفصیلی مطالعہ کیا گیا ہے۔

05.02 تمہید

ترجمہ ایک نہایت اہم اور محنت طلب فن ہے۔ یہ صرف زبان بدلنے کا کام نہیں بلکہ ایک ذہنی، علمی اور فنی سرگرمی ہے جس میں اصل متن کی روح کو دوسری زبان میں اسی دلکشی اور وضاحت کے ساتھ منتقل کرنا ہوتا ہے۔ ایک اچھے ترجمے کے لیے ضروری ہے کہ مترجم کئی علمی و فنی خصوصیات کا حامل ہو۔ مختلف ماہرین نے اپنے اپنے ادوار میں مترجم کے اوصاف بیان کیے ہیں جن کی روشنی میں آج کے دَور میں مترجم کی اصل ضرورتیں بھی واضح ہوتی ہیں۔ ایک کامیاب مترجم کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ دونوں زبانوں، اصل زبان اور ہدف زبان پر مکمل عبور رکھتا ہو۔ زبان کے قواعد، نحوی ساخت، محاورات، روزمرہ، ذوقِ بیان اور مختلف ادبی اسالیب سے واقفیت کے بغیر ترجمہ ہمیشہ کمزور، بے رنگ اور ادھورا رہتا ہے۔ اسی لیے مترجم کا مطالعہ، لسانی شعور، علمی دقت نظر اور الفاظ کے صحیح محل میں استعمال کی صلاحیت نہایت ضروری ہے۔ مترجم کو دو زبانوں کی تہذیب اور ثقافت سے واقف ہونا چاہیے تاکہ ترجمے میں کوئی ایسا لفظ یا ترکیب نہ آئے جو مقصد سے ہٹ جائے اور معنی میں رخنہ ڈال دے۔

05.03 قدیم ماہرین کے نزدیک مترجم کی بنیادی خصوصیات

ترجمہ نگاری کی تاریخ میں مترجم کی صلاحیتوں اور فرائض پر بہت غور و فکر کیا گیا ہے۔ شاہ پرتگال کنگ ڈیوراٹ (1438-1391) نے اپنی کتاب ''دی لائل کونسلر'' میں مترجم کی پانچ بنیادی خصوصیات بیان کی ہیں جو آج بھی بڑی حد تک اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کے مطابق:

﴿۱﴾ مترجم اصل متن کے معانی کو سمجھے اور ترجمے میں انہیں کسی تبدیلی کے بغیر پورے کے پورے منتقل کرے۔

﴿۲﴾ مترجم ترجمے میں ترجمے کی زبان کا روزمرہ اور محاورہ استعمال کرے۔ اصل متن کی زبان سے مستعار نہ لے۔

﴿۳﴾ مترجم ترجمے کی زبان میں ایسے الفاظ استعمال کرے جو اصل زبان کے الفاظ کے راست اور مناسب متبادل ہوں۔

﴿۴﴾ مترجم درشت اور ناپسندیدہ الفاظ سے گریز کرے۔

﴿۵﴾ مترجم ان تمام اصولوں کی پابندی کرے جو عبارت نگاری کا لازمہ ہیں یعنی اس کی تحریر واضح، قابلِ فہم اور مفید ہو۔

اسی طرح Etienne Dolet نے اپنی کتاب The best way translating from one language to another (1509-1546) میں مترجم کے لیے درج ذیل خصائص ناگزیر قرار دیے ہیں:

﴿۱﴾ اصل معنی کو سمجھے۔

﴿۲﴾ اصل زبان اور ترجمے کی زبان پر عبور رکھے۔

﴿۳﴾ لفظی ترجمے سے گریز کرے۔

﴿۴﴾ ترجمے میں بامحاورہ زبان استعمال کرے۔

﴿۵﴾ متالفاظ کے انتخاب اور ترتیب میں احتیاط برتتے ہوئے جملوں میں مناسب آہنگ پیدا کرے۔

یہ ماہرین اگرچہ اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق گفتگو کر رہے تھے، مگر ان کی آراء میں جو عمومیت، وسعت اور فنی گہرائی ہے وہ آج بھی ترجمہ نگاری کی بنیاد سمجھی جاتی ہے۔ ان کی باتوں میں وہ فکری استحکام ہے جو کسی بھی نئے مترجم کو راستہ دکھا سکتا ہے۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:

﴿۱﴾ ''دی لائل کونسلر'' کا مصنف کون تھا؟

﴿۲﴾ کنگ ڈیوراٹ کس ملک کا حکمران تھا؟

﴿۳﴾ کنگ ڈیوراٹ کے مطابق مترجم کی تحریر کیسی ہو؟

﴿۴﴾ Etienne Dolet کا تعلق کس دور سے ہے؟

﴿۵﴾ Dolet کے مطابق کس چیز سے بچنا چاہیے؟

05.04 فطری مناسبت اور ترجمے کا ذوق

کسی بھی فن میں کامیابی کا بنیادی راز اس فن کے ساتھ فطری لگاؤ ہے۔ ترجمہ بھی اس اصول سے مستثنیٰ نہیں۔ مترجم کے اندر ترجمے کے عمل کے لیے ایک فطری رغبت، ذہنی میلان اور ذوق ہونا ضروری ہے۔ اگر کسی شخص میں ترجمے کا رجحان نہ ہو تو وہ ترجمے کے باریک ترین پہلوؤں تک نہیں پہنچ سکتا، نہ اس میں وہ محنت اور صبر پیدا ہوتا ہے جو اس عمل کا بنیادی تقاضا ہے۔ مترجم کے لیے اصل ضرورت یہ ہے کہ وہ زبانوں سے محبت رکھتا ہو، نئے الفاظ سیکھنے میں دلچسپی لیتا ہو، مفاہیم کی تہوں میں اترنے کا شوق رکھتا ہو اور ترجمے کو محض پیشہ نہیں بلکہ ایک ذہنی کیفیت اور فنی ذمے داری سمجھتا ہو۔ فطری مناسبت کی وجہ سے مترجم ترجمے کے عمل میں پوری محویت کے ساتھ شامل ہوتا ہے، وہ الفاظ کا وزن بھی سمجھتا ہے اور معانی کے رنگ بھی پہچانتا ہے۔ جب تک مترجم کے اندر اس فن کے ساتھ ایک داخلی ربط پیدا نہ ہو جائے، تب تک اس کا ترجمہ صرف لفظوں کی تبدیلی بن کر رہ جاتا ہے۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:

﴿۶﴾ ترجمے میں سب سے بنیادی شرط کیا ہے؟

﴿۷﴾ مترجم کو کس عمل میں محویت ضروری ہے؟

﴿۸﴾ مترجم کو کس چیز سے محبت ہونی چاہیے؟

05.05 لغات کا استعمال اور وسیع مطالعہ

ترجمے میں لغات کی حیثیت بنیادی اوزار کی ہے۔ ایک مترجم جس قدر مختلف لغات کا مطالعہ کرے گا، اسی قدر اس کا علم، ذخیرۂ الفاظ اور فہم میں وسعت پیدا ہوگی۔ خاص طور پر دولسانی لغات مترجم کے لیے ناگزیر ہیں۔ مترجم کو چاہیے کہ وہ اپنی روزمرہ مشق میں لغات کو ہمیشہ اپنے قریب رکھے، ان سے بار بار رجوع کرے اور الفاظ کے استعمالات، مترادفات، محاورات اور اصطلاحات کو گہرائی کے ساتھ سمجھے۔ اس بارے میں ڈاکٹر سہیل احمد خان کا قول نہایت اہم ہے:

> ''ایک مشہور مترجم سے میں نے اس کے ترجموں کی کامیابی کے بارے میں سوال کیا تو اس نے انکساری سے یہ کہا کہ لغت میں دیکھ لیتا ہوں۔ باقی لوگ اس کام میں سُبکی محسوس کرتے ہیں۔''
>
> (ڈاکٹر سہیل احمد خاں، مضمون ترجمہ تالیف، تلخیص اور اخذ کرنے کا فن، مشمولہ ترجمہ: روایت اور فن، ص78)

یہ واقعہ واضح کرتا ہے کہ لغت دیکھنا مترجم کی کمزوری نہیں بلکہ بنیادی ضرورت ہے۔مترجم کو صرف ایک لغت پر انحصار نہیں کرنا چاہیے بلکہ اسے چاہیے کہ وہ مختلف لغات،موضوعاتی فرہنگوں اور اصطلاحاتی ڈکشنریوں سے مدد لے۔ترجمہ ایک ایسا عمل ہے جس میں مترجم کو بعض اوقات بظاہر جانے پہچانے الفاظ کے بھی نئے معانی دریافت کرنے پڑتے ہیں اور یہ عمل بغیر لغات کے ممکن نہیں۔اسی طرح مترجم کا مطالعہ بھی بہت وسیع ہونا چاہیے۔فلسفہ،نفسیات،سائنس،معاشیات،مذہب،سیاسیات اور فنونِ لطیفہ سمیت مختلف میدانوں کی کتب سے واسطہ رکھنے والا مترجم زیادہ بہتر،زیادہ معنوی اور زیادہ معتبر ترجمہ کر سکتا ہے کیونکہ اس کا ذہن مختلف علوم وفنون کے تناظر میں الفاظ کو بہتر طور پر سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:

﴿۹﴾ شاہ پرتگال کنگ ڈیوراٹ نے مترجم کی کتنی بنیادی خصوصیات بیان کی تھیں؟

﴿۱۰﴾ ایٹیئن ڈولے(Etienne Dolet) کس صدی میں پیدا ہوا تھا؟

﴿۱۱﴾ مترجم کے لیے سب سے بنیادی فطری اوزار کیا ہے؟

05.06 موضوع،مصنف اور اسلوب سے واقفیت

ترجمہ اس وقت تک معیاری نہیں ہو سکتا جب تک مترجم اصل متن کے موضوع سے پوری طرح واقف نہ ہو۔صرف زبان دانی کسی علمی یا فکری متن کے ترجمے کے لیے کافی نہیں۔اگر مترجم موضوع سے ناواقف ہے تو وہ اس متن کے باریک مفاہیم،علمی نکات اور فکری گہرائی کو کبھی پوری طرح نہیں سمجھ پائے گا،نہ اسے ترجمے میں منتقل کر پائے گا۔اسی طرح مترجم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اصل مصنف کے اسلوب، ذہنیت،طرزِ بیان،فکری رجحانات اور تہذیبی پس منظر سے بھی واقف ہو۔مصنف کس ماحول میں لکھ رہا ہے،اس کے عہد میں کون سی تحریکات اور رجحانات کارفرما ہیں،اس کی پسندیدہ تشبیہیں کیا ہیں،وہ کن محاوروں کا استعمال زیادہ کرتا ہے۔یہ تمام عوامل ترجمے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر مترجم مصنف کے دَور کے سیاسی،تمدنی،تہذیبی اور فکری ماحول سے واقف نہ ہو تو وہ متن کی اندرونی معنویت، لطافتوں اور کنایوں کو کبھی نہیں سمجھ سکتا۔

ترجمہ نگاری میں ایک اہم اصول یہ بھی ہے کہ مترجم اپنے اسلوب اور اپنی شخصیت کو پسِ پشت ڈال دے اور پورے انہماک کے ساتھ مصنف کی شخصیت میں داخل ہونے کی کوشش کرے۔ڈاکٹر جمیل جالبی اس خصوصیت کو یوں بیان کرتے ہیں:

> ''ترجمہ کرنے والا اپنی شخصیت اور مزاج کو کھو کر دوسرے کی شخصیت اور مزاج میں انہیں تلاش کرتا ہے۔کھو کر پانا اور پا کر کھونا اچھے ترجمے کے بنیادی عناصر ہیں۔اچھا ترجمہ اسی وقت وجود میں آ سکتا ہے جب مترجم نے نیک نیتی کے ساتھ اپنی شخصیت کو کھو کر مصنف کی شخصیت میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہو۔اپنی ذات کی نفی اور اپنی شخصیت سے انکار ایک اچھے مترجم کے لیے ضروری ہے۔''
>
> (ڈاکٹر جمیل جالبی،ترجمے کے مسائل،مشمولہ ترجمہ روایت اور فن،مرتبہ نثار احمد قریشی، ص156)

یہ اصول نہ صرف مترجم کی ذہنی کیفیت کو بیان کرتا ہے بلکہ ترجمہ نگاری کے سب سے مشکل مرحلے کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔یعنی مصنف کے باطن میں جھانکنے کی صلاحیت۔اس سلسلے میں پروفیسر نصیر احمد خان کا قول نہایت معنی خیز ہے:

''دراصل صحت مند اور کامیاب ترجمہ اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم لکھنے والے کے ذہن میں سفر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔یہی وہ طریقہ ہے جس سے ہم ان کیفیات اور احساسات سے گزر سکتے ہیں۔جو تصنیف کا باعث بنی ہیں۔اس طرح ترجمہ ہونے والے فن پارے کی روح تک پہنچا جا سکتا ہے۔ ترجمہ محض ایک جسم کو دوسرا لباس پہنا دینے کا نام نہیں ہے بلکہ ایک جسم کے مقابلے میں بالکل ویسا ہی جسم تراش کر اسے دوسرے لباس میں اس طرح لے آتا ہے کہ دونوں قالبوں میں ایک ہی روح ہو۔یہاں لباس،جسم اور روح سے مراد ترجمے کی زبان اصل عبارت کا مرکزی خیال اور وہ تاثر ہے جو پڑھنے کے بعد دل ودماغ میں قائم ہوتا ہے۔''

(ڈاکٹر نصیر احمد،مضمون:ترجمے کے مسائل اور مترجم،مشمولہ اُردو لسانیات،دہلی 1990،ص 136)

یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ اچھا مترجم وہی ہے جو اصل مصنف کے جذبے،احساس،فکر اور ذہنی ارتعاشات کو پوری گہرائی کے ساتھ محسوس کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

ترجمہ ایک محنت طلب عمل ہے جس میں عجلت کی بالکل گنجائش نہیں۔مترجم کو چاہیے کہ ہمیشہ پوری محنت،سنجیدگی اور مستقل مزاجی کے ساتھ کام کرے۔لغات تک بار بار رجوع کرنا،مختلف اصطلاحات کو تلاش کرنا،مفاہیم کی گہرائی میں جانا،متن کے ہر نکتے پر غور کرنا۔یہ سب وہ کام ہیں جو محنت اور وقت کا تقاضا کرتے ہیں۔جلد بازی میں کیا گیا ترجمہ ہمیشہ غلطیوں سے پُر ہوتا ہے اور اصل متن کے حسن کو مجروح کر دیتا ہے۔اچھا مترجم وہی ہے جو صبر،حوصلے اور ذہنی یکسوئی کے ساتھ ترجمے کا عمل انجام دیتا ہے۔

مندرجہ بالا تمام نکات اس بات کی توضیح کرتے ہیں کہ مترجم کا کام نہایت حساس،ذمہ دارانہ اور پیچیدہ ہے۔اسے زبانوں پر عبور کے ساتھ ذہانت،فطانت،وسیع مطالعہ،لغات سے واقفیت،موضوع فہمی،محنت،صبر،مستقل مزاجی اور سب سے بڑھ کر اصل متن سے وفاداری کی ضرورت ہوتی ہے۔مترجم کو اپنی ذات کو پسِ پشت ڈال کر مصنف کے ذہن وفکر میں سفر کرنا پڑتا ہے،تب کہیں جا کر ایک ایسا ترجمہ وجود میں آتا ہے جو اصل متن کی روح اور تاثیر کو برقرار رکھتا ہے۔اسی لیے یہ کہنا بجا ہے کہ کشادہ ذہن،باریک بیں اور علمی طور پر بیدار شخص ہی حقیقی معنوں میں مترجم کہلانے کا اہل ہوسکتا ہے۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:

﴿۱۲﴾ مترجم کو اصل متن کے ساتھ کس چیز میں مکمل واقفیت ہونی چاہیے؟

﴿۱۳﴾ اچھے ترجمے کے لیے مترجم کو اپنی شخصیت کو کس طرح استعمال کرنا چاہیے؟

﴿۱۴﴾ مترجم کے لیے کونسی صفت محنت اور صبر کے ساتھ ترجمہ کرنے میں ضروری ہے؟

05.07 خلاصہ

ترجمہ ایک نہایت محنت طلب اور ذمہ دارانہ فن ہے جس میں مترجم کو الفاظ کے ساتھ ساتھ اصل متن کے معنی، احساس اور تہذیبی پس منظر کو بھی سمجھ کر دوسری زبان میں منتقل کرنا ہوتا ہے۔ ایک اچھے مترجم کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں زبانوں اصل اور ہدف پر مکمل عبور رکھتا ہو، محاورات اور قواعد سے واقف ہو اور ترجمے کے لیے فطری دلچسپی رکھتا ہو۔ قدیم ماہرین نے بھی مترجم کے لیے جن اوصاف پر زور دیا ہے، ان میں اصل مفہوم کی درست سمجھ، لفظی ترجمے سے پرہیز، بامحاورہ زبان کا استعمال اور صاف، واضح اور مؤثر تحریر شامل ہے۔ مترجم کے لیے لغات کا استعمال بھی نہایت اہم ہے، کیونکہ لغات الفاظ اور اصطلاحات کے صحیح استعمال میں مدد دیتی ہیں، جب کہ وسیع مطالعہ مترجم کے علم اور ذہنی پختگی میں اضافہ کرتا ہے۔

معیاری ترجمے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مترجم موضوع، مصنف اور اسلوب سے پوری طرح واقف ہو۔ مصنف کے دور، ماحول، ذہنیت اور طرزِ بیان کو سمجھے بغیر متن کی روح تک رسائی ممکن نہیں ہوتی۔ اسی لیے کامیاب مترجم اپنی شخصیت کو پسِ پشت ڈال کر مصنف کے انداز میں ڈھلنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ ترجمہ اصل تحریر کا سچا عکس بن سکے۔ ترجمہ صبر، محنت اور یکسوئی چاہتا ہے، اس لیے عجلت میں کیا گیا ترجمہ ہمیشہ کمزور اور غلطیوں سے بھرپور ہوتا ہے۔ چنانچہ حقیقی مترجم وہی ہے جو زبان دانی، فکری وسعت، ثقافتی شعور اور ایمانداری کے ساتھ متن کا ترجمہ کرے اور اصل تحریر کے معنی اور احساس کو پوری دیانت داری سے قاری تک پہنچائے۔

05.08 فرہنگ

استعارہ	: علامت، تشبیہ	مترادفات	: ہم معنی الفاظ
اصطلاحات	: کسی علم یا فن کے خاص اور مقررہ الفاظ	محویت	: پوری توجہ کے ساتھ مشغول ہونا
باریک بیں	: گہری نظر والا، ہر پہلو سمجھنے والا	محیطِ علم	: علم کا دائرہ، معلومات کا دائرہ
بصیرت	: گہری سمجھ، اندرونی ادراک	محنت طلب	: زیادہ محنت مانگنے والا
تاثر	: اثر، ذہن پر پڑنے والی کیفیت	مناسب متبادل	: درست بدل، صحیح لفظ کی جگہ دوسرا لفظ
تہذیبی پس منظر	: ثقافتی بنیاد، معاشرتی پس منظر	مہارت	: قابلیت، کمال، ہنر
تہذیبی فضا	: ثقافتی ماحول، معاشرتی رنگ	نزاکتیں	: باریکیاں، لطیف پہلو
حسنِ متن	: تحریر کی خوب صورتی	لطافتوں	: نرمی، نزاکت، باریکیاں
دراصل	: حقیقت میں، واقعی	لفظی ترجمہ	: حرف بہ حرف ترجمہ، بغیر معنی بدلے الفاظ کا بدل
درشت	: سخت، کھردرا، غیر مناسب	موضوعاتی فرہنگ	: مخصوص موضوع کی لغت
ذہنی صلاحیتیں	: دماغی قوتیں، سوچنے سمجھنے کی طاقت	نحوی ساخت	: گرامر، جملے بنانے کے قواعد
رغبت	: چاہت، دل چسپی	نفیس	: عمدہ، باریک مزاج

فطری لگاؤ	:	قدرتی رغبت، پیدائشی میلان	وسیع النظر	:	کھلے خیالات والا، دوراندیش
فکری رجحانات	:	سوچ کے میلان، ذہنی سمتیں	وفاداری	:	دیانت داری، اصلی معنی سے سچی پابندی
کنایہ	:	اشارہ، غیر صریح انداز	یکسوئی	:	توجہ کا مرکز بنانا، پوری توجہ دینا

05.09 نمونہ امتحانی سوالات

الف: درجِ ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰/۱۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : مترجم کے لیے اصل متن کو سمجھنا کیوں ضروری ہے؟

سوال نمبر۲ : مترجم کے لیے دونوں زبانوں پر عبور کیوں ضروری ہے؟

سوال نمبر۳ : مترجم کے لیے ثقافتی فہم کیوں اہم ہے؟

سوال نمبر۴ : ترجمہ کس طرح ایک ذہنی، علمی اور فنی عمل ہے؟

سوال نمبر۵ : مترجم کو کن اخلاقی اصولوں کا خیال رکھنا چاہئے؟

سوال نمبر۶ : اچھے مترجم کے لیے الفاظ کا منتخب استعمال کیوں ضروری ہے؟

ب: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰/۳۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : مترجم کے لیے مصنف کے اسلوب، دور، ذہنیت اور ماحول سے واقف ہونا کیوں ضروری ہے؟ اس کی وضاحت کریں۔

سوال نمبر۲ : قدیم ماہرین نے مترجم کے لیے کن خصوصیات پر زور دیا ہے؟ ان کی اہمیت آج کے دور میں بھی کیوں باقی ہے؟

سوال نمبر۳ : مترجم کے لیے زبان دانی اور دونوں زبانوں کی تہذیب سے واقفیت کیوں ضروری ہے؟

سوال نمبر۴ : لغات کے استعمال اور وسیع مطالعے کو مترجم کی بنیادی ضرورت کیوں کہا جاتا ہے؟

سوال نمبر۵ : اچھے مترجم کے لیے ایمانداری اور امانت کیوں ضروری صفات ہیں؟

معروضی سوالات

سوال نمبر۱ : ''دی لائل کونسلر'' کے مصنف کون تھے؟

(الف) کنگ ڈیوراٹ (ج) اتھین دولے

(ب) رچرڈ ہوپر (د) جان ڈرائیڈن

سوال نمبر۲ : کنگ ڈیوراٹ نے مترجم کی کتنی بنیادی خصوصیات بیان کیں؟

(الف) تین (ج) پانچ

(ب) چار (د) سات

سوال نمبر۳ : مترجم میں سب سے پہلی اور اہم ضرورت کیا ہے؟

(الف) شہرت (ج) اعلیٰ ڈگری

(ب) تیز رفتار لکھائی (د) فطری رغبت

سوال نمبر۴ : فطری مناسبت نہ ہونے پر ترجمہ کس چیز میں تبدیل ہو جاتا ہے؟

(الف) تحقیق (ج) نیا مضمون

(ب) لفظوں کی تبدیلی (د) نیا اسلوب

سوال نمبر۵ : کنگ ڈیوراٹ کے مطابق مترجم کو کس چیز سے گریز کرنا چاہیے؟

(الف) ناپسندیدہ اور درشت الفاظ سے (ج) ترجمے کی زبان سے

(ب) محاورات کے استعمال سے (د) اصل معنی کے فہم سید رست

سوال نمبر۶ : ڈاکٹر سہیل احمد خان کے مطابق ایک کامیاب مترجم کی اصل خوبی کیا ہے؟

(الف) تخلیقی تحریر (ج) لغت دیکھنے سے گریز

(ب) بار بار لغت سے رجوع کرنا (د) ایک ہی لغت پر انحصار درست

سوال نمبر۷ : ترجمہ اس وقت تک معیاری نہیں ہوسکتا جب تک مترجم

(الف) صرف زبان دانی رکھتا ہو (ج) جملے لمبے کردے

(ب) لغات استعمال نہ کرے (د) موضوع اور مصنف کے اسلوب سے واقف نہ ہو

سوال نمبر۸ : ڈاکٹر جمیل جالبی کے مطابق اچھے ترجمے کے لیے مترجم کو کیا کرنا چاہیے؟

(الف) اپنی شخصیت اور مزاج کو برقرار رکھنا (ج) اپنی شخصیت کو پسِ پشت ڈال کر مصنف کے مزاج میں داخل ہونا

(ب) محض لفظی ترجمہ کرنا (د) متن کی طویل وضاحت شامل کرنا

معروضی سوالات کے جوابات

جواب نمبر۱ : (الف) کنگ ڈیوراٹ

جواب نمبر۲ : (ج) پانچ

جواب نمبر۳ : (د) فطری رغبت

جواب نمبر۴ : (ب) لفظوں کی تبدیلی

جواب نمبر۵ : (الف) ناپسندیدہ اور درشت الفاظ سے

جواب نمبر۶ : (ب) بار بار لغت سے رجوع کرنا

جواب نمبر۷ : (د) موضوع اور مصنف کے اسلوب سے واقف نہ ہو

جواب نمبر۸ : (ج) اپنی شخصیت کو پسِ پشت ڈال کر مصنف کے مزاج میں داخل ہونا

05.10 حوالہ جاتی کتب

۱۔ ترجمے کا فن اور روایت از پروفیسر قمر رئیس

۲۔ ترجمہ کا فن از ڈاکٹر مرزا حامد بیگ

۳۔	فن ترجمہ نگاری	از	ڈاکٹر خلیق انجم
۴۔	ترجمہ: روایت اور فن، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد	از	نثار احمد قریشی
۵۔	روداد سیمینار، اُردو زبان میں ترجمے کے مسائل	از	اعجاز راہی
۶۔	انگریزی شاعری کے منظوم اُردو ترجموں کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ	از	ڈاکٹر حسن الدین احمد

05.11 اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

﴿۱﴾ کنگ ڈیورانٹ

﴿۲﴾ پرتگال

﴿۳﴾ واضح

﴿۴﴾ 1509–1546

﴿۵﴾ لفظی ترجمہ

﴿۶﴾ فطری لگاؤ

﴿۷﴾ ترجمہ

﴿۸﴾ زبانوں سے

﴿۹﴾ پانچ

﴿۱۰﴾ سولہویں صدی

﴿۱۱﴾ لغت

﴿۱۲﴾ موضوع

﴿۱۳﴾ پسِ پشت ڈالنا

﴿۱۴﴾ مستقل مزاجی

اکائی 06 تراجم اور اصطلاحات

ساخت

06.01 : اغراض و مقاصد

06.02 : تمہید

06.03 : ترجمہ: مفہوم، اہمیت اور اصطلاحات

06.04 : اصطلاحات اور ان کی اہمیت

06.05 : ترجمے اور اصطلاحات کے مسائل

06.06 : خلاصہ

06.07 : فرہنگ

06.08 : نمونہ امتحانی سوالات

06.09 : حوالہ جاتی کتب

06.10 : اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

06.01 اغراض و مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد طلباء یہ جان پائیں گے کہ ترجمہ صرف ایک زبان سے دوسری زبان میں لفظی تبدیلی کا عمل نہیں بلکہ ایک ثقافتی، سماجی اور ذہنی عمل ہے جس میں اصل خیال کی روح کو منتقل کرنا بنیادی مقصد ہوتا ہے۔ اکائی میں بیان کردہ صفات جیسے ایمانداری، وسیع مطالعہ، زبانوں پر گرفت، اصطلاحات کا درست استعمال اور فکری دیانت، طلباء کو ایک اچھے مترجم کی ضرورت کو سمجھنے میں مدد دیں گی۔ طلباء سمجھ سکیں گے کہ اصطلاح کوئی عام لفظ نہیں ہوتا بلکہ پوری علمی روایت کا نمائندہ ہوتا ہے، اس لیے اس کا ترجمہ کرتے وقت نہایت احتیاط اور فہم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اکائی میں دی گئی مثالیں خاص طور سے وہ مثالیں جو ترجمے کی غلطی سے مزاح پیدا کرتی ہیں۔ طلباء کو اس بات کی عملی سمجھ دیں گی کہ ایک غلط لفظ کیسے پورے مفہوم کو اُلٹ سکتا ہے۔

06.02 تمہید

اُردو زبان و ادب کی دنیا میں ترجمہ ایک نہایت باریک، ذمّے دار اور فکری محنت طلب عمل ہے۔ اس فن میں بظاہر الفاظ کی تبدیلی نظر آتی ہے، مگر دراصل ترجمہ اس ذہنی و فکری رابطے کا نام ہے جو دو مختلف زبانوں، تہذیبوں اور فکری روایتوں کو ایک دوسرے کے قریب لاتا ہے۔ جب مترجم کسی تحریر کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرتا ہے تو وہ صرف الفاظ کو تبدیل نہیں کرتا بلکہ خیالات کی تہہ میں اُتر کر پورے معنی، لہجے، فضا اور طرزِ بیان کو دوبارہ زندہ کرتا ہے۔ اس عمل میں مترجم سے جس درستی، ایمانداری اور بیداری کی ضرورت ہوتی ہے وہ عام تحریر سے

کہیں زیادہ ہے۔ زیرِ نظر اکائی میں ترجمے کی تفہیم، اس کے اصول، مترجم کی ذمّے داریاں، مناسب اصطلاحات کا انتخاب اور زبان کے وقار کو برقرار رکھنے کا طریقِ کار تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ اکائی بالخصوص ڈسٹینس ایجوکیشن کے طلباء کے لیے تیار کی گئی ہے تاکہ وہ ترجمہ نگاری کے بنیادی اصولوں کو آسان، رواں اور عملی انداز میں سمجھ سکیں۔ اس میں مختلف مثالیں ساتھ میں وہ مضحکہ خیز مثالیں جو ترجمے کی غلطی سے پیدا ہونے والی زبان کی گڑبڑ کو واضح کرتی ہیں بھی شامل کی گئی ہیں تاکہ سیکھنے کا عمل خشک نہ رہے اور طلباء کو دلچسپی بھی پیدا ہو۔

06.03 ترجمہ: مفہوم، اہمیت اور اصطلاحات

زبان کسی بھی معاشرے کے فکری ڈھانچے، تہذیبی رویوں، تاریخی تجربات اور روحانی اقدار کی سب سے شفاف تصویر ہوتی ہے۔ انسان جس ماحول میں سانس لیتا ہے، جس تہذیب کا حصّہ ہوتا ہے، جن جذبات، امیدوں، مایوسیوں، خواہشوں اور خوابوں سے گزرتا ہے۔ وہ سب مل کر اس کی زبان میں اتر آتے ہیں۔ یہی زبان جب اپنی حدود سے باہر نکل کر کسی دوسری زبان کے لوگوں تک پہنچتی ہے تو یہ سفر ترجمہ کہلاتا ہے جو بظاہر ایک لسانی عمل ہے مگر حقیقت میں تہذیبوں کا باہمی مکالمہ، فکری تبادلہ اور انسانی علم کا پُل ہے۔

ترجمہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ عرب تہذیب میں کسی شخص کی سوانح یا حالاتِ زندگی کو ''ترجمہ'' کہا جاتا تھا۔ اُردو میں بھی یہی مفہوم رائج ہوا مگر زیادہ معروف نہیں ہو سکا۔ ترجمہ کا تلفظ اوّل وسوم مفتوح ہے، اگرچہ کہیں کہیں مضموم بھی سنائی دیتا ہے۔ انگریزی میں اسے Translation اور ترجمہ کرنے والے کو Translator کہتے ہیں۔ ترجمہ بنیادی طور پر ایک زبان سے دوسری زبان میں مواد کی منتقلی ہے جو ترسیلِ علم کا مؤثر ذریعہ بنتا ہے۔

کسی معاشرے میں پائے جانے والے باہمی امتیازات اور سماجی تجربات زبان میں تبدیلیاں پیدا کرتے ہیں۔ ہماری خواہشیں، جذبات، احساسات، خیالات اور فیصلے جب تحریری یا بیانی صورت اختیار کرتے ہیں تو وہ ہمارے ذہنی و داخلی کیفیات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ایک زبان میں محفوظ علم وفنون، شعروادب اور سائنسی ذخائر جب کسی دوسری زبان میں منتقل کیے جاتے ہیں تو اسے ترجمہ اور تقریری صورت میں ترجمانی کہا جاتا ہے۔ ترجمے کے ذریعے زبان وادب ترقی پاتا ہے اور ابتدا کے سپاٹ ترجمے رفتہ رفتہ پختگی اختیار کر لیتے ہیں۔ اس پختگی میں اصطلاحات کے استعمال نے بڑی اہمیت حاصل کی ہے، جن کی بدولت ترسیل میں اختصار، وضاحت اور حسنِ اظہار پیدا ہوتا ہے۔

انسانی علوم کی وسعت اور سائنسی دریافتوں کے فروغ میں ترجمے نے ہمیشہ کلیدی کردار ادا کیا ہے، اسی لیے ترجمے کو ''مفتاح العلوم'' یعنی علم کی کنجی کہا جاتا ہے۔ ترجمہ مشکل اس لیے ہے کہ ایک لفظ کا صرف لغوی معنی کافی نہیں ہوتا؛ اس کے پیچھے ماحول، تہذیب، مزاج، موقع اور سیاق بھی چھپا ہوتا ہے۔ چوں کہ ترجمہ ایک نازک عمل ہے، اس کے لیے دونوں زبانوں پر عبور، موضوع کی سمجھ، قواعد ولسانی نزاکتوں اور ثقافتی پس منظر سے آگاہی ضروری ہے۔ اگر مترجم ان پہلوؤں کو نظر انداز کر دے تو مفہوم کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ تحریری ترجمے میں غلطی کا امکان زیادہ اس لیے ہوتا ہے کہ ہر زبان اپنی مخصوص ترکیب رکھتی ہے۔ اُردو میں جذبات کی لچک، محاوروں کی روانی اور تشبیہات کی نزاکت بہت اہم ہیں جب کہ انگریزی میں جملوں کی ترتیب اور معنوی ساخت مختلف ہوتی ہے۔ مترجم کو دونوں کے مزاج سے واقف ہونا ضروری ہے تاکہ ترجمہ رواں بھی رہے اور اصل مفہوم بھی برقرار رہے۔ محض لفظی ترجمہ مقصد کو کھو دیتا ہے اور اکثر مضحکہ خیز صورت اختیار کر لیتا ہے۔ معانی، سیاق،

مقصد اور فکری پس منظر کی منتقلی ہی حقیقی ترجمہ ہے، جیسے Outstanding Scientists کا درست ترجمہ ''ممتاز سائنس داں'' ہے نہ کہ ''باہر کھڑے ہوئے سائنس داں''۔ اسی طرح ''میرا دل باغ باغ ہو گیا'' کا لفظی ترجمہ My heart became garden and garden ترجمہ نہیں، بلکہ محاورے کی غلط فہمی ہے۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:

﴿۱﴾ ترجمہ کا انگریزی نام کیا ہے؟

﴿۲﴾ ترجمہ کو کس اصطلاح سے ''علم کی کنجی'' کہا گیا ہے؟

﴿۳﴾ ''ممتاز سائنس داں'' کس انگریزی ترکیب کا درست ترجمہ ہے؟

06.04 اصطلاحات اور ان کی اہمیت

کسی بھی زبان میں الفاظ کے ساتھ اصطلاحات کو خاص مقام حاصل ہے۔ علوم و فنون کے اظہار کے لیے اصطلاحات بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ اصطلاح دراصل کسی علمی یا فنی حلقے میں کسی لفظ کو اس کے لغوی معنی سے ہٹ کر ایک خاص معنی میں استعمال کرنے کا نام ہے، جیسے ''حرف''، ''فقہ''، ''تخلص''، ''تقطیع'' وغیرہ۔ یہ الفاظ اپنے اصل معنی رکھنے کے باوجود اپنے علمی دائرے میں مخصوص و متعین معنی ادا کرتے ہیں۔ اصطلاح کبھی مفرد اور کبھی مرکب ہوتی ہے۔ اُردو میں ''صرف'' لسانیات کی اصطلاح ''صرفیات'' (Morphology) کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ اصطلاح سازی ایک علمی اور منظم عمل ہے، جس میں صوتی، نحوی اور معنوی مناسبت ضروری ہے۔ اصطلاحات میں سنجیدگی، وقار اور معنی کی پوری صلاحیت ہونی چاہیے۔

ترجمے کے دوران سب سے مشکل مرحلہ اصطلاحات کے مترادفات تیار کرنا ہوتا ہے۔ جدید علوم کی رفتار کے مطابق نئی اصطلاحات وضع کرنا ناگزیر ہے۔ اصطلاح سازی کے چند بنیادی اصول یہ ہیں:

- اصطلاح مختصر، جامع اور کامل مفہوم ادا کرنے والی ہو۔
- عربی، فارسی، سنسکرت اور ہندی کے موزوں الفاظ اُردو کے مزاج کے مطابق اختیار کیے جائیں۔
- ایسے مرکبات بنائے جائیں جو صوتی ہم آہنگی رکھتے ہوں، جیسے صورت نگاری، عبادت گاہ، کلاونت۔
- سابقوں اور لاحقوں کے ذریعے موزوں الفاظ بنائے جائیں، جیسے خشمگیں، پائمال، برقانا، قومیانا۔
- مقبول عام انگریزی الفاظ اصل صورت میں استعمال کیے جائیں جہاں مناسب ہوں، جیسے جج، پولیس، موٹر۔
- ہندی کے ہم مزاج الفاظ بے تکلف شامل کیے جائیں، جیسے گھروندا، کٹوتی، جوٹ۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:

﴿۴﴾ اصطلاح بنیادی طور پر کس چیز کے لیے استعمال ہوتی ہے؟

﴿۵﴾ ''صرفیات'' کس شعبے کی اصطلاح ہے؟

﴿۶﴾ اصطلاح سازی میں کس چیز کی ہم آہنگی ضروری ہے؟

06.05 ترجمے اور اصطلاحات کے مسائل

اصطلاح فہم اور اس کا درست ترجمہ ایک نہایت حساس مرحلہ ہے۔ غلط فہمی کا معمولی امکان بھی مفہوم بگاڑ سکتا ہے۔ تاریخی مثالوں سے ظاہر ہے کہ لغزش مترجم کی ساکھ کو متاثر کر دیتی ہے، جیسے ''وہ راتوں رات سٹک گئے'' جیسا استعمال جو موقع محل کے خلاف تھا۔ مختلف علوم مذہبی، علمی، ادبی اور صحافتی میں اصطلاحات کا مزاج مختلف ہوتا ہے، اس لیے مترجم کو ہر فن کی اصطلاحات کا خاص علم ہونا ضروری ہے۔

﴿۱﴾ مذہبی تراجم :

مذہبی ترجمے سب سے زیادہ حساس نوعیت رکھتے ہیں۔ یہاں مترادفات کا درست انتخاب، زبان کی حد بندیوں کا لحاظ اور تہذیبی نزاکت لازمی ہے۔ معمولی لفظی غلطی بھی مفہوم کو مجروح کر سکتی ہے۔ مذہبی تراجم میں احتیاط، تہذیبی حساسیت اور اصطلاحی صحت بنیادی شرطیں ہیں۔ مترجم کو عربی اور فارسی کے ذخیرۂ الفاظ سے مدد لینی پڑتی ہے کیوں کہ مذہبی مزاج کی ادائیگی انہی زبانوں سے وابستہ ہے۔ ذراسی لغزش معنی ومقصد کو مجروح کر سکتی ہے۔

﴿۲﴾ علمی تراجم :

علمی تراجم میں سائنسی موضوعات کے لیے موزوں اصطلاحات کا انتخاب یا تخلیق اہم ہے اور ہر اصطلاح کو ایک خاص شان و وقار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے مفہوم کا پورا بار اٹھا سکے۔ سائنسی اور فنی مضامین کے تراجم میں اصطلاحات کی صحت اولین شرط ہے۔ ہر علم کی اپنی اصطلاحات ہوتی ہیں جن کا دوسرے علوم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً لسانیات کی اصطلاح ''صوتیات'' کو قواعد کے باب میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔

﴿۳﴾ ادبی تراجم :

ادبی تراجم، خصوصاً منظوم تراجم، سب سے نازک اور پیچیدہ ہوتے ہیں، کیوں کہ ان میں جذبات، نغمگی، آہنگ، استعارے، تشبیہیں، کنایے اور علامتیں اس طرح پیوست ہوتی ہیں کہ دوسری زبان میں ان کی مکمل منتقلی بہت مشکل ہوتی ہے۔ بعض عناصر کی قربانی دینی پڑتی ہے، مگر اصل روح، تاثر اور حسنِ بیان برقرار رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ نثری ترجمہ نسبتاً آسان جب کہ منظوم ترجمہ نہایت کٹھن کام ہے۔ بعض جذباتی باریکیاں دوسری زبان میں منتقل نہیں ہو سکتیں۔

﴿۴﴾ صحافتی تراجم :

صحافتی تراجم میں سب سے اہم شرط وضاحت، سلاست اور سرعتِ فہم ہے۔ اخباری مضامین کے تراجم میں مترجم کو سیاست، معاشرت، قانون، کھیل اور سماجی مسائل کی تازہ ترین اصطلاحات سے واقف ہونا چاہیے، کیوں کہ صحافت روزمرہ کی زندگی سے قریب تر ہے۔ اسی درجہ کی روانی اور سادگی نے اُردو زبان کو کئی نئے الفاظ دیے اور اظہار کے نئے طریقے متعارف کیے۔ یہی وجہ ہے کہ صحافتی ترجمے نے زبان میں تازگی، قوتِ بیان اور حقیقت نگاری کے رجحانات میں اضافہ کیا۔

بالآخر یہ حقیقت مسلم ہے کہ زبان کا تہذیب اور ثقافت سے گہرا تعلق ہے۔ ترجمہ نہ صرف علم کی توسیع کرتا ہے بلکہ زبان کو نئی توانائی، نئے الفاظ اور نئی جہتیں فراہم کرتا ہے۔ ہماری تہذیب، ادبی روایت اور علمی ورثے کی ترقی میں ترجمے نے ہمیشہ بنیادی کردار ادا کیا

ہے۔ترجمہ صرف ایک زبان سے دوسری زبان میں عبارت منتقل کرنا نہیں بلکہ معنی، تہذیب، احساس، سیاق اور ربط کو منتقل کرنا ہے۔مترجم دراصل دو دنیاؤں کے درمیان رابطہ کار ہے۔ترجمہ جتنا درست اور بامعنی ہوگا، علم اتنی ہی تیزی سے ایک ذہن سے دوسرے ذہن تک منتقل ہو سکے گا۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:

﴿۷﴾ صحافتی تراجم میں سب سے اہم وصف کیا ہے؟

﴿۸﴾ کون سا ترجمہ سب سے زیادہ نازک اور پیچیدہ ہے؟

﴿۹﴾ مذہبی تراجم میں بنیادی ضرورت کیا ہے؟

06.06 خلاصہ

یہ اکائی ''تراجم اور اصطلاحات''، ترجمہ نگاری کے بنیادی اور فنی پہلوؤں کو ایک جامع، سہل اور عملی انداز میں بیان کرتی ہے۔اس میں واضح کیا گیا ہے کہ ترجمہ محض لفظی تبدیلی نہیں بلکہ ایک فکری اور تہذیبی ذمہ داری ہے۔مترجم سے نہ صرف دو زبانوں پر مضبوط گرفت ضروری ہے بلکہ اسے موضوعِ علم، ثقافت، محاورے اور گفتگو کے پس منظر کا بھی شعور ہونا چاہیے۔مترجم کا اصل کام یہ ہے کہ وہ مصنف کے اصل خیال کو بغیر بگاڑ اور بناوٹ کے قارئین تک پہنچائے۔اکائی میں یہ بات بھی واضح کی گئی ہے کہ درست اصطلاح کا انتخاب کسی بھی ترجمے کی کامیابی کے لیے بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتا ہے، کیوں کہ اصطلاح صرف لفظ نہیں بلکہ علم کی عمارت کا ستون ہوتی ہے۔مجموعی طور پر یہ اکائی طلباء کو ترجمہ نگاری کے فنی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ ان عملی نکات سے بھی روشناس کراتی ہے جو انہیں بہتر مترجم بننے میں مدد دیتے ہیں۔یہ اکائی نہایت رواں، واضح، تفصیلی اور آسان زبان میں مرتب کی گئی ہے تاکہ ہر طالب علم بآسانی اسے سمجھ سکے اور عملی زندگی میں اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

06.07 فرہنگ

اختصار	: کم لفظوں میں مکمل معنی	صرفیات	: الفاظ کی ساخت کا علم (Morphology)
استعارے	: تشبیہی مگر غیر حقیقی مفہوم والے الفاظ	صوتی مناسبت	: آوازوں کا ہم آہنگ ہونا
اصطلاحات	: کسی علم میں مخصوص معنی رکھنے والے الفاظ	علامتیں	: رمزی اشکال یا معنی
اصطلاح فہم	: اصطلاح کو سمجھنے کی صلاحیت	عمارت کا ستون	: بنیاد، اہم ترین حصہ
امتیازات	: اختلافات، نمایاں فرق	عملی نکات	: قابلِ استعمال اصول یا رہنما باتیں
امیدیں	: توقعات، روشن خواہشیں	فکری تبادلہ	: خیالات کا باہم اشتراک
باہمی مکالمہ	: دو فریقوں کا فکری و تہذیبی تبادلہ	فکری ڈھانچہ	: ذہنی ساخت، سوچنے کے نظام کی بنیاد
بگاڑ	: تبدیلی یا خرابی	فقہ	: اسلامی قانون کا علم

بیانی صورت : زبانی یا بیانیہ انداز
پختگی : تکمیل، مہارت، بلوغت
تازہ ترین : حالیہ، جدید
تجربات : مشاہدے سے حاصل شدہ عملی واقعات
تحریری صورت : لکھا ہوا اظہار
تخلص : شاعر کا ادبی نام
ترتیبِ جملہ : الفاظ کی ساخت اور ان کی ترتیب
ترجمہ : ایک زبان سے دوسری زبان میں معنی کی منتقلی
تقطیع : شعر کی بحر یا وزن کا تعین
توسیعِ علم : علم میں اضافہ
تہذیبی رویے : کسی قوم کے معاشرتی اور اخلاقی اطوار
ثقافتی پس منظر : تہذیبی و معاشرتی ماحول
جہتیں : پہلو، رخ
حسنِ اظہار : خوبصورت اور مؤثر اندازِ بیان
حقیقت نگاری : حقیقت پر مبنی اندازِ بیان
خواہشیں : تمنائیں، چاہتیں
ذہنی و داخلی کیفیات : انسان کے اندرونی جذبات و احساسات
رواں : بہاؤ کے ساتھ، سہل
روحانی اقدار : باطنی، اخلاقی اور معنوی اصول
ساکھ : وقار، بھروسہ
سائنسی ذخائر : سائنسی علوم کا مجموعہ
سپاٹ : بے رنگ، سادہ اور غیر فنی
سرعتِ فہم : جلد سمجھ لینے کی صلاحیت
سلاست : روانی اور آسانی
سیاق : جملے یا عبارت کا پس منظر
شفاف تصویر : بالکل واضح اور حقیقی نمائندگی
کنایے : بالواسطہ اور اشارتی معنی
لاحقے : آخر میں لگنے والے اضافی حصے
لسانی عمل : زبان سے متعلق طریقِ کار
لغزش : غلطی، خطا
لغوی معنی : لفظ کا بنیادی یا ڈکشنری مفہوم
لفظی ترجمہ : محض لفظ بہ لفظ ترجمہ
مایوسیاں : نا اُمیدیاں، دل برداشتگی
مترادفات : ہم معنی الفاظ
مزاج : طبیعت، چلن یا طبعی ساخت
مصنف : کسی تحریر کا لکھاری
مضحکہ خیز : ہنسی کا باعث، مضحک
معنوی ساخت : معنی کی بناوٹ اور تنظیم
معنوی مناسبت : معنی کے لحاظ سے مناسبت
مفتاح العلوم : علوم کی کنجی یا دروازہ
منظوم ترجمہ : شاعرانہ طرز پر کیا گیا ترجمہ
مؤثر ذریعہ : کارآمد، قابلِ عمل وسیلہ
موزوں الفاظ : مناسب اور درست الفاظ
موقع محل : مناسب یا درست جگہ
ناگزیر : ضروری، لازم
نحوی مناسبت : جملے کی ترکیب سے مطابقت
نزاکت : نرمی، باریکی
نزاکتیں : باریکیاں، نازکی
نغمگی : موسیقیت، آہنگ
وضاحت : صاف اور واضح بیان
وضاحتی اسلوب : صاف اور کھلے انداز میں بیان
وقار : سنجیدگی اور احترام

06.08 نمونہ امتحانی سوالات

الف: درجِ ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰/۱۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : ترجمہ کو ''مفتاح العلوم'' کیوں کہا جاتا ہے؟

سوال نمبر۲ : اصطلاحات ترجمے میں کیا کردار ادا کرتی ہیں؟

سوال نمبر۳ : ترجمے میں لفظی ترجمہ ہمیشہ ناکام کیوں ہوتا ہے؟

سوال نمبر۴ : ایک اچھا مترجم متن کی اصطلاحات، تہذیبی پس منظر اور معنوی فضا کو کس طرح سمجھتا اور منتقل کرتا ہے؟

ب: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰/۳۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : ترجمہ کیا ہے اور اس عمل میں اصطلاحات کی اہمیت کیوں بنیادی کردار ادا کرتی ہے؟

سوال نمبر۲ : مترجم کی سب سے بڑی غلطیاں کون سی ہیں، اور ان سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟

سوال نمبر۳ : ادبی ترجمے کو سائنسی ترجمے سے زیادہ مشکل کیوں سمجھا جاتا ہے؟

سوال نمبر۴ : مترجم کے لیے دونوں زبانوں پر عبور کیوں ضروری ہے؟

معروضی سوالات

سوال نمبر۱ : ''ترجمہ'' بنیادی طور پر کس عمل کو کہتے ہیں؟

(الف) نئی زبان ایجاد کرنا (ج) زبان کے قاعدے بنانا

(ب) ایک زبان سے دوسری زبان میں مواد منتقل کرنا (د) کسی لفظ کی املا بدل دینا

سوال نمبر۲ : ''My heart became garden and garden'' کس چیز کی مثال ہے؟

(الف) درست لفظی ترجمہ (ج) غلط لفظی ترجمہ

(ب) درست محاوراتی ترجمہ (د) علمی اصطلاح

سوال نمبر۳ : اصطلاح کی درست تعریف کیا ہے؟

(الف) لفظ کو لغوی معنی سے ہٹا کر خاص معنی میں استعمال کرنا (ج) لفظ کا شعری استعمال

(ب) زبان کے محاوروں کا استعمال (د) صوتی تبدیلی پیدا کرنا

سوال نمبر۴ : ذیل میں سے کون سا لفظ اصطلاح سازی کے اصولوں کے مطابق صوتی ہم آہنگی رکھنے والا مرکب ہے؟

(الف) فقہ (ج) موٹر

(ب) جوٹ (د) صورت نگاری

سوال نمبر۵ : ادبی تراجم میں سب سے بڑا مسئلہ کس چیز کی منتقلی میں پیش آتا ہے؟

(الف) جذبات، نغمگی اور آہنگ (ج) سائنسی تعریفیں

(ب) قانونی اصطلاحات (د) صحافتی زبان کی روانی

سوال نمبر۶ : صحافتی تراجم میں مترجم کو سب سے زیادہ کس چیز سے واقف ہونا ضروری ہے؟

(الف) صرف کلاسیکی شعری تلازمات (ج) صرف مذہبی زبان

(ب) جدید سائنسی نظریات (د) سیاست، معاشرت اور قانون کی تازہ اصطلاحات

معروضی سوالات کے جوابات

جواب نمبر۱ : (ب) ایک زبان سے دوسری زبان میں مواد منتقل کرنا جواب نمبر۴ : (د) صورت نگاری

جواب نمبر۲ : (ج) غلط لفظی ترجمہ جواب نمبر۵ : (الف) جذبات، نغمگی اور آہنگ

جواب نمبر۳ : (الف) لفظ کو لغوی معنی سے ہٹا کر خاص معنی میں استعمال کرنا جواب نمبر۶ : (د) سیاست، معاشرت اور قانون کی تازہ اصطلاحات

06.09 حوالہ جاتی کتب

۱۔ ترجمے کا فن اور روایت از پروفیسر قمر رئیس

۲۔ ترجمہ کا فن از ڈاکٹر مرزا حامد بیگ

۳۔ فن ترجمہ نگاری از ڈاکٹر خلیق انجم

۴۔ ترجمہ: روایت اور فن، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد از نثار احمد قریشی

۵۔ اُردو اصطلاحات سازی از عطش درّانی

۶۔ اُردو اصطلاحات سازی از ابو سلمان شاہ جہاں پوری

۷۔ اصول وضع اصطلاحات از وحید الدین سلیم

۸۔ روداد سیمینار، اُردو زبان میں ترجمے کے مسائل از اعجاز راہی

۹۔ انگریزی شاعری کے منظوم اُردو ترجموں کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ از ڈاکٹر حسن الدین احمد

06.10 اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

﴿۱﴾ Translation

﴿۲﴾ مفتاح العلوم

﴿۳﴾ Outstanding Scientists

﴿۴﴾ خاص معنی

﴿۵﴾ لسانیات

﴿۶﴾ صوتی ہم آہنگی

﴿۷﴾ وضاحت/سلاست

﴿۸﴾ ادبی ترجمہ/منظوم ترجمہ

﴿۹﴾ تہذیبی حساسیت/اصطلاحی صحت

اکائی 07 اُردو کے علمی وفنی ترجمہ کے ادارے

ساخت

07.01 : اغراض ومقاصد
07.02 : تمہید
07.03 : اُردو کے علمی وفنی ترجمے کے ادارے
07.04 : فورٹ ولیم کالج میں علمی وفنی تراجم
07.05 : فورٹ سینٹ جارج کالج میں علمی وفنی تراجم
07.06 : دارالترجمہ شمس الامرا میں علمی وفنی تراجم
07.07 : نوابینِ اودھ کے زیر اہتمام علمی وفنی تراجم
07.08 : سائنٹفک سوسائٹی میں علمی وفنی تراجم
07.09 : مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دارالترجمہ میں علمی وفنی تراجم
07.10 : دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں علمی وفنی تراجم
07.11 : قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان میں علمی وفنی تراجم
07.12 : مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی میں علمی وفنی تراجم
07.13 : نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ (این سی ای آرٹی) میں علمی وفنی تراجم
07.14 : خلاصہ
07.15 : فرہنگ
07.16 : نمونہ امتحانی سوالات
07.17 : حوالہ جاتی کتب
07.18 : اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

07.01 اغراض ومقاصد

اس یونٹ کا بنیادی مقصد طلباء کو اُردو کے علمی وفنی ترجمے کی تاریخی، ادبی اور عملی روایت سے روشناس کرانا ہے۔ اس یونٹ کے ذریعے طلباء یہ سمجھ سکیں گے کہ اُردو زبان میں علمی وفنی تراجم کی ضرورت کیسے محسوس ہوئی اور مختلف ادوار میں کن اداروں اور اہلِ علم نے اس کارِ خیر کو آگے بڑھایا۔ اس یونٹ کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ طلباء ترجمے کی اُن اصولی بنیادوں سے واقف ہوں جن پر علمی اور فنی متون کا ترجمہ کیا جاتا ہے، مثلاً سادہ اور واضح زبان، اصطلاحات کا درست انتخاب اور اصل مفہوم کی حفاظت۔

مزید یہ کہ اس یونٹ کے مطالعے سے طلباء کو قدیم دَور سے لے کر موجودہ زمانے تک علمی ترجمے کی مکمل تاریخ کا علم ہو جاتا ہے۔ خصوصاً انہیں فورٹ ولیم کالج، فورٹ سینٹ جارج کالج، دارالترجمہ شمس الامرا، دہلی کالج، سائنٹفک سوسائٹی، مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دارالترجمہ، جامعہ عثمانیہ اور دیگر قومی اداروں کے کردار کا ادراک ہوتا ہے۔ اس طرح یہ یونٹ سیکھنے والوں میں یہ شعور پیدا کرتا ہے کہ دینی، ادبی، تاریخی اور سائنسی علوم کی ترقی میں ترجمے کا کیا حصّہ ہے اور آج بھی زبانوں کے درمیان علمی تبادلے کی کتنی اہمیت ہے۔

07.02 تمہید

ترجمہ انسانی تہذیب کا ایک نہایت قدیم اور بنیادی عمل ہے۔ جب کوئی قوم دوسری قوم کے علم و تجربے سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے تو ترجمہ ہی وہ ذریعہ ہے جو نئے خیالات اور علوم کی ترسیل کو ممکن بناتا ہے۔ اُردو زبان میں ترجمے کی روایت اس وقت سے موجود ہے جب یہ زبان ابھی ابتدائی دَور سے گزر رہی تھی۔ ابتدا میں مذہبی موضوعات کے تراجم کیے گئے، لیکن وقت کے ساتھ احساس ہوا کہ اگر سائنسی، فنی اور ادبی علوم کو بھی اُردو میں منتقل نہ کیا گیا تو اُردو دان طبقہ ترقی کی دَوڑ میں پیچھے رہ جائے گا۔

جدید سائنسی دَور میں علوم و فنون کا ذخیرہ بے پناہ بڑھا اور ساتھ ہی ان کی مخصوص اصطلاحات بھی سامنے آئیں۔ اس لئے یہ ضروری ہوا کہ ایسے مترجم سامنے آئیں جو اصل مفہوم کی حفاظت کرتے ہوئے سادہ اور قابلِ فہم زبان میں علمی کتابیں اُردو میں منتقل کریں۔ یوں ترجمے کی روایت ابتدا میں انفرادی کوششوں سے آگے بڑھی اور پھر مختلف اداروں کے قیام نے اُردو میں علمی ترجمے کو ایک نئی سمت عطا کی۔ انہی اداروں کی بدولت اُردو زبان میں تاریخ، سائنس، فلسفہ، طب، ریاضی اور سماجی علوم کی بے شمار کتابیں منتقل ہوئیں، جنھوں نے اہلِ اُردو کے علمی دائرے کو وسیع کیا۔

07.03 اُردو کے علمی و فنی ترجمے کے ادارے

اُردو زبان کی علمی و فنی بنیادوں کو مضبوط بنانے میں ترجمے کا کردار ہمیشہ مرکزی رہا ہے۔ کسی بھی زبان کی مقبولیت اور بقا اس بات پر منحصر ہوتی ہے کہ اس میں علوم و فنون کا ذخیرہ کتنا وسیع اور ہمہ گیر ہے۔ اگر ایک زبان میں سائنسی، فنی، معاشرتی اور فکری موضوعات پر معیاری کتابیں موجود نہ ہوں تو اس کے بولنے والے قوموں کی دَوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اُردو کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا کہ ابتدا میں علمی و فنی کتابیں نہ ہونے کے برابر تھیں، اس لیے یہ ضرورت شدّت سے محسوس کی گئی کہ دوسری زبانوں خصوصاً انگریزی، عربی اور فارسی کی معیاری علمی تحریروں کو اُردو میں منتقل کیا جائے تاکہ اُردو داں طبقہ عالمی ترقی کے سفر میں شامل ہو سکے۔

جدید سائنسی ترقیات نے علوم کے ذخیرے میں بے پناہ اضافہ کیا ہے اور ہر نئے علم کے ساتھ مخصوص اصطلاحات بھی وجود میں آتی جاتی ہیں۔ اُردو میں ترجمے کے وقت ایک بنیادی اصول یہ رکھا گیا کہ اگر کسی سائنسی یا فنی لفظ کا اُردو مترادف موجود نہ ہو، اور انگریزی اصطلاح عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی ہو، تو اس کے لیے نیا لفظ گھڑنے کی کوشش کے بجائے وہی انگریزی لفظ جوں کا توں استعمال کر لیا جائے۔ اس سے ایک طرف مفہوم ناقص نہیں رہتا اور دوسری طرف قاری کے لیے مواد سمجھنا سہل ہو جاتا ہے۔

علمی ترجمہ زیادہ تر لفظی نوعیت کا ہوتا ہے، کیوں کہ علمی تحریریں ادبی اسالیب کی نسبت کم پیچیدہ ہوتی ہیں۔ یہاں زور یہ ہوتا ہے کہ زبان سادہ، واضح اور رواں ہو تاکہ علم حاصل کرنے والا طالبِ علم اصل مفہوم تک آسانی سے پہنچ سکے۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر اُردو میں ترجمہ

کاری کا سلسلہ زبان کے ابتدائی ادوار ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ پہلے مذہبی موضوعات کے ترجمے ہوئے، پھر رفتہ رفتہ احساس ہوا کہ سائنسی، فنی، تاریخی، معاشرتی اور فلسفیانہ کتابوں کو بھی اُردو میں منتقل کیا جانا ضروری ہے۔ اسی ضرورت کے تحت مختلف ادارے قائم ہوئے جنھوں نے باضابطہ طور پر علمی و فنی ترجمے کے کام کو آگے بڑھایا، جیسے فورٹ ولیم کالج، فورٹ سینٹ جارج کالج اور دِلّی کالج۔ اس کے بعد مہاراجہ رنبیر سنگھ، نوابین اَودھ اور حیدرآباد کے شمس الامرا نے بھی علمی ترجمے کی سرپرستی کی۔ سرسید احمد خاں کی سائنٹفک سوسائٹی نے اس سلسلے کو ایک نئے دَور میں داخل کیا اور کئی اہم علمی کتابوں کا ترجمہ کروایا۔

جامعہ عثمانیہ کے دارالترجمہ نے تو گویا ترجمے کی دنیا میں ایک تاریخ رقم کر دی۔ یہاں طلباء کی ضرورتیں مدنظر رکھتے ہوئے 426 اہم کتابوں کے ترجمے کیے گئے، جو اُردو علمی ذخیرے کا ایک عظیم سرمایہ ہیں۔ موجودہ دَور میں بھی یہ سلسلہ برقرار ہے۔ انجمن ترقی اُردو، این سی ای آر ٹی، نیشنل بک ٹرسٹ، دہلی اکیڈمی، قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان اور مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی جیسے ادارے انگریزی اور دوسری زبانوں سے علمی و فنی کتابیں مسلسل اُردو میں منتقل کر رہے ہیں۔

علم اپنی مادری زبان میں پڑھا جائے تو اس کی تفہیم نہ صرف آسان بلکہ مؤثر بھی ہو جاتی ہے۔ ہر شخص دوسری زبان نہیں جانتا اور اگر کوئی اہم علم اجنبی زبان میں ہو تو اس کا سمجھنا عام لوگوں کے لیے ممکن نہیں رہتا۔ تاہم انسانوں میں ہمیشہ ایسے افراد موجود رہے ہیں جو کئی زبانوں سے واقف ہوتے ہیں اور اپنی معلومات دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ اسی جذبے کے تحت ترجمہ دنیا کی قدیم ترین علمی روایات میں شامل ہے۔ عربوں نے اس سلسلے میں نہایت شاندار خدمات انجام دیں۔ خلافتِ عباسیہ کے دَور میں ترجمہ کاری حکومت کی سرپرستی میں باقاعدہ تحریک کی شکل اختیار کر گئی۔ بغداد کے عظیم کتب خانوں میں دنیا بھر سے کتابیں جمع کی جاتی تھیں اور تیزی سے عربی میں منتقل کی جاتی تھیں۔ یونانی، سنسکرت اور دُنیا کی دیگر زبانوں کی بہترین کتابوں کا ترجمہ ہوا، جس کے نتیجے میں عرب قوم غیر معمولی ترقی کی منزلیں طے کرنے لگی۔

منگولوں کے حملے نے اس علمی سرمایہ کو شدید نقصان پہنچایا، مگر جو کتابیں بچ گئیں، یورپ نے ان سے بھرپور استفادہ کیا اور عربی سے ترجمہ کر کے اپنے علمی سفر کو نئی جہت دی۔ آج یورپ اور امریکہ کی ترقی اسی سلسلے کا تسلسل ہے، جہاں غیر ملکی علوم کے تراجم نے تحقیق اور ایجادات کی بنیاد فراہم کی۔

اُردو میں ترجمے کی روایت بھی بہت پرانی ہے۔ سب سے پہلا ترجمہ میراں جی خدا نما کا ہے جنھوں نے تمہیداتِ ہمدانی کو دکنی اُردو میں منتقل کیا۔ اس کے بعد سب رس اور دیگر کتابوں کی نسبت پر بحث ملتی ہے، لیکن تحقیق کے مطابق سب رس کو ترجمہ نہیں کہا جا سکتا اگرچہ اس کا بنیادی خیال تاج الحقائق سے اخذ کیا گیا تھا۔ علمی ترجمے کے سلسلے میں دوسرا بڑا کام میراں جی یعقوب نے کیا جنھوں نے شمائل الاتقیا کا ترجمہ 1673ء میں مکمل کیا۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ قادری نے بھی اہم تصوفی کتابوں کا ترجمہ کیا۔

یہ سب شخصی کوششیں تھیں، مگر جب باضابطہ ادارے قائم ہوئے تو علمی و فنی ترجمے کی رفتار میں بے پناہ تیزی آئی۔ ذیل میں ایسے ہی اداروں کے نام درج کیے جا رہے ہیں جنھوں نے اُردو علمی ذخیرے کی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کیا:

﴿۱﴾ فورٹ ولیم کالج میں علمی وفنی تراجم

﴿۲﴾ فورٹ سینٹ جارج کالج میں علمی وفنی تراجم

﴿۳﴾ دارالترجمہ شمسُ الامرا میں علمی وفنی تراجم

﴿۴﴾ نوابین اودھ کے زیرِ اہتمام علمی وفنی تراجم

﴿۵﴾ ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی دلی کالج میں علمی وفنی تراجم

﴿۶﴾ سائنٹفک سوسائٹی میں علمی وفنی تراجم

﴿۷﴾ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دارالترجمہ میں علمی وفنی تراجم

﴿۸﴾ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں علمی وفنی تراجم

﴿۹﴾ قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان میں علمی وفنی تراجم

﴿۱۰﴾ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں علمی وفنی تراجم

ان کے علاوہ این سی ای آر ٹی، نیشنل بک ٹرسٹ، انجمن ترقی اُردو، دہلی اکیڈمی اور دیگر ادارے بھی مسلسل تراجم کے کام کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:

﴿۱﴾ اُردو کے علمی وفنی ترجمے کا سب سے پہلا ادارہ کون سا تھا؟

﴿۲﴾ جامعہ عثمانیہ کے دارالترجمہ میں کتنی کتابوں کے ترجمے کیے گئے؟

﴿۳﴾ سائنسی کتابوں کے ترجمے میں کون سے الفاظ اصل صورت میں استعمال کر لیے جاتے ہیں؟

07.04 فورٹ ولیم کالج میں علمی وفنی تراجم

فورٹ ولیم کالج کا شمار برصغیر کے اُن ابتدائی اداروں میں ہوتا ہے جنہوں نے علمی اور فنی تراجم کے سلسلے میں ایک مخصوص روایت قائم کی۔ یہ ادارہ 1800ء میں کلکتہ میں اس بنیادی مقصد کے ساتھ قائم کیا گیا تھا کہ انگلستان سے آنے والے انگریز افسروں کو تربیت دی جاسکے۔ چوں کہ نو وارد افسران کو ملک، زبان، ماحول، معاشرت اور تاریخ سے واقفیت درکار ہوتی تھی، اس لیے اس کالج نے نہ صرف زبان کی تعلیم پر توجہ دی بلکہ تراجم کو بھی اپنے نصابی مقاصد کا حصّہ بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے ایک پروفیسر گل کرسٹ نے ترجمے کی طرف خصوصی توجہ دی اور مختلف اصناف وموضوعات کی کتابوں کے ترجمے کروائے۔

گل کرسٹ کی نگرانی میں کیے گئے تراجم میں ادبی نوعیت کی کتابیں زیادہ تھیں۔ ان میں شکنتلا، سنگھاسن بتیسی، چہار درویش اور دیگر ایسی تحریریں شامل تھیں جو ہندوستانی ادب میں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ تمام تراجم دراصل اُس بڑی کوشش کی مثال ہیں جو اُس زمانے میں ہندوستانی زبانوں اور ادب کو سمجھنے کے لیے کی جارہی تھی۔ اسی دوران یہاں قرآن کا ترجمہ بھی کیا جارہا تھا اور اس کے 56 صفحات کی طباعت بھی ہو چکی تھی، لیکن اچانک حکومت کی ہدایت پر باقی صفحات کی طباعت روک دی گئی اور یوں یہ کام ادھورا رہ گیا۔ اس واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُس دَور میں تراجم صرف علمی ضرورت نہیں بلکہ بعض اوقات سیاسی وحکومتی مصلحتوں سے بھی وابستہ تھے۔

اگر چہ پروفیسر گل کرسٹ کی توجہ کا بڑا حصّہ ادبی تراجم پر رہا، لیکن علمی نوعیت کی کتابوں کے ترجمے بہت کم کیے گئے۔ اس کے باوجود فنِ تاریخ پر تین اہم کتابوں کے اُردو میں تراجم ضرور کیے گئے اور یہ کام فورٹ ولیم کالج کے تنخواہ دار منشیوں نے انجام دیا۔ ان تراجم کے پیچھے مقصد یہ تھا کہ نو وارد انگریز افسران نہ صرف زبان سیکھیں بلکہ اس علاقے کی تاریخی معلومات بھی حاصل کریں۔ اس طرح زبان سیکھنے کے ساتھ مقامی تاریخ کی بنیادی واقفیت بھی انگریز افسران کی تربیت کا حصّہ بن جاتی تھی۔

تاریخی موضوعات پر کیے جانے والے تین اہم تراجم یہ تھے:

- غلام اکبر نے فارسی سے تواریخ السلاطین کا ترجمہ اسی نام سے کیا۔
- محمد عمر نے فارسی ہی سے تواریخ عالم گیری کا ترجمہ کیا۔
- تصدق حسین نے تواریخ تیموری کو اُردو میں منتقل کیا۔

ان تراجم سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دَور میں تاریخ کو زبان کی تعلیم کے ساتھ جوڑ کر پیش کیا جاتا تھا تاکہ نو آموز افسر ایک ہی وقت میں علمی اور لسانی دونوں پہلوؤں سے مستفید ہو سکیں۔ ان کتابوں کی مدد سے نہ صرف لسانی دقتیں دؤر ہوتی تھیں بلکہ انگریز افسران کو مقامی حکمرانوں، عہدوں اور تاریخی پس منظر کا بھی علم ہوتا تھا۔

ان کے علاوہ میر شیر علی افسوس نے تاریخ آسام کا فارسی سے اُردو میں ترجمہ کیا، جو اس وقت کی ضرورت کے مطابق شمال مشرقی خطے کی معلومات فراہم کرتا تھا۔ اس طرح فورٹ ولیم کالج میں ہونے والے تراجم صرف ادبی یا مذہبی نہیں تھے بلکہ مختلف خطوں، ادوار اور سلطنتوں کی تاریخ پر مشتمل تھے جن کا مقصد براہِ راست تربیتی سہولت فراہم کرنا تھا۔

یوں دیکھا جائے تو فورٹ ولیم کالج میں علمی و فنی تراجم کی روایت محدود ہونے کے باوجود ایک بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ یہ روایت اس بات کا ثبوت ہے کہ برصغیر میں ترجمے کی منظّم بنیادوں کا آغاز حکومتی ضرورتوں سے ہوا اور اس کے نتیجے میں اُردو زبان کو ایسے تراجم ملے جنھوں نے بعد میں اُردو نثر کے اسلوب، لغت اور علمی ذخیرے میں خاصا اضافہ کیا۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:

﴿۴﴾ فورٹ ولیم کالج کس شہر میں قائم ہوا تھا؟

﴿۵﴾ تواریخ السلاطین کا ترجمہ کس نے کیا؟

﴿۶﴾ گل کرسٹ کا اصل زور کس قسم کے تراجم پر تھا؟

07.05 فورٹ سینٹ جارج کالج میں علمی وفنی تراجم

فورٹ سینٹ جارج کالج کی علمی وفنی خدمات کے پس منظر کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس ادارے کی ابتدائی تاریخ پر ایک نظر ڈالیں۔ ہندوستان میں برطانوی اقتدار کے بڑھتے ہوئے دائرے کے ساتھ ہی ایسے اداروں کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی جہاں انگلستان سے آنے والے انگریز رائٹرس اور منشی اپنی خدمات بہتر طریقے سے انجام دینے کے قابل ہو سکیں۔ چنانچہ 1717ء میں ایک اسکول قائم کیا گیا جس کا مقصد انگریز منشیوں کی تربیت تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس ادارے کی اہمیت اور وسعت دونوں میں اضافہ ہوا اور 1812ء میں یہی

اسکول ''فورٹ سینٹ جارج کالج'' کے نام سے باقاعدہ ایک تعلیمی مرکز میں تبدیل ہوگیا۔اس نئے تعلیمی تشخص نے نہ صرف زبان کی تربیت بلکہ مذہبی، اخلاقی اور علمی مضامین کے تراجم کی سمت بھی نئے دروازے کھولے۔

اس ادارے کے اساتذہ نے ترجمے کے میدان میں بھرپور خدمات انجام دیں، جن میں سے اکثر مذہبی اور اخلاقی نوعیت کی تھیں۔ تاج الدین بہجت نے سید عبدالقادر پاشاہ الحسینی کے ایک رسالے کا ترجمہ ''مرصاد المشتاقین'' کے نام سے کیا، جو اس ادارے میں ترجمہ نگاری کی سنجیدہ روایت کا ابتدائی نمونہ سمجھا جاتا ہے۔اس کے بعد محمد مہدی واصف نے ترجمے کی جس سرگرمی کو آگے بڑھایا، وہ نہایت اہمیت کی حامل ہے۔انہوں نے شیخ عبدالحق دہلوی کی کتاب ''آداب الصالحین'' اور ''تکمیل الایمان'' کے منتخب اقتباسات کو یکجا کر کے ''تکمیل الایمان ہندی'' کے نام سے منتقل کیا، جو سہل اور عام فہم انداز میں مذہبی مسائل کی وضاحت کرتا ہے۔اسی طرح انہوں نے امام غزالی کی مشہور تصنیف ''کیمیائے سعادت'' کا ترجمہ بھی اسی نام سے کیا، جب کہ غزالی کی دوسری شہرۂ آفاق کتاب ''احیاء العلوم'' کے ایک باب کو ''رسالہ اخلاق النبی کریم'' کے عنوان سے اُردو کے قالب میں ڈھالا، جو اخلاقِ نبویؐ کی تشریح کا نہایت بلیغ نمونہ ہے۔

مہدی واصف نے صرف اخلاقی و دینی موضوعات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے امام بخاری کی کتاب ''التعبیر'' کا ترجمہ ''رسالہ تعبیرِ خواب'' کے نام سے بھی کیا تھا، اگرچہ یہ رسالہ شائع نہ ہوسکا۔اس کے علاوہ انہوں نے مذہبی علوم کی ایک معتبر کتاب ''تفسیر جلالین'' کا ترجمہ بھی اسی نام سے انجام دیا۔ان تراجم کی زبان، عبارت اور ترتیب سے اندازہ ہوتا ہے کہ فورٹ سینٹ جارج کالج میں ترجمہ نہ صرف تدریسی ضرورت تھی بلکہ علم کی ایک باقاعدہ صورت گردانی جاتی تھی۔

یہاں صرف ہندوستانی اساتذہ ہی سرگرم نہیں تھے بلکہ انگریز اساتذہ بھی ترجمے کے کام میں شامل تھے۔اگرچہ ان کے تراجم کی اکثریت مذہبی نوعیت کی تھی، لیکن اس کے باوجود یہاں علمی نوعیت کی چند کتابوں پر بھی کام ہوا۔مثال کے طور پر ڈاکٹر ایڈورڈ بالفور نے گلیک کی ایک کتاب کا ترجمہ ''کتاب علم نجوم'' کے نام سے کیا، جو اس دَور میں سائنسی موضوعات کی اُردو میں منتقلی کے ابتدائی نمونوں میں شمار ہوتا ہے۔اسی طرح کنکویسٹ کی ایک کتاب کا ترجمہ ''اصول فن قبالت'' کے نام سے کیا گیا، جو عملی اور فنی علوم کی جانب اس ادارے کی توجہ کو ظاہر کرتا ہے۔

یوں فورٹ سینٹ جارج کالج نے نہ صرف انگریز افسروں کی لسانی تربیت میں اہم کردار ادا کیا بلکہ ترجمے کے ذریعے مذہبی، اخلاقی، علمی اور فنی علوم کو اُردو زبان میں منتقل کرنے کی مؤثر کوشش بھی کی۔ان تراجم کی نوعیت، زبان اور ترتیب اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ ادارہ برطانوی دَور میں ترجمہ نگاری کا ایک مضبوط مرکز تھا، جہاں سے مختلف النوع تحریریں اُردو زبان کے دامن میں شامل ہوئیں۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:

﴿۷﴾ فورٹ سینٹ جارج کالج کس سن میں قائم ہوا؟

﴿۸﴾ ''کیمیائے سعادت'' کا ترجمہ کس نے کیا؟

﴿۹﴾ ڈاکٹر ایڈورڈ بالفور نے کس علم پر کتاب کا ترجمہ کیا؟

07.06 دارالترجمہ شمس الامرا میں علمی وفنی تراجم

نواب فخر الدین خاں شمس الامرا پایگاہ حیدرآباد کے ایک بااثر اور علم دوست امیر تھے۔ انہیں نہ صرف علم وفن سے شخصی دلچسپی تھی بلکہ وہ اس بات کے بھی خواہش مند تھے کہ حیدرآباد کے باشندے اس دَور کی ترقی یافتہ یورپی دنیا کے جدید سائنسی اور صنعتی علوم سے بھی واقف ہوں۔ یورپ میں ہونے والی سائنسی پیش رفت کی خبریں جب ہندوستان پہنچتی تھیں تو شمس الامرا اس بات کو شدت سے محسوس کرتے تھے کہ اگر یہاں کے لوگ جدید علوم سے محروم رہے تو ترقی کا سفر یک طرفہ رہ جائے گا۔ یہی احساس ان کے اندر تراجم کی تحریک کو مضبوط بناتا رہا۔

اسی مقصد کے تحت انہوں نے فرانس، برطانیہ اور دیگر یوروپی ممالک سے جدید علوم وفنون کی اہم کتابیں منگوائیں اور ماہر مترجمین کی خدمات حاصل کر کے ان کا اُردو میں ترجمہ کروایا۔ ان تراجم کے دوران بہت سی نئی سائنسی اصطلاحات بھی وضع کی گئیں، جن کے ذریعے اُردو زبان میں علمی وفنی اظہار کے نئے در وا ہوئے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ شمس الامرا کا یہ ادارہ جدید سائنسی اصطلاحات کے تعارف کا ابتدائی اور نہایت اہم مرکز ثابت ہوا۔

شمس الامرا نے صرف ترجمے تک اپنے مشن کو محدود نہیں رکھا، بلکہ انہوں نے علم کی ترویج کے لیے باقاعدہ ادارے بھی قائم کیے۔ چنانچہ انہوں نے حیدرآباد میں مدرسہ فخریہ قائم کیا، جہاں جدید علوم، فنون اور سائنسی مضامین پر مشتمل نصاب پڑھایا جاتا تھا۔ مدرسے کے طلباء جدید سائنسی فکر سے روشناس ہوتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ جب 1844ء میں ہنا میں ہندوستان کا پہلا مدرسہ طبابت ''ریزیڈینسی'' میں قائم ہوا تو مدرسہ فخریہ کے طلباء کو داخلے میں نمایاں برتری حاصل ہوئی۔ وہ طبی نصاب سمیت دیگر جدید علوم سے واقف تھے اور اس لیے تعلیم کے مختلف شعبوں میں بہتر کارکردگی دکھانے میں کامیاب ہوئے۔

شمس الامرا نے فلکیات کے باقاعدہ مشاہدے کے لیے رصدگاہ بھی قائم کی، جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ صرف نظری مطالعے تک محدود نہیں رہنا چاہتے تھے بلکہ عملی تجربات اور سائنسی تحقیقات کو بھی اہمیت دیتے تھے۔ یہی وہ فضا تھی جس میں جدید تراجم کے لیے ایک باقاعدہ ادارہ قائم کرنا وقت کی ضرورت بن چکا تھا۔

چناں چہ انہوں نے محلّہ جہاں نما کی ایک حویلی میں دارالترجمہ شمس الامرا کی بنیاد رکھی، جہاں ہندو، مسلم، انگریز اور فرانسیسی علما و مترجمین کو ملازمت دی گئی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ شمس الامرا نے علمی کام کے لیے مذہب یا قومیت کی کوئی حد مقرر نہیں کی بلکہ قابل، تعلیم یافتہ اور ماہر افراد کو ترجیح دی۔ ادارے میں ملازم مترجمین میں غلام کی الدین حیدرآبادی، مسٹر جونس، جوزف، رتن لال، میر شجاعت علی کرم اور کئی دیگر افراد شامل تھے جنہوں نے باہمی تعاون اور مہارت کے ساتھ علمی وفنی تراجم کا سلسلہ مضبوطی سے آگے بڑھایا۔

شمس الامرا کے انتقال کے بعد بھی ان کے خاندان کے افراد نے اس علمی سرگرمی کو جاری رکھا۔ یہ سلسلہ 1833ء سے 1877ء تک پھیلا رہا اور اس دوران مجموعی طور پر 37 کتابوں کے تراجم کیے گئے، جو اس بات کا اظہار ہے کہ دارالترجمہ ایک مسلسل، منظّم اور مضبوط علمی ادارہ تھا۔

دارالترجمہ شمس الامرا سے ترجمہ ہونے والی اہم کتابوں میں مقطع الارض (1836ء)، علم ہندسہ، رسالہ علم واعمال کروی، ستہ شمسیہ (چھ جلدیں)، علم جرثقیل، علم ہیئت، علم آب، علم ہوا، علم مناظر، علم برق (1840ء)، انوار بدریہ، افضل الآداب، طبی لغت (1853ء) اور شمس

الہندسہ شامل ہیں۔ متعدد کتابیں اشاعت سے محروم رہ گئیں، لیکن جو کتابیں ترجمہ ہوئیں، وہ آج بھی کتب خانہ سالار جنگ میوزیم میں محفوظ ہیں، جو اس ادارے کی تاریخی و علمی اہمیت کا غیر متزلزل ثبوت ہیں۔

یوں دارالترجمہ شمس الامرا ہندوستان میں جدید سائنسی افکار کے ابتدائی انتقال کا مرکز بنا اور اُردو زبان کو پہلی مرتبہ جدید سائنسی ذخیرۂ الفاظ سے روشناس کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ ادارہ اس دَور میں علمی بیداری اور زبانی ترقی کا سنگِ میل ثابت ہوا۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:

﴿۱۰﴾ دارالترجمہ شمس الامرا کس شہر میں قائم کیا گیا؟

﴿۱۱﴾ مدرسہ فخریہ کس نے قائم کیا؟

﴿۱۲﴾ دارالترجمہ میں ترجمہ شدہ کتابوں کی مجموعی تعداد کیا تھی؟

07.07 نوابینِ اودھ کے زیرِ اہتمام علمی و فنی تراجم

نوابینِ اودھ کا شمار اُن حکمرانوں میں ہوتا ہے جنھوں نے نہ صرف ریاستی نظم و نسق پر توجہ دی بلکہ علمی، فنی اور سائنسی ترقی کے فروغ میں بھی گہری دلچسپی ظاہر کی۔ اودھ کے نواب نصیر الدین حیدر نے اس سلسلے میں وہ بنیاد رکھی جس نے بعد کے تمام حکمرانوں کے لیے ترجمے کے کام کو ایک باقاعدہ ثقافتی و سائنسی خدمت کی شکل دے دی۔ وہ زمانہ سائنس اور فنی ترقی کے اعتبار سے تیزی سے بدل رہا تھا اور انگریزی زبان علومِ جدیدہ کا بڑا ذریعہ سمجھی جاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ نصیر الدین حیدر نے فیصلہ کیا کہ انگریزی میں موجود سائنسی کتابوں کی اُردو میں ترجمہ کاری کرائی جائے، تاکہ اودھ کے اہلِ علم اور طلباء کو اپنے علمی دائرے کو وسعت دینے کے بہتر مواقع مل سکیں۔ چناں چہ اس مقصد کے لیے ایک انگریز مترجم کو خاص طور پر مقرر کیا گیا، جس کی مدد اور رہنمائی سے سید کمال الدین حیدر اور چند دیگر افراد نے یہ اہم علمی خدمت انجام دی۔

یہ سلسلہ نصیر الدین حیدر تک محدود نہ رہا بلکہ ان کے بعد حکمران بننے والے محمد علی شاہ اور پھر امجد علی شاہ نے بھی خصوصی دل چسپی کے ساتھ اس کام کو جاری رکھا۔ اس طرح ترجمے کا یہ پورا سلسلہ تقریباً بیس سال تک

یہ سلسلہ نصیر الدین حیدر تک محدود نہ رہا بلکہ ان کے بعد حکمران بننے والے محمد علی شاہ اور پھر امجد علی شاہ نے بھی خصوصی دل چسپی کے ساتھ اس کام کو جاری رکھا۔ اس طرح ترجمے کا یہ پورا سلسلہ تقریباً بیس سال تک (1833ء تا 1853ء) باقاعدگی سے جاری رہا، جس دوران متعدد اہم سائنسی و فنی کتب اُردو میں منتقل ہوئیں۔ ان تراجم کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ سائنسی موضوعات کو عام لوگوں، طلباء اور اہلِ فن کے لیے قابلِ فہم اور دستیاب بنایا جائے۔ اس دَور میں یورپی سائنسی ترقی کا چرچا تھا اور اودھ کے نواب چاہتے تھے کہ ریاست کا علمی حلقہ اس ترقی سے محروم نہ رہ جائے۔

ان بیس برسوں میں کئی کتابیں ترجمہ ہوئیں، لیکن جن کتب کا ذکر خاص طور پر ملتا ہے، وہ یہ ہیں: ''مفتاح الافلاک'' (1833ء)، جو اس دور کے فلکیاتی علم کی ترجمانی کرتی ہے؛ ''رسالہ ہیئت'' (1847ء)، جس میں فلکیات اور کائناتی نظام کا بیان ہے؛ ''مقاصد علوم'' (1841ء)، جو مختلف علوم کی غرض و غایت بیان کرتی تھی؛ ''رسالہ مقناطیس''، جو اس زمانے کی ایک اہم سائنسی شاخ یعنی علمِ مقناطیسیت کا ترجمہ تھا؛ اور ''رسالہ ہیضے کا علاج'' (1853ء)، جو اس دَور میں وبائی امراض کے علاج پر مبنی ایک طبی و سائنسی رسالہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ تمام

کتابیں اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت اہم تھیں اور ان میں موجود معلومات ان دنوں اُردو دنیا کے لیے نئی، مفید اور تعلیمی لحاظ سے بڑی اہمیت کی حامل تھیں۔

اودھ کے نوابین کی یہ علمی کاوشیں صرف ترجمے تک محدود نہ تھیں بلکہ وہ اپنی ریاست میں ایک ایسا فکری ماحول پیدا کرنا چاہتے تھے جس میں نئی تہذیبی اور سائنسی تبدیلیوں کو قبول کیا جائے اور اہلِ علم ان تبدیلیوں سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اس طرح اودھ کے زیرِ اہتمام کیا گیا یہ سارا ترجمہ جاتی کام نہ صرف اُردو زبان کی علمی تاریخ میں اہم مقام رکھتا ہے بلکہ ہندوستان میں جدید علوم کی ترویج و اشاعت میں بھی اس نے بنیادی کردار ادا کیا۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:

﴿۱۳﴾ 'مفتاح الافلاک'' کس علم سے متعلق ہے؟

﴿۱۴﴾ ''رسالہ مقناطیس'' کس موضوع پر ہے؟

﴿۱۵﴾ ''رسالہ ہیضے کا علاج'' کس مضمون سے متعلق ہے؟

﴿۱۶﴾ 1833ء تا 1853ء کا دور کس کام سے وابستہ ہے؟

﴿۱۷﴾ محمد علی شاہ اور امجد علی شاہ نے کس کام کی سرپرستی کی؟

07.08 سائنٹفک سوسائٹی میں علمی وفنی تراجم

سائنٹفک سوسائٹی برصغیر میں علمی وفنی تراجم کی تحریک کا ایک نہایت اہم سنگِ میل ثابت ہوئی۔ یہ سوسائٹی سرسید احمد خاں نے 1863ء میں قائم کی تھی اور اس کا قیام محض ایک تعلیمی ادارہ کی تشکیل نہیں تھا بلکہ برصغیر میں جدید علوم کی اشاعت اور سائنسی فکر کو فروغ دینے کا ایک منظّم منصوبہ تھا۔ سوسائٹی کا پہلا اجلاس غازی پور میں 1864ء میں منعقد ہوا جو اپنی نوعیت کا ایک تاریخی اجلاس تھا۔ اس زمانے میں انگریزی زبان میں علوم وفنون کی بے شمار کتابیں شائع ہو رہی تھیں، مگر ہندوستانی طلباء ان علوم تک براہ راست رسائی نہیں رکھتے تھے۔ چناں چہ ضرورت اس بات کی تھی کہ انگریزی اور یورپ کی دوسری زبانوں سے لکھی گئی کتابوں کو اُردو میں منتقل کیا جائے تاکہ جدید علوم مقامی ذہن تک پہنچ سکیں۔ سائنٹفک سوسائٹی کی بنیاد اسی مقصد کے تحت رکھی گئی۔ یوں گویا یہ ادارہ اُردو زبان کے علمی افق کو روشن کرنے کا ذریعہ بنا۔

سوسائٹی نے ابتدا ہی سے اپنے کام کو باقاعدہ تنظیم کے تحت آگے بڑھایا۔ 1866ء میں علی گڑھ میں اس کی اپنی عمارت کی تعمیر مکمل ہوئی جو اس بات کا ثبوت ہے کہ سرسید نے اس ادارے کو مستقبل میں ایک بڑے علمی مرکز میں تبدیل کرنے کا عزم رکھا تھا۔ بعدازاں 1887ء میں سائنٹفک سوسائٹی کو مدرسۃ العلوم میں ضم کر دیا گیا اور 7 نومبر 1887ء کو یہ سوسائٹی بند ہو گئی، لیکن اس کے علمی خدمات کا سلسلہ بند نہیں ہوا کیوں کہ اس کی منتشر کی گئی کتابیں علمی سرمایہ بن کر آگے چلتی رہیں۔ سوسائٹی نے تقریباً پندرہ کتابیں انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کر کے شائع کرائیں جو اپنی نوعیت کی اولین کوششوں میں شمار کی جاتی ہیں۔

سوسائٹی نے جو کتابیں منتقل کیں ان میں سائنسی، تاریخی، زرعی اور معاشرتی موضوعات شامل تھے۔ ان میں تاریخِ مصر، تاریخ چین، قدیم یونان کی تاریخ، رسالہ فلاحت، فن کاشت کاری، رسالہ علمِ انتظامِ مدن، تاریخِ ہندوستان، رسالہ علمِ برقی، اصلِ سیاستِ مدن، تاریخ

ایران، رسالہ علمِ جغرافیہ، رسالہ جرِثقیل وغیرہ شامل ہیں۔ یہ تمام کتابیں اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ سوسائٹی نے صرف ایک مخصوص شعبے تک خود کو محدود نہیں رکھا بلکہ معاشرت، سیاست، سائنس اور تاریخ جیسے مختلف موضوعات کو اپنے دائرۂ ترجمہ میں شامل کیا۔ ان کتابوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں سے کسی پر بھی مترجم کا نام درج نہیں ہے بلکہ صرف یہی لکھا گیا ہے کہ ''ترجمہ کیا اور مشتہر کیا سائنٹفک سوسائٹی نے''۔

یہ امر اس قابلِ غور ہے کہ اس دَور میں مترجمین کے بجائے اداروں کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی، لیکن سوسائٹی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ زیادہ تر کتابوں کے ترجمے سرسید نے خود کیے اور تقریباً تمام کتب پر اشاعت سے قبل نظرِ ثانی بھی سرسید احمد خاں ہی نے کی۔ ترجمے کے اس پہلو سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرسید اپنی سائنٹفک سوسائٹی کو کس قدر سنجیدگی اور انہماک سے چلاتے تھے اور علمی صحت پر کتنا زور دیتے تھے۔

سوسائٹی کی سرگرمیوں کا سب سے نمایاں پہلو یہ تھا کہ اس نے اُردو زبان کو جدید سائنسی اصطلاحات سے مالا مال کیا اور نئی علمی فضا کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اس سوسائٹی نے اُردو میں جدید علوم کی بنیاد رکھ کر بعد کے اداروں کے لیے راہ ہموار کی۔ اگرچہ اس کا فعال دَور صرف پچیس برس پر محیط تھا، مگر اس کی علمی خدمات اور تراجم اُردو زبان کی تاریخ میں آج بھی ایک روشن باب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:

﴿۱۸﴾ سائنٹفک سوسائٹی کس سال قائم ہوئی؟

﴿۱۹﴾ سوسائٹی کا پہلا اجلاس کہاں ہوا؟

﴿۲۰﴾ سوسائٹی کو 1887ء میں کس ادارے میں ضم کیا گیا؟

07.09 مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دارالترجمہ میں علمی وفنی تراجم

جموں و کشمیر کے مہاراجہ رنبیر سنگھ علم و تعلیم کی ترویج کے خواہش مند حکمرانوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اُن کے دورِ حکومت کے آس پاس، 1850ء میں ایک ایسا دارالترجمہ قائم کیا گیا جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ دنیا کے مختلف علوم وفنون کو مقامی زبانوں- اُردو، ہندی اور پنجابی میں منتقل کیا جائے تاکہ ریاست کے عوام جدید علمی ترقی سے واقف ہو سکیں۔ اس دارالترجمہ کی اہمیت اس بات سے بھی سمجھ میں آتی ہے کہ یہاں ترجمے کے لیے جن علوم کا انتخاب کیا گیا، وہ زمانے کے لحاظ سے نہایت جدید، مفید اور سائنسی تھے۔ مہاراجہ چاہتے تھے کہ عوام صرف مذہبی یا ادبی کتابوں تک محدود نہ رہیں بلکہ وہ جدید سائنس، میڈیسن، صنعت، ٹیکنالوجی اور فوجی علوم سے بھی آگاہ ہوں تاکہ ریاست علمی میدان میں ترقی کر سکے۔

دارالترجمہ میں طب، جدید میڈیسن، کاغذ سازی، انجینئرنگ، فوجی فنون، آلاتِ حرب اور مذہبیات جیسے موضوعات پر کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔ ان علوم میں ہر شعبہ اپنی جگہ ایک پوری دنیا رکھتا ہے اور ترجمے کا عمل نہایت محنت، مہارت اور علمی بصیرت کا تقاضا کرتا ہے۔ اس دارالترجمہ کے مترجمین نے مختلف زبانوں کی مشکل اصطلاحات کو مقامی زبانوں میں منتقل کر کے ایک ایسا علمی سرمایہ تیار کیا جو نہ صرف اس دَور کے طلباء اور محققین کے لیے مددگار ثابت ہوا بلکہ آج بھی اس کی تاریخی اہمیت برقرار ہے۔

خصوصاً علمِ طب کے ترجمے اس ادارے کا امتیازی کارنامہ ثابت ہوئے۔ طب سے متعلق کئی اہم کتابیں یہاں ترجمہ کی گئیں جن میں یہ نمایاں ہیں: امراضِ اطفال، تشریح الابدان، علم امراض پر ترجمہ شرح اسباب، اسبابِ امراض، اسبابِ امراض و العلاجات، علاج الامراض، ہدایاتِ پیدائش بچہ، امراض الاصبیان اور ہدایت الاطبا۔

ان کتابوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ دارالترجمہ میں صرف نظری امور ہی نہیں بلکہ عملی طب، بچوں کی بیماریوں، تشخیص، علاج، جسمانی ساخت اور طبی اصولوں پر بھی خاص توجہ دی گئی۔ ان تراجم نے یقیناً اُس زمانے کے معالجین، طبی طلباء اور عام قارئین کے لیے علم کا وسیع دروازہ کھول دیا۔

اس دارالترجمہ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ یہاں ترجمہ صرف کتابوں کا لفظی روپ نہیں تھا بلکہ مترجمین نے نئی اصطلاحات وضع کیں، مشکل طبی اور سائنسی مباحث کو آسان زبان میں منتقل کیا اور مقامی قاری کی سمجھ کو بھی پیشِ نظر رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ادارہ علمی وفنی تراجم کی تاریخ میں نہایت نمایاں مقام رکھتا ہے۔ جموں وکشمیر میں جدید علوم کی جڑیں مضبوط کرنے میں اس دارالترجمہ کا کردار بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:

﴿۲۱﴾ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دارالترجمہ کا قیام کس سن کے آس پاس ہوا تھا؟

﴿۲۲﴾ دارالترجمہ میں کن تین زبانوں میں ترجمے کیے جاتے تھے؟

﴿۲۳﴾ دارالترجمہ کا سب سے نمایاں شعبہ کون سا تھا؟

07.10 دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں علمی وفنی تراجم

جامعہ عثمانیہ کا قیام دراصل ایک ایسے بڑے تعلیمی خواب کی تعبیر تھا جس میں ریاستِ حیدرآباد کے طلباء کو اپنی مادری زبان اُردو میں جدید علوم وفنون تک رسائی فراہم کرنے کا عظیم مقصد شامل تھا۔ بلاشبہ نصابِ تعلیم کا سب سے اہم ستون کتابیں ہوتی ہیں اور جامعہ کے قیام کے بعد سب سے پہلا مسئلہ طلباء کے لیے مناسب اور معیاری کتابوں کی عدم فراہمی تھا۔ یہی ضرورت اس بات کا پیش خیمہ بنی کہ جامعہ میں شعبۂ تالیف وتصنیف قائم کیا جائے جو بعد میں ارتقائی سفر طے کرتے ہوئے دارالترجمہ عثمانیہ کہلایا۔

اگرچہ اس سے قبل فخر الملک کے تحت قائم کردہ دارالترجمہ کی کتابیں نصاب میں رائج تھیں، تاہم یونیورسٹی کے مختلف شعبوں کی الگ الگ علمی ضرورتیں تھیں جن کی تکمیل کے لیے ایک مستقل، منظّم اور ہمہ جہت ترجمہ جاتی ادارے کی فوری ضرورت محسوس ہوئی۔ دارالترجمہ نے یہ ذمہ داری بخوبی نبھائی اور اُردو میں علمی وفنی علوم کی تدریس کو ممکن بنایا۔ یہاں ایسے مترجمین مقرر کیے گئے جو اپنے اپنے مضامین کے ماہر تھے اور انگریزی، اُردو، عربی اور فارسی پر عبور رکھتے تھے۔ آغاز ہی میں جن نامور مترجمین نے خدمات انجام دیں، ان میں قاضی محمد حسین، قاضی تلمذ حسین، محمد الیاس برنی، سید ہاشمی فریدآبادی، چودھری برکت علی، نظم طباطبائی، عبداللہ عمادی، سید علی رضا، عبدالحلیم شرر اور بلدیو سنگھ شامل ہیں۔ بعد میں مزید ماہر مترجمین بھی اس علمی کارواں کا حصّہ بنتے گئے۔

کتبِ ترجمہ کا انتخاب ایک باقاعدہ کمیٹی کرتی تھی جو متعلقہ علوم کے ماہرین پر مشتمل ہوتی۔ انتخاب کے بعد کتابیں مترجمین کے سپرد کی جاتیں اور ترجمہ مکمل ہونے پر ناظرِ ادب اور ناظرِ مذہب اس کی زبان، اسلوب، اصطلاحات، اور مذہبی وفکری پہلوؤں کے لحاظ سے نظرِ ثانی کرتے تھے۔ دارالترجمہ کے پہلے ناظم کا اعزاز بابائے اُردو مولوی عبدالحق کے حصّے میں آیا، جن کی ادبی اور لسانی بصیرت نے اس ادارے کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔

دارالترجمہ میں طب، انجینئرنگ، طبیعیات، کیمیا، فلسفہ، تاریخ، معاشیات، ریاضی اور دیگر جدید و قدیم علمی مضامین کی بہترین انگریزی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔صرف تاریخ ہی کے موضوع پر 95 کتابوں کے تراجم کیے گئے جن میں سے 83 شائع ہوئیں۔ان تراجم میں ہندوستان کی قدیم وجدید تاریخ،علمی تاریخ،تاریخ انگلستان، یونان، روم اور یورپ خصوصی طور پر شامل ہیں۔اس شعبے میں پروفیسر ہارون خان شیروانی، پروفیسر جمیل الرحمٰن، ڈاکٹر سید سجاد، ڈاکٹر ابن حسن اور ڈاکٹر سید عابد حسین جیسے اہلِ علم نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔

معاشیات کی کتابوں کے ترجمے پروفیسر حبیب الرحمٰن، مولوی رشید احمد، پروفیسر الیاس برنی، احمد محی الدین انصاری، مولوی محمد نصیر الدین اور محمد احمد سبزواری نے کیے اور اس موضوع پر 19 کتابیں شائع ہوئیں۔فلسفے میں خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر میر ولی الدین، مولوی احسان احمد، مناظر احسن گیلانی، ڈاکٹر سید وحید الدین، عبداللہ عمادی، مرزا ہادی رسوا، ابوالخیر مودودی اور دیگر ماہرین نے خدمات انجام دیں اور اس شعبے سے 27 کتابیں شائع ہوئیں۔

نفسیات کے باب میں مولوی احسان احمد، معتضد ولی الرحمٰن، عبدالباری ندوی اور مرزا رسوا نے 15 تراجم کیے، جب کہ اخلاقیات پر 12 کتابیں ترجمہ ہوئیں۔انجینئرنگ کے موضوع پر پروفیسر ضیاالدین انصاری، مولوی محمد احمد مرزا، قاضی محمد حسین، للت موہن مکرجی، بالا پرشاد، لوکیندر بہادر، مرزا مہدی علی اور محمد عظمت اللہ نے اہم کام کیا۔اسی طرح قانون کے موضوع پر مولوی مسعود علی، رائے وید ناتھ، سید علی رضا، ڈاکٹر میر سیادت علی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور پروفیسر حسین علی نے کتابیں اُردو میں منتقل کیں۔

دارالترجمہ کا قیام 1917ء میں عمل میں آیا اور صرف دو سال کے اندر ہی کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔لیکن 1948ء میں جب ریاست حیدرآباد ہندوستانی یونین میں شامل کی گئی تو ترجمہ کا عمل رفتہ رفتہ سست پڑنے لگا، یہاں تک کہ 1949ء میں دارالترجمہ کے دفتر میں آگ لگ گئی جس میں کئی نایاب مسودے جل کر راکھ ہو گئے۔1950ء میں اس شعبے کو اس وجہ سے ختم کر دیا گیا کہ جامعہ عثمانیہ میں ذریعۂ تعلیم اُردو کے بجائے انگریزی کر دیا گیا تھا، یوں یہ عظیم ادارہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہو کر رہ گیا۔

ڈاکٹر مجیب الاسلام نے تحقیق کے بعد دارالترجمہ کی کارکردگی کا جامع خلاصہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

> ''دارالترجمہ عثمانیہ میں 1917ء سے 1947ء تک یعنی تیس سال میں 457 کتابیں ترجمہ و تالیف کی گئیں۔ان میں سے 426 کتابیں ترجمہ اور 31 کتابیں تالیف کی گئیں۔تمام تراجم میں 360 کتابیں انگریزی سے ترجمہ کی گئیں۔ان میں سے 306 تراجم شائع ہوئے۔5 جرمن تصانیف کے ترجمے کیے گئے۔یہ پانچوں شائع ہوئے۔3 فرانسیسی زبان سے ترجمے کیے گئے۔یہ تینوں شائع ہوئے۔51 عربی زبان سے کیے گئے۔جن میں 45 شائع ہوئے۔17 فارسی تصانیف کے ترجمے ہوئے ان میں سے 9 شائع ہوئے اور 31 تالیفات میں سے 27 شائع ہوئیں۔مجموعی طور پر 395 تراجم و تالیفات شائع ہو کر کورس میں شامل کیے گئے۔''

(دارالترجمہ کی علمی و ادبی خدمات، ص 144)

چونکہ دارالترجمہ عثمانیہ آگ سے تباہ ہو گیا تھا اور تمام کتابوں کی فہرست کسی ایک لائبریری میں محفوظ نہ تھی، اس لیے ڈاکٹر مجیب الاسلام نے مختلف ذرائع سے کتب کی ایک فہرست مرتب کی جو ان کی کتاب ''دارالترجمہ کی علمی و ادبی خدمات'' میں محفوظ ہے۔ اگر چہ وہ فہرست بھی مکمل نہیں مانی جاتی، لیکن اس میں اکثر کتابوں کے مترجمین، اصل کتابوں کے نام اور مصنفین کے حالات شامل ہیں۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:

﴿۲۴﴾ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کے پہلے ناظم کون تھے؟

﴿۲۵﴾ تاریخ کے موضوع پر کتنی کتابیں ترجمہ ہوئیں؟

﴿۲۶﴾ دارالترجمہ کب قائم ہوا؟

07.11 قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان میں علمی وفنی تراجم

قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، حکومت ہند کا وہ اہم ادارہ ہے جس نے جدید دَور میں اُردو زبان کی نشو و نما، علمی ترویج، اور اعلیٰ سطح کے تراجم میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ مارچ 1996ء میں جب یہ ادارہ قائم ہوا تو اُردو دنیا میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا، کیوں کہ اس ادارے نے نہ صرف اُردو زبان کے فروغ کو اپنا مقصد بنایا بلکہ جدید ترین علوم وفنون کو اُردو میں منتقل کر کے علمی سرمائے کو عام طلباء، اساتذہ اور محققین کے لیے قابلِ استفادہ بنا دیا۔ اس ادارے کو اس سے پہلے ترقی اُردو بیورو کے نام سے جانا جاتا تھا، لیکن 1996ء کے بعد اس کی حیثیت، دائرۂ کار، ذمہ داریاں اور علمی خدمات مزید وسیع تر ہو گئیں۔

قومی کونسل نے اپنے قیام کے فوراً بعد اس بات کو محسوس کیا کہ اُردو میں علمی و فنی کتابوں کی شدید کمی ہے، خصوصاً اُن مضامین میں جو جدید تعلیم کا بنیادی حصّہ سمجھے جاتے ہیں۔ چناں چہ اس ادارے نے ایک منظّم پالیسی کے تحت مختلف شعبوں میں ترجمے کا سلسلہ شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایسی کتابیں تیار ہو گئیں جو اسکول، کالج، یونیورسٹی اور تحقیقی اداروں میں نصابی ضرورت پوری کرتی ہیں۔

ان تراجم کی خصوصیت یہ ہے کہ تمام کتابیں معیاری زبان، قابلِ فہم اسلوب، درست اصطلاحات اور مربوط علمی ترتیب کے ساتھ شائع کی گئی ہیں۔ بہت سی کتابیں تو ایسی ہیں جو ہندوستان کی مختلف زبانوں سے پہلی بار اُردو میں منتقل کی گئیں اور اب تک یہ سلسلہ بلا توقف جاری ہے۔

قومی کونسل کے مترجمین نے جس وسعتِ نظر اور علمی شعور کے ساتھ تراجم کیے ہیں، وہ اس ادارے کی کامیابی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ کونسل کے تحت ترجمہ شدہ کتابوں کے موضوعات کا دائرہ نہایت وسیع ہے، جن میں درج ذیل اہم شعبے شامل ہیں:

﴿۱﴾ تاریخ اور سوشل سائنسز (History & Social Sciences)

ادارے نے مختلف ادوار کی تاریخ، معاشرتی ارتقا، سیاسی حرکات اور تہذیبی رویّوں سے متعلق کتابوں کے اعلیٰ معیار کے تراجم کیے۔ ان تراجم کے ذریعے طلباء کو نہ صرف تاریخی شعور حاصل ہوتا ہے بلکہ وہ انسانی معاشروں کے عملی ڈھانچوں کو بھی سمجھ پاتے ہیں۔

﴿۲﴾ تعلیم وتدریس (Education & Pedagogy)

معلمین اور تربیتی اداروں کے لیے تعلیم، تدریسی اصول، نصاب سازی اور تعلیمی نفسیات پر ترجمہ شدہ کتابیں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ کتابیں جدید تدریسی نظریات کو اُردو دنیا میں منتقل کرنے کا موثر ذریعہ بنیں۔

﴿۳﴾ زبان ولسانیات (Linguistics)

ادارے نے زبان، ادب، صوتیات، صرف ونحو، ترسیل اور ابلاغ جیسے موضوعات پر نمایاں کام کیا۔ یہ ترجمے اُردو لسانیات کی تحقیق کے لیے بنیادی مراجع بن چکے ہیں۔

﴿۴﴾ سائنس وٹیکنالوجی (Science & Technology)

یہ شعبہ کونسل کی نمایاں کامیابیوں میں سے ہے۔ طبعیات، کیمیا، حیاتیات، کمپیوٹر سائنس، انجینئرنگ اور ماحولیات جیسے جدید مضامین کی سینکڑوں کتابیں اُردو میں منتقل کی گئیں تاکہ اُردو میڈیم کے طلباء تکنیکی میدان میں پیچھے نہ رہ جائیں۔

﴿۵﴾ ریاضی وشماریات (Mathematics & Statistics)

بنیادی ریاضی سے لے کر اعلیٰ سطح کے الجبرا اور جیومیٹری تک، متعدد کتابیں ترجمہ کی گئیں جو نصابی طور پر انتہائی کارآمد ہیں۔

﴿۶﴾ سماجیات، سیاسیات اور معاشیات (Social Sciences, Politics & Economics)

ان مضامین کی ترجمہ شدہ کتابیں سماجی ڈھانچے، ریاستی نظام، عالمی سیاست اور اقتصادی اصولوں کی فہم میں اضافے کا مؤثر ذریعہ ہیں۔

﴿۷﴾ طب ومعالجات (Medical & Health Sciences)

متعدد سائنسی اور طبی کتابیں جن میں بنیادی صحت، میڈیکل سائنسز اور علاج ومعالجہ سے متعلق جدید نظریات شامل ہیں، اُردو میں منتقل کی گئیں۔ جو اس شعبے میں ایک بڑا کارنامہ ہے۔

﴿۸﴾ فنونِ لطیفہ اور قانون (Fine Arts & Law)

قانونی اصطلاحات، دستوری اصول، عدالتی طریقہ کار اور فنونِ لطیفہ سے متعلق کتابیں بھی شائع کی گئیں، جن سے متعلقہ شعبوں کے طلبا کو علمی سہولت ملی۔

﴿۹﴾ لائبریری سائنس وانفارمیشن ٹیکنالوجی (Library Science & IT)

کونسل نے آئی ٹی اور لائبریری سائنس جیسے عملی شعبوں میں بھی اہم ترین تراجم کیے ہیں۔

قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان کے تراجم نے اُردو کو صرف ایک ادبی زبان کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک سائنسی، تحقیقی اور تدریسی زبان کے طور پر بھی مضبوط بنیاد فراہم کی ہے۔ اس ادارے نے نہ صرف اُردو کو جدید دنیا سے ہم آہنگ کیا بلکہ طلباء کے لیے وہ تمام راہیں کھول دیں جو پہلے زبان کی وجہ سے محدود تھیں۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:

﴿۲۷﴾ قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان کس سال قائم ہوئی؟

﴿۲۸﴾ قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان کا سابق نام کیا تھا؟

﴿۲۹﴾ سائنس وٹیکنالوجی کے تراجم اُردو میں کس ادارے نے کیے؟

﴿۳۰﴾ قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان کا سابقہ نام کیا تھا؟

07.12 مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی میں علمی وفنی تراجم

جامعہ عثمانیہ سے جب اُردو ذریعۂ تعلیم کا خاتمہ ہوا تو پورے ملک میں کوئی ایسی جامعہ موجود نہ رہی جہاں طلباء کو جدید علوم اور مروجہ فنون کی تعلیم اُردو زبان کے ذریعے فراہم کی جاتی۔ اس کمی نے دہائیوں تک اُردو داں طبقے کو علمی اعتبار سے مشکلات میں مبتلا کیے رکھا۔ انہی حالات نے اعلیٰ تعلیم کے ایسے ادارے کی ضرورت کو شدت سے اُجاگر کیا جہاں اُردو زبان میں تدریس کا مضبوط اور مستقل انتظام ہو۔ کئی برسوں کی مسلسل کوششوں، علمی تحریکوں اور سماجی مطالبات کے نتیجے میں آخر کار 1998ء میں حیدرآباد میں مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا۔ اس یونیورسٹی کا بنیادی مقصد ہی یہ تھا کہ اُردو داں نوجوانوں کو اُن کی مادری زبان میں معیاری اور جدید تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔

یونیورسٹی کے قیام کے فوراً بعد جس مسئلے نے سب سے زیادہ توجہ چاہی، وہ تھا نصابی کتب کی فراہمی کا سوال۔ چوں کہ اُردو میں جدید علوم کی معیاری کتابیں بڑی تعداد میں دستیاب نہ تھیں، اس لیے ابتدا ہی میں ایک منظّم اور مستحکم ترجمہ مرکز کی ضرورت محسوس کی گئی۔ چناں چہ یونیورسٹی میں ایک باقاعدہ ٹرانسلیشن ڈویژن قائم کیا گیا جو آگے چل کر مکمل طور پر ترقی پا کر شعبۂ ترجمہ کہلانے لگا۔ اس شعبے کی ذمہ داری تھی کہ مختلف شعبہ جات کے لیے انگریزی میں موجود نصابی اور حوالہ جاتی کتابوں کا انتخاب کرے اور انہیں مستند، شستہ اور معیاری اُردو میں منتقل کرے تاکہ طلباء کو اپنی زبان میں معیاری علمی مواد فراہم ہو سکے۔

یہ شعبہ نہایت منظّم انداز میں کام کرتا رہا اور مختلف کورسز جن میں آرٹس، سماجیات، تعلیم، سائنس، ٹکنالوجی، کامرس، لسانیات اور دیگر مضامین شامل ہیں، کے لیے سنجیدگی سے ترجمہ کی سرگرمیاں انجام دیتا رہا۔ وقت کے ساتھ ترجمہ شدہ کتب کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور یہ سلسلہ نہایت تسلسل اور پختگی کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی سے 250 سے زیادہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں، جن میں سے تقریباً نصف کتابیں تراجم پر مشتمل ہیں۔ اس طرح یہ یونیورسٹی نہ صرف اردو ذریعۂ تعلیم کی بحالی کا ذریعہ بنی بلکہ اُردو زبان میں جدید علوم کے تراجم کے لیے ایک مؤثر، فعال اور مستقل ادارے کی حیثیت بھی اختیار کر گئی۔ یہ کہنا بجا ہے کہ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے اُردو داں طبقے کے علمی سرمائے میں نمایاں اضافہ کیا اور جدید تعلیم کے دروازے طلبا کے لیے ان کی مادری زبان میں کھول دیے۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:

﴿۳۱﴾ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کی بنیاد کس سال رکھی گئی؟

﴿۳۲﴾ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی میں ترجمہ کا باقاعدہ مرکز کس نام سے قائم کیا گیا؟

07.13 نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ (این سی ای آر ٹی) میں علمی وفنی تراجم

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ (این سی ای آر ٹی) کا قیام 1961ء میں عمل میں آیا اور اپنے آغاز ہی سے یہ ادارہ ملک کے اسکولی نظامِ تعلیم میں بہتری اور معیاری تدریس کے فروغ کے لیے بنیادی کردار ادا کرتا رہا ہے۔ شروع سے ہی این سی ای آر ٹی نے تینوں مرکزی زبانوں- ہندی، انگریزی اور اُردو میں نصابی کتابوں کی تیاری کی ذمہ داری سنبھالی تاکہ مختلف لسانی پس منظر رکھنے والے طلباء ایک یکساں معیارِ تعلیم سے فیض یاب ہوسکیں۔ نئی تعلیمی پالیسی 2020 کے نفاذ کے بعد ادارہ آئینِ ہند میں شامل دیگر زبانوں میں بھی کتابیں تیار کرنے کا پابند ہے، جس سے لسانی شمولیت (linguistic inclusion) کا دائرہ مزید وسیع ہوا ہے۔ اُردو زبان میں تیار کی جانے والی کتابوں کی تیاری متعلقہ شعبہ جات کے پروفیسر صاحبان کی نگرانی میں ماہرینِ تعلیم کی خدمات سے انجام پاتی ہے، تاکہ زبان، اسلوب، فہم اور تعلیمی معیار کے تمام تقاضے پورے کیے جاسکیں۔ دوسری طرف سائنس، ریاضی، فزکس، ہسٹری، جغرافیہ، سماجی علوم اور دیگر موضوعات کی کتابیں انگریزی سے براہِ راست اُردو میں ترجمہ کی جاتی ہیں اور این سی ای آر ٹی کے زیرِ انتظام اس پورے عمل میں علمی صحت، اصطلاحی وفاداری اور نصابی ضرورتوں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

اپنے قیام سے اب تک این سی ای آر ٹی اُردو میڈیم اسکولوں کے لیے سینکڑوں درسی کتابوں کا ترجمہ کر چکا ہے، جن سے ملک بھر کے اُردو میڈیم طلباء وطالبات مسلسل علمی وفکری فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔ ادارہ نہ صرف بنیادی نصابی کتابیں تیار کراتا ہے بلکہ اساتذہ کی پیشہ ورانہ تربیت اور رہنمائی کے لیے معاون وتدریسی کتابیں بھی شائع کرتا ہے، تاکہ تدریس کا معیار بہتر ہو اور اساتذہ نئے تعلیمی تقاضوں کو مؤثر طریقے سے کلاس روم میں نافذ کرسکیں۔ اسی کے ساتھ قومی شخصیات جیسے مہاتما گاندھی، پنڈت نہرو، سبھاش چندر بوس اور ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر پر مبنی کئی اہم کتابوں کے اردو تراجم بھی شائع کیے گئے ہیں، تاکہ طلباء اپنی زبان میں ان شخصیات کی زندگی، خدمات اور تاریخی کردار سے واقف ہوسکیں۔ اس طرح این سی ای آر ٹی نہ صرف نصابی تراجم کا اہم ادارہ ہے بلکہ مختلف علمی اور فکری سطحوں پر اردو زبان میں معیاری علمی وفنی مواد فراہم کرنے والا ایک معتبر سرچشمہ بھی ہے۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:

﴿۳۳﴾ این.سی.ای.آر.ٹی. میں سب سے زیادہ کس زبان سے اردو میں تراجم ہوتے ہیں؟

﴿۳۴﴾ این.سی.ای.آر.ٹی. کس تعلیمی پالیسی کے بعد دیگر زبانوں میں بھی کتابیں تیار کرنے کا پابند ہوا؟

07.14 خلاصہ

اس یونٹ میں اُردو کے علمی وفنی ترجمے کی پوری تاریخ نئے اور قدیم دونوں زاویوں سے پیش کی گئی ہے۔ ابتدا میں بتایا گیا ہے کہ کسی بھی زبان کی ترقی اس بات پر منحصر ہوتی ہے کہ اس میں علوم وفنون کی کتنی کتابیں موجود ہیں۔ چوں کہ اُردو میں سائنسی وفنی کتابوں کی تعداد بہت کم تھی، اس لیے دوسری زبانوں سے تراجم کا سلسلہ شروع ہوا۔ علمی ترجمے میں سادہ زبان، غیر مبہم اصطلاحات اور مفہوم کی صحت کو بنیادی اہمیت دی گئی۔ عربوں کی ترجمہ تحریک، بغداد کے کتب خانوں اور بعد میں یورپ اور امریکہ کی ترقی میں بھی ترجمے کا کردار واضح کیا گیا ہے۔

اُردو میں سب سے قدیم ترجمہ میراں جی خدانما سے منسوب ہے جس کے بعد دکنی اور شمالی ہند میں کئی علمی و مذہبی تراجم ہوئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ اداروں نے اس عمل کو مضبوط کیا۔ فورٹ ولیم کالج، فورٹ سینٹ جارج کالج، دارالترجمہ شمس الامرا، دہلی کالج کی ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی، سرسید کی سائنٹفک سوسائٹی، مہاراجہ رنبیر سنگھ کا دارالترجمہ اور جامعہ عثمانیہ، ان سب نے اُردو میں ضخیم اور معیاری علمی کتابیں منتقل کیں۔ بعدازاں قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، این سی ای آر ٹی، نیشنل بک ٹرسٹ اور مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے بھی وسیع پیمانے پر علمی تراجم کیے۔

یوں یہ یونٹ اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ ترجمہ صرف زبان کا نہیں بلکہ تہذیب اور علم کا سفر ہے، جو قوموں کے ماضی، حال اور مستقبل کو جوڑتا ہے۔ اُردو زبان کی علمی ترقی میں ترجمے کا جو کردار رہا ہے وہ نہ صرف تاریخی اہمیت رکھتا ہے بلکہ آج کے تعلیمی تقاضوں کے لیے بھی بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

07.15 فرہنگ

ابتدائی نمونہ	:	پہلی مثال	روشن کرنا	:	واضح کرنا
اخلاقی مضامین	:	کردار سازی سے متعلق موضوعات	سرپرستی	:	دیکھ بھال، تعاون
ادوار	:	زمانے، مختلف مرحلے	سرمایہ	:	قیمتی ذخیرہ، اثاثہ
استفادہ	:	فائدہ اٹھانا	سہل	:	آسان، سادہ
اصطلاحات	:	مخصوص علمی الفاظ	سنگ میل	:	اہم مرحلہ، تاریخی قدم
اہلِ فن	:	فن کے ماہر افراد	شہرۂ آفاق	:	دنیا بھر میں مشہور
اہمیت	:	ضرورت، قدر	طباعت	:	چھپائی
با اثر	:	اثر و رسوخ والا	طبی رسالہ	:	طب (دواؤں) سے متعلق کتابچہ
باضابطہ	:	باقاعدہ، طے شدہ اصولوں کے مطابق	علومِ جدیدہ	:	نئے سائنسی علوم
باہمی تعاون	:	مل کر کام کرنا	غیر معمولی	:	عام سے ہٹ کر، خاص
بقا	:	باقی رہنا، قائم رہنا	فکری ماحول	:	سوچ و فکر کا ماحول
بنیاد رکھنا	:	آغاز کرنا	فن قبالت	:	علمِ طبابت کا ایک خاص شعبہ
بلوغ	:	پختگی، مکمل انداز	قابلِ فہم	:	آسانی سے سمجھ آنے والا
بنیادی اصول	:	اصل قاعدہ	قدیم	:	بہت پرانا
تاریخی پس منظر	:	پچھلی تاریخ یا صورتحال کا سبب	مترادف	:	ہم معنی لفظ
تحریریں	:	لکھی ہوئی چیزیں	محرک	:	باعث، سبب
تحریک	:	منظّم کوشش، آغاز شدہ مہم	محروم	:	جسے کچھ نہ ملا ہو

ترتیب : منظّم انداز
ترسیل : پہنچانا،منتقل کرنا
ترقی یافتہ : آگے بڑھا ہوا، جدید
ترویج : عام کرنا
تسلسل : مسلسل جاری رہنا
تشخیص : پہچان، شناخت (طبی یا علمی)
تفہیم : سمجھنے کا عمل
ثقافتی خدمت : تہذیبی فائدہ
جامع : ہر پہلو پر مشتمل
جوں کا توں : بغیر بدلے، اسی حالت میں
جہت : سمت، رخ
دقتیں : مشکلیں
ذخیرۂ الفاظ : الفاظ کا مجموعہ
رصدگاہ : آسمانی مشاہدے کا مرکز
محفوظ : حفاظت میں رکھا ہوا
مصلحت : ضرورت، مناسب وجہ
معیاری : اعلیٰ درجے کا، معیار والا
مقبولیت : پسندیدگی، رواج
ملازم مترجمین : مقرر کیے گئے مترجم
منشی : لکھنے پڑھنے کا ماہر شخص
نصابی مقاصد : تعلیمی اہداف
نظم ونسق : انتظام واہتمام
نوآموز : نوسیکھنے والا، نیا طالب علم
نوعیت : قسم،نوع
واضح : صاف،کھلا
واقفیت : شناخت، پہچان
واقعاتی تاریخ : حقیقی تاریخی بیان
ہمہ گیر : ہر طرف پھیلا ہوا، جامع

07.16 نمونہ امتحانی سوالات

الف: درجِ ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰/۱۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : فورٹ ولیم کالج میں ترجمے کا مقصد کیا تھا؟
سوال نمبر۲ : ترجمے کے دوران اردو میں نئے سائنسی الفاظ کیسے وضع کیے گئے؟
سوال نمبر۳ : دارالترجمہ شمس الامرا کا اہم کردار کیا تھا؟
سوال نمبر۴ : نوابینِ اودھ نے علمی ترجمے میں کیا خدمات انجام دیں؟
سوال نمبر۵ : ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی دہلی کالج کی اہمیت کیا تھی؟
سوال نمبر۶ : سائنٹفک سوسائٹی نے اردو زبان کو کس طرح فائدہ پہنچایا؟
سوال نمبر۷ : دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کے قیام کا مقصد کیا تھا؟
سوال نمبر۸ : اردو میں فلسفہ اور منطق کی کتابیں کیوں منتقل کی گئیں؟
سوال نمبر۹ : دارالترجمہ شمس الامرا میں کس قسم کی تحقیق ہوتی تھی؟

سوال نمبر۱۰ : اردو میں ریاضی اور انجینئرنگ کے تراجم کیوں ضروری تھے؟

سوال نمبر۱۱ : ترجمے کے دوران عام فہم زبان کا استعمال کیوں کیا گیا؟

سوال نمبر۱۲ : نوابین اودھ کے علمی تعاون کا اثر کیا رہا؟

سوال نمبر۱۳ : دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ نے طلبہ کو کس طرح فائدہ پہنچایا؟

ب: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰/۳۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : اردو میں علمی و فنی ترجمے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

سوال نمبر۲ : قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان نے کیا خدمات انجام دیں؟

سوال نمبر۳ : اردو ترجمے کے ابتدائی دور کے چیلنجز کیا تھے؟

سوال نمبر۴ : اردو میں جدید طب اور سائنس کے تراجم کی اہمیت کیا تھی؟

سوال نمبر۵ : اردو میں ترجمے کی روایت کو سرسید احمد خان نے کیسے فروغ دیا؟

سوال نمبر۶ : علمی اور فنی تراجم کے ذریعے معاشرہ کیسے مستفید ہوا؟

سوال نمبر۷ : اردو میں تاریخی کتب کے تراجم کا مقصد کیا تھا؟

سوال نمبر۸ : ورنیکل ٹرانسلیشن سوسائٹی نے تراجم کے معیار پر کس طرح توجہ دی؟

سوال نمبر۹ : سائنٹفک سوسائٹی کے اردو میں کام کی سماجی اہمیت کیا تھی؟

سوال نمبر۱۰ : قومی کونسل برائے فروغ اُردو نے علمی تراجم میں کیا کردار ادا کیا؟

معروضی سوالات

سوال نمبر۱ : اُردو میں باضابطہ طور پر علمی و فنی ترجمے کا سلسلہ تیز رفتاری سے کس ادارے کے قائم ہونے کے بعد بڑھا؟

(الف) فورٹ ولیم کالج
(ب) انجمن ترقی اُردو
(ج) دلی کالج
(د) سائنٹفک سوسائٹی

سوال نمبر۲ : جامعہ عثمانیہ کے دارالترجمہ نے اردو علمی ذخیرے میں سب سے بڑا کارنامہ کیا انجام دیا؟

(الف) 426 نئی اردو اصطلاحات گھڑیں
(ب) مذہبی کتابوں کا ترجمہ کیا
(ج) 426 کتابوں کے تراجم کیے
(د) صرف فلسفیانہ کتابوں کا ترجمہ کیا

سوال نمبر۳ : فورٹ ولیم کالج کس سال قائم ہوا؟

(الف) 1780ء
(ب) 1857ء
(ج) 1817ء
(د) 1800ء

سوال نمبر۴ : ''تاریخِ آسام'' کا ترجمہ کس نے کیا؟

(الف) میر شیر علی افسوس (ج) محمد عمر

(ب) تصدق حسین (د) غلام اکبر

سوال نمبر۵ : ''مرصاد المشتاقین'' کا ترجمہ کس نے کیا؟

(الف) گل گرسٹ (ج) تصدق حسین

(ب) تاج الدین بہجت (د) محمد عمر

سوال نمبر۶ : ''اصول فن قبالت'' کس کی کتاب کا ترجمہ ہے؟

(الف) امام غزالی (ج) گلیک

(ب) کنکویسٹ (د) عبدالحق دہلوی

سوال نمبر۷ : دارالترجمہ شمس الامرا کی بنیاد کس نے رکھی؟

(الف) گل گرسٹ (ج) شمس الامرا

(ب) محمد مہدی واصف (د) ڈاکٹر بالفور

سوال نمبر۸ : دارالترجمہ میں ترجمہ شدہ کتابیں آج کہاں محفوظ ہیں؟

(الف) فورٹ ولیم کالج (ج) فورٹ سینٹ جارج کالج

(ب) مدرسہ فخریہ (د) سالار جنگ میوزیم

سوال نمبر۹ : نواب نصیرالدین حیدر نے کس زبان کی سائنسی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرایا؟

(الف) انگریزی (ج) سنسکرت

(ب) فارسی (د) عربی

سوال نمبر۱۰ : ''مفتاح الافلاک'' کس سال میں ترجمہ ہوئی؟

(الف) 1841ء (ج) 1847ء

(ب) 1833ء (د) 1853ء

سوال نمبر۱۱ : ''رسالہ ہیئت'' کا تعلق کس شعبے سے ہے؟

(الف) نباتات (ج) فلسفہ

(ب) طب (د) فلکیات

سوال نمبر۱۲ : ''رسالہ ہیضے کا علاج'' کس سال میں ترجمہ ہوا؟

(الف) 1833ء (ج) 1847ء

(ب) 1841ء (د) 1853ء

سوال نمبر۱۳ : کس نواب نے سب سے پہلے سائنسی تراجم کی بنیاد رکھی؟

(الف) نصیرالدین حیدر (ج) محمد علی شاہ

(ب) واجد علی شاہ (د) امجد علی شاہ

سوال نمبر۱۴ : ''رسالہ مقناطیس'' کس علم کا اردو ترجمہ ہے؟

(الف) علم الجبرا (ج) علمِ مقناطیسیت

(ب) علم الحیوانات (د) علم الکلام

سوال نمبر۱۵ : سائنٹفک سوسائٹی کی عمارت کس شہر میں تعمیر ہوئی؟

(الف) علی گڑھ (ج) دہلی

(ب) لکھنؤ (د) لاہور

سوال نمبر۱۶ : سائنٹفک سوسائٹی نے مجموعی طور پر کتنی کتابیں ترجمہ کیں؟

(الف) 10 (ج) 15

(ب) 12 (د) 20

سوال نمبر۱۷ : دارالترجمہ میں سب سے زیادہ کس موضوع کی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا؟

(الف) شاعری (ج) منطق

(ب) علمِ طب (د) عروض

سوال نمبر۱۸ : دارالترجمہ میں ترجمہ کی گئی کتاب تشریح الابدان کس علم سے متعلق تھی؟

(الف) فلکیات (ج) فقہ

(ب) جغرافیہ (د) تشریحِ بدن

سوال نمبر۱۹ : جامعہ عثمانیہ میں ذریعۂ تعلیم کب تبدیل ہوا؟

(الف) 1917ء (ج) 1949ء

(ب) 1948ء (د) 1950ء

سوال نمبر۲۰ : دارالترجمہ میں سب سے زیادہ تراجم کس زبان سے کیے گئے؟

(الف) انگریزی (ج) عربی

(ب) فارسی (د) جرمن

سوال نمبر۲۱ : قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان کا قیام کب عمل میں آیا؟

(الف) 1976ء (ج) 1996ء

(ب) 1986ء (د) 2006ء

سوال نمبر۲۲ : قومی کونسل کے تحت ترجمہ شدہ کتابوں کا دائرہ کن شعبوں پر مشتمل ہے؟

(الف) تاریخ،سائنس، ریاضی،طب وقانون (ج) صرف لسانیات

(ب) صرف مذہبیات (د) صرف ادب

سوال نمبر۲۳ : مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کہاں قائم کی گئی؟

(الف) لکھنؤ (ج) دہلی

(ب) حیدرآباد (د) پٹنہ

سوال نمبر۲۴ : مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی میں ترجمہ شدہ کتابوں کی تعداد تقریباً کس تناسب میں ہے؟

(الف) تمام کتابیں ترجمہ (ج) ایک چوتھائی ترجمہ

(ب) نصف کے قریب ترجمہ (د) بہت کم ترجمہ

سوال نمبر۲۵ : این.سی.ای.آر.ٹی. کن زبانوں میں ابتدا سے نصابی کتابیں تیار کرتا رہا ہے؟

(الف) ہندی، اُردو، تلگو (ج) اُردو، بنگلہ، انگریزی

(ب) سنسکرت، ہندی، اُردو (د) ہندی، انگریزی، اُردو

معروضی سوالات کے جوابات

جواب نمبر۱ : (الف) فورٹ ولیم کالج

جواب نمبر۲ : (ج) 426 کتابوں کے تراجم کیے

جواب نمبر۳ : (د) 1800ء

جواب نمبر۴ : (الف) میر شیر علی افسوس

جواب نمبر۵ : (ب) تاج الدین بہجت

جواب نمبر۶ : (ب) کنکویسٹ

جواب نمبر۷ : (ج) شمس الامرا

جواب نمبر۸ : (د) سالار جنگ میوزیم

جواب نمبر۹ : (الف) انگریزی

جواب نمبر۱۰ : (ب) 1833ء

جواب نمبر۱۱ : (د) فلکیات

جواب نمبر۱۲ : (د) 1853ء

جواب نمبر۱۳ : (الف) نصیرالدین حیدر

جواب نمبر۱۴ : (ج) علمِ مقناطیسیت

جواب نمبر۱۵ : (الف) علی گڑھ

جواب نمبر۱۶ : (ج) 15

جواب نمبر۱۷ : (ب) علمِ طب

جواب نمبر۱۸ : (د) تشریحِ بدن

جواب نمبر۱۹ : (د) 1950ء

جواب نمبر۲۰ : (الف) انگریزی

جواب نمبر۲۱ : (ج) 1996ء

جواب نمبر۲۲ : (الف) تاریخ،سائنس، ریاضی،طب وقانون

جواب نمبر۲۳ : (ب) حیدرآباد

جواب نمبر۲۴ : (ب) نصف کے قریب ترجمہ

جواب نمبر۲۵ : (د) ہندی، انگریزی، اُردو

07.17 حوالہ جاتی کتب

ا۔	ترجمے کا فن اور روایت	از	پروفیسر قمر رئیس
۲۔	ترجمہ کا فن	از	ڈاکٹر مرزا حامد بیگ
۳۔	فن ترجمہ نگاری	از	ڈاکٹر خلیق انجم
۴۔	ترجمہ: روایت اور فن، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد	از	نثار احمد قریشی
۵۔	سر سید احمد خاں اور ان کا عہد	از	ثریا حسین
۶۔	روداد سیمینار، اُردو زبان میں ترجمے کے مسائل	از	اعجاز راہی
۷۔	انگریزی شاعری کے منظوم اُردو ترجموں کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ	از	ڈاکٹر حسن الدین احمد
۸۔	دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کی ادبی خدمات	از	ڈاکٹر مجید بیدار
۹۔	دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کی علمی وادبی خدمات	از	ڈاکٹر مجیب الاسلام

07.18 اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

﴿۱﴾ فورٹ ولیم کالج

﴿۲﴾ 426 کتابیں

﴿۳﴾ انگریزی اصطلاحات

﴿۴﴾ کلکتہ

﴿۵﴾ غلام اکبر

﴿۶﴾ ادبی تراجم

﴿۷﴾ 1812ء

﴿۸﴾ محمد مہدی واصف

﴿۹﴾ علمِ نجوم

﴿۱۰﴾ حیدر آباد

﴿۱۱﴾ شمس الامرا

﴿۱۲﴾ 37 کتابیں

﴿۱۳﴾ فلکیات

﴿۱۴﴾ مقناطیسیت

﴿۱۵﴾ طبیات

﴿۱۶﴾ سائنسی تراجم

﴿۱۷﴾ ترجمہ کاری

﴿۱۸﴾ 1863ء

﴿۱۹﴾ غازی پور

﴿۲۰﴾ مدرستہ العلوم

﴿۲۱﴾ 1850ء

﴿۲۲﴾ اُردو، ہندی، پنجابی

﴿۲۳﴾ علمِ طب

﴿۲۴﴾ مولوی عبدالحق

﴿۲۵﴾ 95 کتابیں

﴿۲۶﴾ 1917ء

﴿۲۷﴾ 1996ء

﴿۲۸﴾ ترقی اُردو بیورو

﴿۲۹﴾ قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان

﴿۳۰﴾ ترقی اُردو بیورو

﴿۳۱﴾ 1998ء

﴿۳۲﴾ ٹرانسلیشن ڈویژن

﴿۳۳﴾ انگریزی

﴿۳۴﴾ NEP 2020

بلاک نمبر 03

اکائی	08	اُردو میں نثری و منظوم ترجمہ میں فرق واحتیاط	ڈاکٹر شہپر شریف
اکائی	09	اُردو میں ادبی ترجمہ کے مسائل	محمد سالم
اکائی	10	اُردو میں آزاد، لفظی و عملی ترجمہ کے مسائل	محمد سالم
اکائی	11	اُردو میں مذہبی تراجم کی روایت واہمیت اور مسائل	محمد سالم
اکائی	12	اُردو صحافت میں ترجمہ کی روایت واہمیت اور مسائل	محمد سالم

اکائی 08 اُردو میں نثری و منظوم ترجمہ میں فرق و احتیاط

ساخت

08.01 : اغراض و مقاصد

08.02 : تمہید

08.03 : نثری ترجمہ: اصول و تقاضے

08.04 : منظوم ترجمہ: اصول و تقاضے

08.05 : نثری اور منظوم ترجمے میں فرق

08.06 : خلاصہ

08.07 : فرہنگ

08.08 : نمونہ امتحانی سوالات

08.09 : حوالہ جاتی کتب

08.10 : اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

08.01 اغراض و مقاصد

اس اکائی کا بنیادی مقصد طلباء کو ترجمے کی دو اہم جہتوں نثری ترجمہ اور منظوم ترجمہ کے نظری، فنی، عملی اور تکنیکی پہلوؤں سے آگاہ کرنا ہے تا کہ وہ ترجمے کے مختلف اسالیب کو سمجھ سکیں اور اپنی عملی صلاحیتوں کو مؤثر طور پر بروئے کار لا سکیں۔ اس اکائی کے مطالعے سے طلباء نہ صرف ترجمے کے نظریاتی اصولوں سے واقف ہوں گے بلکہ وہ اُن عملی مثالوں کو بھی سمجھ سکیں گے جو عصرِ حاضر کے تراجم میں استعمال ہوتی ہیں۔ اس اکائی میں ترجمے کے تاریخی پس منظر کے ساتھ ساتھ وہ تمام لسانی و ادبی عوامل بیان کیے جائیں گے جو ترجمے کے معیار کو متاثر کرتے ہیں۔

مزید برآں اس اکائی میں نثری ترجمے کے بنیادی اصول، لسانی تقاضے، املا و اسلوب کا نظم، عبارت کی صحت، ابلاغ کی وضاحت، اصل متن کے معنی و مفہوم کی حفاظت، محاوراتی ہم آہنگی اور ایسے تمام عناصر واضح کیے جائیں گے جو ایک سلیس اور معیاری نثری ترجمے کے لیے ضروری ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ طالبِ علم اصل عبارت کے مزاج اور اس کے پس منظر کو سمجھ کر ایسا ترجمہ کر سکے جو نہ صرف وفادار ہو بلکہ بامحاورہ بھی ہو۔

اسی کے ساتھ اس اکائی میں منظوم ترجمے کی اہمیت، ضرورت، فنی باریکیاں اور تخلیقی تقاضے بھی بیان کیے جائیں گے۔ اس حصّے میں طلباء سیکھیں گے کہ شاعری کے ترجمے میں وزن، بحر، قافیہ، ردیف، شعری فضا، جذباتی آہنگ، صوتی حسن اور اصل نظم کے داخلی تاثر کو کس طرح برقرار رکھا جاتا ہے۔ اس اکائی کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ طالب علم یہ سمجھ سکے کہ منظوم ترجمہ محض لفظی ترسیل نہیں بلکہ ایک ہم آہنگ تخلیقی عمل ہے جس میں معنی و جذبات دونوں کو نئی شعری صورت عطا کی جاتی ہے۔

اکائی کا ایک اور اہم مقصد یہ ہے کہ طلباء نثری اور منظوم ترجمے کے بنیادی فرق کو باضابطہ طور پر سمجھ سکیں۔ اس حصے میں واضح کیا جائے گا کہ نثری ترجمہ معنی کی زیادہ وفاداری چاہتا ہے جب کہ منظوم ترجمہ جذبات، لَے، صوتی حسن اور ادبی ماحول کی بازیافت پر زور دیتا ہے۔ طلباء یہ بھی سیکھیں گے کہ کس صورت میں نثری ترجمہ زیادہ موزوں ہوتا ہے اور کب منظوم ترجمہ اختیار کرنا بہتر ہے۔ مثالوں کی مدد سے یہ بھی واضح کیا جائے گا کہ دونوں میں کیا اشتراکات ہیں اور کن پہلوؤں میں بنیادی اختلافات پائے جاتے ہیں۔

08.02 تمہید

ترجمہ انسانی تہذیب و تمدن کی تاریخ میں ایک نہایت اہم اور بنیادی عمل کی حیثیت رکھتا ہے۔ لفظ ''ترجمہ'' عربی زبان سے ماخوذ ہے اور عرب تہذیب میں کسی شخص کی سوانح یا حالاتِ زندگی کو بیان کرنے کو ترجمہ کہا جاتا تھا۔ اُردو میں بھی قدیم زمانے میں یہی معنی کبھی کبھار رائج تھے، اگرچہ اس کا استعمال محدود تھا۔ ترجمہ کا تلفظ اوّل و سوم مفتوح کے ساتھ زیادہ درست اور قابلِ ترجیح ہے، اگرچہ بعض اوقات سوم مضموم کے ساتھ بھی سنائی دیتا ہے، شاید اس لیے کہ ''ترجمان'' کا وزن بدگمان ہے۔ انگریزی میں ترجمہ کو Translation اور ترجمہ کرنے والے کو Translator کہا جاتا ہے۔

ترجمہ دراصل ایک زبان سے دوسری زبان میں کسی مطلوبہ مواد، خیال یا مفہوم کو منتقل کرنے کا عمل ہے۔ یہ عمل صرف الفاظ کے بدل دینے کا نام نہیں بلکہ ''ترسیلِ علم'' کا ایک مضبوط ذریعہ بھی ہے، کیوں کہ ترجمے کے ذریعے وہ علمی، ادبی، سائنسی اور فکری نتائج ایک زبان سے دوسری زبان تک پہنچتے ہیں جو کسی خاص دَور میں انسانیت کے لیے ناگزیر ہوتے ہیں۔ اسی لیے ترجمہ کو ''مفتاح العلوم''، یعنی ''علوم کی کنجی'' بھی کہا گیا ہے۔ یہ کنجی علوم و فنون کے بند دروازے کھولتی ہے اور مختلف قوموں کے درمیان علم و دانش کے تبادلے کو ممکن بناتی ہے۔

ترجمہ خواہ نثری ہو یا منظوم، مترجم کے لیے ذولسانیت بنیادی شرط ہے۔ مترجم کو دونوں زبانوں کے ذخیرۂ الفاظ، محاورات، مترادفات، تشبیہات، استعارات اور تہذیبی و سماجی پس منظر سے گہری واقفیت ہونی چاہیے تاکہ اصل متن کی فضا، معنی اور تاثیر قاری تک پوری صحت کے ساتھ منتقل ہو سکے۔ نثری ترجمے کے لیے نثر کی اصناف، جملوں کی ترکیب اور مکالماتی خصوصیات سے آگاہی بھی لازمی ہے، جب کہ منظوم ترجمے میں مترجم کا موزوں طبع ہونا، شعری سرمایہ، ہیئت اور اصنافِ شعر پر گہری نگاہ رکھنا نہایت اہم شرط ہے۔ اس کے بغیر اصل شاعری کی تاثیر اور فضا کو قائم رکھنا ممکن نہیں ہوتا۔

الغرض، ترجمہ ایک تخلیقی، فکری اور لسانی مہارت کا تقاضا کرنے والا عمل ہے جس میں مترجم کو نہ صرف متن کے مرکزی خیال اور اسلوبِ اظہار کو سمجھنا ہوتا ہے بلکہ اسے اس تاثیر کو بھی قاری تک منتقل کرنا ہوتا ہے جو اصل فن پارے میں موجود ہوتی ہے۔ اسی لیے ترجمہ محض لفظی منتقلی نہیں بلکہ ایک ذمہ دارانہ، سوچ سمجھ کر کیا جانے والا ادبی و فنی عمل ہے۔

08.03 نثری ترجمہ: اصول و تقاضے

ترجمہ خواہ نثری ہو یا منظوم، اس کی بنیادی اور پہلی شرط مترجم کی ذولسانیت ہے۔ مترجم کو نہ صرف تصنیف کی زبان بلکہ ترجمے کی زبان سے بھی پوری واقفیت درکار ہوتی ہے اور یہ واقفیت محض لغوی یا اصطلاحی ہی نہیں بلکہ سماجی و ثقافتی پس منظر تک وسیع ہونی چاہیے۔ ہر زبان ایک تہذیب کی پروردہ ہوتی ہے، اس لیے ہر لفظ صرف اپنے لغوی معنی تک محدود نہیں رہتا بلکہ اپنے ساتھ ایک خاص ثقافتی معنیاتی رنگ بھی لیے ہوتا

ہے۔ جب مترجم دونوں زبانوں کی لغت، محاوروں، اصطلاحات اور مترادفات پر پوری دسترس رکھتا ہے تو وہ نہ صرف متن کا صحیح مفہوم منتقل کر سکتا ہے بلکہ اصل معنی کے ساتھ جڑے ہوئے تہذیبی رنگ اور معنیاتی رچاؤ کو بھی ترجمے میں برقرار رکھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترجمہ کسی ایک فنی خصوصیت کا نام نہیں بلکہ کئی شعبوں کی مجموعی مہارت کا نتیجہ ہے۔

جب نثری تراجم کی بات کی جاتی ہے تو اس سے مراد صرف جملوں کی تبدیلی نہیں بلکہ ادبی نثر کی ایک تہذیبی، فکری، جمالیاتی اور تاثراتی فضا کو ایک دوسری زبان میں منتقل کرنا ہوتا ہے۔ علمی کتابوں کے مقابلے میں نثری ادب کے ترجمے میں محض لفظی ترجمہ کافی نہیں ہوتا، کیوں کہ ادبی تحریر میں لفظ صرف معنی نہیں بلکہ کیفیت، فضا اور احساس پیدا کرتا ہے۔ مترجم کو اصل متن کی جمالیاتی فضا، اس کی تہذیبی گہرائیاں، اس کے ادبی محاسن اور اس کے جذبے کی سطح کو پوری امانت داری سے ترجمے میں منتقل کرنا ہوتا ہے۔ ایک کامیاب نثری مترجم اصل ادبی فن پارے کو پڑھ کر صرف سمجھتا نہیں بلکہ اسے جذب کرتا ہے، اور اسی جذب کے بعد وہ ترجمے کی زبان میں ایسا اظہار کرتا ہے کہ نہ خیال بدلے، نہ جذبہ کم ہو، نہ فضا متاثر ہو۔

زبان سے واقفیت ترجمے کا سب سے پہلا مرحلہ ہے۔ نثری ادب کی زبان علمی نثر کی طرح سیدھی اور خشک نہیں ہوتی، بلکہ اس میں تہہ در تہہ جذباتی اور فکری کیفیتیں موجود ہوتی ہیں۔ ادبی زبان میں علامتیں، تشبیہیں، استعارات، روزمرہ اور ضرب الامثال صرف اظہار کے آلات نہیں بلکہ پورے ماحول کا حصہ ہوتی ہیں۔ اسی لیے مترجم کو دونوں زبانوں کے ان تمام پہلوؤں سے گہری واقفیت ہونی چاہیے۔ اگر وہ ان میں سے کسی ایک پہلو کو بھی نظر انداز کرے گا تو ترجمہ محض لغوی تبدیلی کی سطح پر رہ جائے گا، ادبی نہیں بن سکے گا۔

افسانوی ادب میں مترجم کی ذمہ داریاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں، کیوں کہ اس میں مکالمہ ایک اہم فنی جز ہے۔ مکالمہ ہمیشہ کردار کے سماجی مرتبے، تہذیبی ماحول اور ذہنی سطح کے مطابق ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ''گؤ دان'' کا ہوری اور ''فردوسِ بریں'' کا شیخ علی وجودی اپنی گفتگو میں کبھی ایک دوسرے کی زبان نہیں اختیار کر سکتے۔ ہوری کی زبان کسان کی سادگی، دیہی پس منظر اور معاشرتی تجربات کو ظاہر کرتی ہے، جبکہ شیخ علی وجودی کی گفتگو میں تہذیبی شائستگی، علمی رچاؤ اور نفسیاتی پیچیدگیاں جھلکتی ہیں۔ اسی طرح بیدی کے ناولٹ ''ایک چادر میلی سی'' کا کردار تلو کے اپنی گفتگو میں ''باگ'' اور ''گھوڑے'' جیسے الفاظ استعمال کرتا ہے، جو اس کے پیشے (تانگے والے) سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں۔ ان الفاظ کے بغیر اس کردار کے غصے، اس کے رویّے اور اس کی ذہنی کیفیت کا صحیح اندازہ ممکن نہیں۔ یہ مثالیں اس بات کی علامت ہیں کہ مترجم کو کرداروں کے سماجی، تہذیبی اور معاشی پس منظر کا پورا ادراک ہونا چاہیے۔

اسی طرح ڈپٹی نذیر احمد کے ناول ''ابن الوقت'' میں حجت الاسلام کی گفتگو عربی و فارسی تراکیب، قرآنی آیات اور منطقی استدلال سے لبریز ہے۔ یہ انداز خود اس کردار کے علمی پس منظر کی نشاندہی کرتا ہے۔ اگر مترجم ان حوالوں اور لفظیات کی تہذیبی جڑوں کو نہیں سمجھتا تو ترجمہ بے روح ہو جائے گا۔ حجت الاسلام کی گفتگو میں ''مزلتہ الاقدام''، ''شرکِ خفی''، ''کثیر الوقوع غلطی'' جیسے الفاظ صرف زبان نہیں بلکہ ایک علمی دنیا کی نمائندگی ہیں۔ مترجم کو ان کا مطلب ہی نہیں بلکہ اس علمی فضا کا بھی ترجمہ کرنا پڑتا ہے جسے اصل مصنف نے اختیار کیا۔

مناسب الفاظ کا انتخاب ترجمے کی خوب صورتی میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ لفظ ''poor'' کی مثال لیجیے:

He was a poor farmer میں ''poor'' غربت کے معنوں میں ہے۔

Poor woman was weeping میں ''poor'' بے چاری کے معنوں میں ہے۔

Your writing is very poor میں ''poor'' معیار کی پستی ظاہر کر رہا ہے۔

یہ مثالیں بتاتی ہیں کہ ایک ہی لفظ مختلف سیاق میں بالکل مختلف معنی رکھتا ہے۔ مترجم اگر ان معنوی تبدیلیوں کو نہ سمجھے تو ترجمہ غلط فہمی پیدا کر دے گا۔

اسی طرح ''فلک'' کا استعمال غور طلب ہے۔ لغت میں ''فلک'' آسمان کے معنوں میں ہے، مگر اُردو شاعری میں ''خدا'' کے معنوں میں بھی آتا ہے:

''سرکار فلک کے لیے کوئی پیغام'' اسے اگر مترجم ''Lord of heaven'' ترجمہ کرے گا تو وہ اصل مرادی معنی یعنی ''خدا'' کو درست طور پر منتقل کرے گا۔ یہ تبھی ممکن ہے جب مترجم نہ صرف زبان بلکہ ادب اور شاعری کے سرمایے سے بھی واقف ہو۔

جملے کی ساخت بھی ترجمے میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اُردو اور انگریزی میں جملوں کی ترتیب مختلف ہوتی ہے، اور ادبی نثر میں کبھی جملے قاعدے سے ہٹ کر بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ جس کی مثال ''فسانۂ عجائب'' کے قافیے دار جملے ہیں۔ مترجم کو ان ساختیاتی خصوصیات کو سمجھ کر مناسب تبدیلی کے ساتھ ترجمہ کرنا ہوتا ہے تا کہ اصل اسلوب متاثر نہ ہو۔

ادبی نثر میں مصنف کے مخصوص لب و لہجے کی پہچان ضروری ہے۔ بعض تحریریں سادہ ہوتی ہیں، بعض میں جذبات کی شدت ہوتی ہے، بعض میں جملے چھوٹے چھوٹے مگر زوردار ہوتے ہیں، اور بعض میں پیچیدہ استعارات اور نازک تہذیبی حوالے ہوتے ہیں۔ مترجم کو اپنے لفظوں کے انتخاب سے یہ سب کچھ قاری تک منتقل کرنا ہوتا ہے۔ وہ اگر جذبات کی شدت کو کم کر دے، یا پیچیدگی کو بے جا آسان بنا دے، تو ترجمہ اصل متن سے فنی طور پر دُور ہو جائے گا۔

نثر کے ترجمے میں فضا سازی (Atmosphere) ایک نہایت اہم عنصر ہے۔ ادیب بعض اوقات ایک مکمل فضا بنانے کے لیے مخصوص الفاظ، جملوں کی رفتار، علامات اور صوتی ترتیب کا استعمال کرتا ہے۔ مترجم کو اس فضا کی پہچان ہونی چاہیے اور اسے ترجمے میں بھی برقرار رکھنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول کے مترجم کو ناول کے فن سے واقف ہونا لازمی ہے، اور علمی نثر کے مترجم کے لیے متعلقہ علم سے واقفیت ضروری ہے۔ اگر مترجم ادب یا علم سے ناواقف ہو تو وہ صرف الفاظ کا ترجمہ کرے گا، مفہوم اور فضا کھو دے گا۔

نثری ترجمے کے اصول و تقاضے بہت وسیع ہیں۔ مترجم کو زبان، ثقافت، ادب، اسلوب، کرداروں کے پس منظر، لفظوں کے تہہ دار معنی، فضا سازی اور ادیب کی تخلیقی روش سب کا علم ہونا چاہیے۔ صرف مطالعہ، ذوق، تخلیقی فہم اور ادبی شعور ہی اسے ایک کامیاب مترجم بناتے ہیں۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:

﴿۱﴾ ترجمے کی پہلی بنیادی شرط کیا ہے؟

﴿۲﴾ ''گؤدان'' کا مرکزی کردار جس کی زبان کا حوالہ آیا، اس کا نام کیا ہے؟

﴿۳﴾ ''ابن الوقت'' میں علمی اور عربی و فارسی آمیز گفتگو کس کردار کی ہے؟

﴿۴﴾ ''Poor woman'' میں لفظ poor کس معنی میں استعمال ہوا ہے؟

08.04 منظوم ترجمہ: اصول وتقاضے

منظوم ترجمہ سے مراد وہ عمل ہے جس میں کسی بھی شعری تخلیق کو اس کے مرکزی خیال اور مجموعی تاثرات کے ساتھ دوسری زبان میں شعری انداز میں منتقل کیا جاتا ہے۔ یہ عمل محض الفاظ کے بدلنے تک محدود نہیں ہوتا بلکہ اس میں شاعری کی روح، اس کے جذبات، احساسات، تشبیہات، استعارات اور ادبی فضا کو بھی برقرار رکھنا ضروری ہے۔ اگر غور کیا جائے تو منظوم ترجمہ ایک قسم کا باز تخلیقی عمل ہے، کیوں کہ یہاں صرف لفظی تبدیلی سے کام مکمل نہیں ہوتا بلکہ اصل شعری متن کے تمام تہذیبی اور ثقافتی حوالوں کو بھی ترجمے کی زبان میں منتقل کرنا ضروری ہے، تاکہ ترجمہ شدہ نصوص اپنی زبان کے ادبی اور شعری مزاج کے تمام تقاضوں پر پورا اتر سکے۔

منظوم ترجمے کے بنیادی اصول میں سب سے اہم شرط یہ ہے کہ مترجم دونوں زبانوں سے مکمل واقفیت رکھتا ہو۔ یعنی نہ صرف متن کی زبان بلکہ ترجمے کی زبان کے ادبی، ثقافتی اور تاریخی پس منظر سے بھی باخبر ہونا ضروری ہے۔ مترجم کے لیے یہ بھی لازمی ہے کہ وہ عروض اور شعری وزن، قافیہ اور ردیف سے واقف ہو تاکہ اصل نظم کا آہنگ اور موسیقیت برقرار رہ سکے۔ مترجم کو یہ بھی توقع کی جاتی ہے کہ وہ شعری ذخائر اور شعری روایات سے بھی واقف ہو، کیوں کہ اگر اسے یہ علم نہ ہو تو نظم کے صحیح آہنگ اور فارمیٹ کا انتخاب کرنا مشکل ہو جائے گا۔ مثال کے طور پر، اگر اُردو کے ایک غزل کا ترجمہ انگریزی میں کرنا ہو، تو مترجم کو چاہیے کہ وہ انگریزی کے شعری قالب اور موسیقی کے اصولوں کو بھی مدنظر رکھے تاکہ اصل نظم کی روح برقرار رہے۔

منظوم ترجمے میں ہیئت اور فارم کا تعین بھی انتہائی ضروری ہے۔ ہر زبان میں شعری اصناف کی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں، جیسے فارسی میں غزل ہے لیکن انگریزی میں براہِ راست غزل کی ہیئت نہیں ہوتی۔ مترجم کو چاہیے کہ وہ اصل شعری متن کے قریب ترین ہیئت کا انتخاب کرے تاکہ زیادہ سے زیادہ خصوصیات ترجمے میں منتقل ہوں۔ بعض ماہرین کا کہنا ہے کہ نظم کا منظوم ترجمہ کرنے سے پہلے نثری ترجمہ کر لینا مفید رہتا ہے، کیوں کہ اس سے کام آسان ہو جاتا ہے اور اہم نکات چھوٹنے کا خطرہ کم ہوتا ہے۔ نثری ترجمے میں جملوں کی ترتیب بدلی جا سکتی ہے یا اضافے کیے جا سکتے ہیں، لیکن منظوم ترجمے میں شعری آہنگ اور جذبہ برقرار رکھنا لازمی ہے۔ جگر مرادآبادی کے ایک شعر میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے۔

اے متاعِ سخن کے دیوانے
ماورائے سخن بھی ہے اک بات

یہ شعر اس اصول کی عکاسی کرتا ہے کہ منظوم ترجمے میں صرف قواعد وضابطے کی پابندی کافی نہیں بلکہ شاعری کے ماورائے سخن پہلو کو سمجھنا اور اسے ترجمے میں منتقل کرنا مترجم کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ یہی وہ جہت ہے جو ضابطے کی ترجمہ کاری سے اوپر اٹھ کر شعری تخلیق کو زندہ کرتی ہے۔

منظوم ترجمے میں مترجم کا بنیادی کام یہ ہے کہ وہ شاعر کے اصل منشا اور مقصد کو قاری تک پہنچا سکے۔ محض مفہوم کی ترسیل کافی نہیں، بلکہ شاعری کی وہ فضا بھی منتقل ہونی چاہیے جو تشبیہات، استعارات، جمالیاتی تاثرات، تخیل اور احساسات کے امتزاج سے وجود میں آئی ہے۔ ہر زبان کے اپنے محاورے، علامتیں اور تراکیب ہوتی ہیں، جو دوسری زبان میں عین مطابق موجود نہیں ہوتیں، اس لیے مترجم کو لفظی ترجمے کی بجائے مفہوم اور معنی کی ترجمانی کرنی چاہیے اور ترجمے کی زبان میں موجود مترادفات اور مماثلات استعمال کرنے چاہئیں۔

ہر شعری تخلیق کا اپنا ایک انفرادی اسلوب ہوتا ہے، جو طرزِ بیان، ادائے نگارش، اندازِ تخاطب اور لب و لہجے کی بنیاد پر دوسری تخلیق سے مختلف ہوتا ہے۔ شاعر اپنے جذبات اور عقائد کو بہترین الفاظ میں نظم کرتا ہے اور مترجم کا فرض ہے کہ وہ ترجمے میں بھی اسی اسلوب اور جذبات کو برقرار رکھے۔ اسی طرح، ہیئت و فارم کا تعین بھی ضروری ہے تاکہ ترجمے میں شعری تخلیق کی زیادہ تر خصوصیات منتقل ہو سکیں اور قاری کو اصل متن جیسا تاثر حاصل ہو۔

- منظوم ترجمے کی مختلف اقسام میں چار اہم درجہ بندی کی جاتی ہے:
- لفظی ترجمہ: محض الفاظ کا تبادلہ، تخلیقی خصوصیات سے محروم اور اصل آہنگ برقرار نہیں رہتی۔
- آزاد ترجمہ: مرکزی خیال اور مجموعی تاثرات برقرار رکھتے ہوئے ترجمہ، ترجمے کی زبان کے شعری تقاضے استعمال کیے جاتے ہیں۔
- ماخوذ ترجمہ: آزاد ترجمے سے قریب، لیکن مترجم اپنے خیالات اور تجربات بھی شامل کرتا ہے، بشرطیکہ مرکزی خیال برقرار رہے۔
- تخلیقی ترجمہ: سب سے اعلیٰ درجہ، جہاں مترجم شاعر کے جذبات اور تاثرات کو اپنے دل و دماغ پر طاری کر کے اپنی زبان میں پیش کرتا ہے اور یہ عمل تحقیقی اور فنی لحاظ سے سب سے معتبر ہوتا ہے۔

نثری ترجمے کے مقابلے میں منظوم ترجمے کی مشکلات کئی گنا زیادہ ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ نثری ترجمہ محض معنوی ترسیل پر مبنی ہوتا ہے جب کہ منظوم ترجمے میں شاعر کے جذبے، آہنگ، تشبیہات، استعارات اور مجموعی فضا کو برقرار رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہر زبان میں لفظوں کے معین معنی یکساں نہیں ہوتے۔ اکثر الفاظ کے متعدد معنی ہوتے ہیں اور بعض اوقات ایک ہی لفظ کے متضاد معانی بھی نکل آتے ہیں۔ مثلاً اُردو کا لفظ ''دل'' محض جسمانی عضو کو نہیں بلکہ جذبے، حوصلے یا مرکزِ احساس کی علامت بھی ہو سکتا ہے۔ ایسے میں لفظی ترجمہ اکثر معنوی خلا پیدا کر دیتا ہے۔

یہ مسئلہ صرف روزمرہ زبان تک محدود نہیں بلکہ علمی و فنی اصطلاحات میں بھی پایا جاتا ہے۔ طبعی علوم میں جیسے پروٹون، الیکٹران، لہر وغیرہ جیسے بنیادی اجزاء ہیں، ان کا ترجمہ بھی مخصوص سائنسی اصطلاحات کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ اسی طرح ادب اور شاعری میں بھی یہ مشکلات بڑھ جاتی ہیں، کیوں کہ ذو معنی الفاظ، ایہام اور لہجے کی باریکی ترجمہ کے راستے میں دیوار کھڑی کر دیتے ہیں۔ ایک چھوٹی مثال:

کون ہوتا ہے حریفِ مےِ مردافگنِ عشق؟ (دعوت کے لہجے میں)

کون ہوتا ہے حریفِ مےِ مردافگنِ عشق؟! (مایوسی کے لہجے میں)

یہاں ایک شعر کے دو معنی ہیں اور ترجمہ نگار کو چاہیے کہ وہ دونوں مفاہیم اور لہجے کی باریکی کو سمجھتے ہوئے ترجمہ کرے، ورنہ قاری اصل تاثر سے محروم رہ جائے گا اور منظوم ترجمے میں تشریح کی گنجائش نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے یہ کام مزید پیچیدہ ہو جاتا ہے۔

علامہ اقبال کی نظم ''پہاڑ اور گلہری'' اس بات کی بہترین مثال ہے کہ کس طرح بچوں کی شاعری میں بھی تخلیقی اور جذباتی پہلوؤں کو منتقل کرنا مشکل ہو سکتا ہے۔ یہ نظم اصل میں ایمرسن کی نظم پر مبنی ہے، لیکن اقبال نے اسے اردو کے شعری مزاج کے مطابق دوبارہ ترتیب دیا:

علامہ اقبال کی نظم ''پہاڑ اور گلہری'' بچوں کے لیے لکھے گئے ادب میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ یہ نظم اصل میں ایمرسن کی نظم پر مبنی ہے، لیکن اقبال نے اسے اُردو کے شعری مزاج اور بچوں کے فہم کے مطابق دوبارہ تخلیق کیا۔ اس نظم میں دو بنیادی کردار ہیں: ایک پہاڑ اور ایک گلہری۔ پہاڑ اپنی بڑائی اور عظمت پر غرور کرتا ہے، جب کہ گلہری چھوٹی سی، عام سی مخلوق ہے۔ اس کے ذریعے اقبال بچوں کو یہ سبق دیتے ہیں کہ قدرت کی ہر تخلیق کا اپنا مقام اور اہمیت ہے، چاہے وہ بڑی ہو یا چھوٹی۔

نظم کے ایک اہم شعر میں پہاڑ گلہری سے کہتا ہے ۔

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اک گلہری سے

تجھے ہو شرم تو پانی میں جا کے ڈوب مرے

یہاں پہاڑ اپنی عظمت اور طاقت کے سبب گلہری کو کمتر سمجھتا ہے، جیسے کہ وہ کہہ رہا ہو کہ تم چھوٹی اور کمزور ہو، تمہاری حیثیت مجھ سے کم ہے۔ لیکن گلہری اس کو منہ بند کر کے جواب دیتی ہے، نظم میں یہ لائنیں ہیں ۔

کہا یہ سن کے گلہری نے منہ سنبھال ذرا

یہ کچی باتیں ہیں، دل سے انہیں نکال ذرا

یہاں گلہری کا جواب حکمت اور سمجھداری کا اظہار ہے۔ اس نے پہاڑ کے غرور کو ٹال دیا اور خود کو کمتر نہ سمجھا۔

اہم شعر جو بچوں کے لیے سبق آموز ہے اور جس کا لفظی ترجمہ ''Nut'' یعنی اخروٹ کے ساتھ ہوا ۔

جو تو بڑا ہے تو مجھ سا ہنر دکھا مجھ کو

یہ چھالیہ ہے! ذرا توڑ کر دکھا مجھ کو

ایمرسن کی اصل نظم میں Nut کا لفظ استعمال ہوا تھا، جس کا مطلب اخروٹ ہوتا ہے، لیکن اقبال نے بچوں کی زبان اور دلچسپی کے مطابق اسے چھالیہ کر دیا۔ اس شعر میں گلہری پہاڑ سے کہتی ہے کہ اگر تم واقعی بڑی اور طاقتور ہو تو مجھے وہ چھوٹی سی چیز بھی دکھا دو جو میں کر سکتی ہوں۔ چھالیہ بھی ایک چھوٹی سی چیز ہے، جسے توڑنا گلہری کے لیے ممکن ہے، اور یہ ایک عملی اور بصری مثال بن گئی بچوں کے لیے۔ اس سے نظم میں مزاح اور عملی تجربہ بھی آتا ہے اور یہ بچوں کی زبان اور شعور کے مطابق بھی ہے۔ اس طرح اقبال نے نہ صرف ترجمہ کیا بلکہ تخلیقی ترجمہ (Creative Translation) کیا تا کہ اصل فلسفہ اور مزاج برقرار رہ سکے۔

نظم کے باقی اشعار بچوں کو یہ سمجھاتے ہیں کہ ہر چیز خدا کی قدرت کی نعمت ہے اور سب کا اپنا مقام اور اہمیت ہے ۔

ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے

کوئی بڑا، کوئی چھوٹا۔ یہ اس کی حکمت ہے

یہ سبق بچوں میں احترام، عاجزی، خود اعتمادی اور قدرت کے نظم و نسق کی پہچان پیدا کرتا ہے۔ پہاڑ اور گلہری کے فرق کے ذریعے اقبالؔ نے یہ پیغام دیا کہ ہمیں اپنی چھوٹی یا بڑی حیثیت پر غرور نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اپنی صلاحیتوں اور ہنر کو پہچاننا چاہیے۔

اقبال کی دیگر بچوں کے لیے نظمیں بھی اسی اصول پر مبنی ہیں۔ جیسے: ''ایک گائے اور بکری'' میں ہم آہنگی اور ہمدردی کا سبق ہے۔ ''ماں کا خواب'' میں بچوں میں جذبات، خیال اور محبت کے رشتے کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اقبال کے ترجمے یا ماخوذ ترجمے میں اصل احساس، تاثر اور سبق ہمیشہ برقرار رہتا ہے، چاہے لفظی تبدیلی کی گئی ہو۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:

﴾۵﴿ منظوم ترجمہ کس چیز کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کا عمل ہے؟

﴾۶﴿ اقبال نے ''Nut'' کا ترجمہ کس لفظ سے کیا؟

﴾۷﴿ منظوم ترجمے میں سب سے اہم تکنیکی ضرورت کیا ہے؟

08.05 نثری اور منظوم ترجمے میں فرق

نثری اور منظوم ترجمے کے بنیادی اصولوں اور تقاضوں میں بظاہر کوئی بہت بڑا یا ناقابلِ عبور فرق نظر نہیں آتا، کیوں کہ دونوں ہی صورتوں میں مترجم سے سب سے پہلی اور بنیادی شرط ذولسانیت یعنی دونوں زبانوں پر مکمل عبور کی توقع کی جاتی ہے۔ ترجمہ خواہ نثری ہو یا منظوم، مترجم کے لیے ضروری ہے کہ اسے اصل زبان (Source Language) اور ترجمے کی زبان (Target Language) دونوں کے ذخیرۂ الفاظ، محاورات، مترادفات، روزمرہ، حکایتی طرزِ بیان، اور تہذیبی وسماجی پس منظر پر مکمل عبور ہو۔ ان تقاضوں کے بغیر نہ نثری ترجمہ مکمل ہوتا ہے اور نہ منظوم۔ تاہم دونوں میں فرق اُس وقت نمایاں ہوتا ہے جب ہم ان کے فنی پہلوؤں، اسلوبیاتی ترجیحات اور ادبی سانچوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

نثری ترجمے میں مترجم کے سامنے بنیادی چیلنج مصنف کی زبان، جملوں کی ساخت، کرداروں کی بول چال اور ان کے سماجی پس منظر کو سمجھ کر اسے نئی زبان میں پوری دیانت کے ساتھ منتقل کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کسی ناول میں ایک گاؤں کی عورت کا کردار اپنی مخصوص بولی میں بات کرتا ہے تو مترجم کو اُردو یا دوسری زبان میں اس کا متبادل ایسا رکھنا ہوگا جو اس کے لہجے، تہذیب اور شخصیت کو واضح کر سکے۔ نثری ترجمے میں مترجم مصنف کے بیان کردہ ماحول، لہجے، بیانیہ اور نقطۂ نظر سے ہٹ نہیں سکتا۔ اسے صرف شاعر یا مصنف کے جملوں کو تبدیل کر کے مناسب ترین جملے بنانے ہوتے ہیں اور یہ خیال رکھنا ہوتا ہے کہ قولِ معروف برقرار رہے، لیکن زبان قاری کے لیے رواں اور قابلِ فہم بھی بنی رہے۔

اس کے برعکس منظوم ترجمے میں مترجم ایک نسبتاً مختلف صورتِ حال سے دوچار ہوتا ہے۔ یہاں اس کے سامنے صرف اصل شعر کے مفہوم کو پہنچانے کا مطالبہ نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر شعری آہنگ، موسیقیت، تاثراتی فضا، تشبیہات، استعارات، علامتوں اور جذبات کو ترجمے کی زبان میں پوری ہنرمندی سے منتقل کرنا ہوتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ منظوم ترجمہ کرنے والا صرف مترجم نہیں، بلکہ کسی درجے میں شاعر بھی ہوتا ہے۔ اس لیے منظوم ترجمہ کرنے والے کا موزوں طبع ہونا یعنی اس کا فطرتاً شاعر ہونا اولین شرط ہے اور وہ دونوں زبانوں کے عروضی نظام، تلازمات، شعری روایتیں، اور صنفِ شعر کے فنی مزاج سے بھی واقف ہو۔ مثلاً اگر فارسی کا کوئی غنائیہ ترجمہ اُردو میں کرنا ہو تو صرف مفہوم منتقل کرنا کافی نہیں، بلکہ مترجم کو اس لہجے کی نرمی، جذبات کی لطافت اور بیان کی ماہیت کو بھی اُردو میں اسی طرح برقرار رکھنا ہوگا۔

نثری ترجمے میں مترجم کو پلاٹ، کرداراور مکالموں میں کہیں زیادہ بندھن کا سامنا ہوتا ہے، کیوں کہ وہ مصنف کے جملے سے کبھی بہت زیادہ دؤر نہیں جا سکتا۔ جب کہ منظوم ترجمے میں یہ پابندی اپنی جگہ کم ہوتی ہے، لیکن دوسری طرف اسے اس اضافی ذمہ داری کا سامنا ہوتا ہے کہ اسے وزن، قافیے، بحر یا کم از کم ایک شعری آہنگ کا لحاظ رکھنا ہوگا، جو نثری ترجمے میں سرے سے موضوع ہی نہیں ہوتا۔ اسی سے دونوں ترجموں کے درمیان بنیادی نوعیت کا پہلا بڑا فرق پیدا ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک اہم فرق ہیئت کے انتخاب کا ہے۔ نثری ترجمے میں ہیئت یا فارم کوئی مسئلہ نہیں ہوتا، کیوں کہ نثر اپنی فطرت میں بے قید ہے۔ مترجم جہاں ضرورت ہو پیراگراف بدل سکتا ہے، جملہ تبدیل کر سکتا ہے، مثال شامل کر سکتا ہے، وضاحت بڑھا سکتا ہے۔ لیکن منظوم ترجمے میں اصل نظم کی ہیئت (وزن، بحر، فارم) کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً اگر اصل نظم انگریزی میں Couplet form میں ہے، لیکن اُردو میں وہ فارم اسی طرح موجود نہیں، تو مترجم کو اُردو کی ایسی صنف اختیار کرنا ہوگی جو مزاج کے لحاظ سے قریب تر ہو۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ منظوم ترجمہ نثری ترجمے سے زیادہ تخلیقی ذمہ داری کا حامل ہے اور مترجم پر یہ لازم ہے کہ وہ ترجمے کی زبان کے شعری سرمایہ اور ہیئتی امکانات پر مکمل عبور رکھتا ہو۔

اس کے مقابلے میں نثری ترجمے میں یہ ہیئتی دشواری نہیں۔ مترجم پورے متن کو جملوں اور پیراگراف کے ذریعے بآسانی ترقی دے سکتا ہے اور اصل متن کے مطابق جملوں کا سلیقہ بدل سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر انگریزی کے ایک طویل جملے میں دس خیالات سمٹے ہوں تو اُردو میں مترجم اسے تین الگ جملوں میں تقسیم کر سکتا ہے، جب کہ منظوم ترجمے میں اسے ایسے وزن، بحر اور قافیے کے ساتھ ایک مکمل مصرع یا شعر بنانا ہوگا جہاں خیالات کو منتشر کیے بغیر مربوط رکھا جا سکے۔

منظوم ترجمے میں ایک اور فرق یہ ہے کہ مترجم کو شعری تاثر (Poetic Effect) اور جمالیاتی حسن قائم رکھنا ہوتا ہے۔ یہ حسن نثر میں اتنا لازمی نہیں ہوتا، کیوں کہ نثر معنی کی درست ترسیل پر زیادہ زور دیتی ہے؛ جب کہ نظم میں معنی کے ساتھ ساتھ لطافت، موسیقیت، جذبہ اور طرزِ احساس کو برقرار رکھنا بھی لازمی ہوتا ہے۔ اسی لیے منظوم ترجمہ کرتے وقت مترجم کو شاعر کے مزاج، اس کے لہجے، اس کے جذبات اور اس کے فنی تجربے کو اپنے باطن میں جذب کر کے پیش کرنا پڑتا ہے۔

پھر ایک اور اہم فرق یہ بھی ہے کہ نثری ترجمے میں مترجم کو مختلف کرداروں کی زبان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کردار انفرادی مزاج رکھتے ہیں، کوئی غصّے میں ہے، کوئی خوش مزاج ہے، کوئی دیہاتی لہجے میں بات کرتا ہے، کوئی اعلیٰ طبقے کی شائستہ زبان رکھتا ہے۔ انہیں سب کو مترجم نے ان کی اصل شخصیت کے ساتھ ترجمہ کرنا ہوتا ہے۔ لیکن منظوم ترجمے میں کرداروں کے زبان بولنے یا مکالمے کی پیچیدگی اتنی گہری نہیں ہوتی، کیوں کہ نظم میں کردار کم ہوتے ہیں یا ان کا اظہار استعاراتی ہوتا ہے۔ اس لیے یہ مشکل بھی نثری ترجمے میں زیادہ نمایاں ہے۔

آخر میں یہ بات کہ دونوں طرح کے ترجموں میں کئی تقاضے مشترک ہیں۔ دونوں میں زبان پر قدرت، دونوں زبانوں کے فنی نظام سے آگاہی، تہذیبی حساسیت، اور صحیح مفہوم کو مناسب ترین لفظ میں منتقل کرنے کا فن لازمی ہے۔ دونوں میں یہ بھی ضروری ہے کہ مترجم اصل متن سے دیانت داری کرے اور اس کے مفہوم، اس کے پیغام اور اس کی بنیاد کو نہ بگاڑے۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ نثری ترجمہ زیادہ معنی پر مرکوز ہے، جب کہ منظوم ترجمہ بیک وقت معنی اور تاثر دونوں کا پابند ہے۔ نثری ترجمہ ساختی ہوتا ہے، جب کہ منظوم ترجمہ جذباتی وفنّی۔ نثر معلومات دیتی ہے، نظم احساساتی فضا بناتی ہے؛ اس لیے ان دونوں کے تقاضے بظاہر قریب ہوتے ہوئے بھی اپنے اصل میں جداگانہ ہیں۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:

﴿۸﴾ نثری ترجمہ زیادہ تر کس چیز پر مرکوز ہوتا ہے؟

﴿۹﴾ منظوم ترجمہ کس چیز کا پابند ہوتا ہے؟

﴿۱۰﴾ منظوم ترجمے میں لازمی جمالیاتی عنصر؟

08.06 خلاصہ

اس اکائی میں ترجمے کی دو بنیادی اقسام یعنی نثری ترجمہ اور منظوم ترجمہ کے اصول، تقاضے اور عملی مسائل تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ ترجمے کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ مترجم دونوں زبانوں کے ذخیرۂ الفاظ، اسلوب، ساخت اور تہذیبی پس منظر پر گہری نظر رکھے۔ نثری ترجمہ نسبتاً آسان اور براہِ راست انداز رکھتا ہے، کیوں کہ اس میں جملوں کی ساخت، کرداروں کی زبان اور مصنف کے اسلوب کو اپنی اصل حالت میں دوسری زبان تک منتقل کیا جاتا ہے۔ مترجم کو یہ خیال رکھنا ہوتا ہے کہ مفہوم، معلومات اور بیانیہ کہیں بگڑنے نہ پائے۔ نثری ترجمہ تخلیق کی فضا، کرداروں کے لہجے اور سماجی حوالوں کو سادہ، واضح اور بامعنی انداز میں قاری تک پہنچانے کا عمل ہے۔

منظوم ترجمہ اس کے بالمقابل زیادہ مشکل اور باریک کام ہے۔ اس میں صرف الفاظ کو دوسری زبان میں منتقل نہیں کیا جاتا بلکہ اصل نظم کی آہنگ، موسیقیت، کیفیت، جذبات، تشبیہات و استعارات، اور تہذیبی فضا کو بھی ساتھ لے جانا ہوتا ہے۔ منظوم ترجمے کا عمل دراصل ''بازتخلیق'' کے مشابہ ہے۔ مترجم کے لیے موزوں طبع ہونا، عروض کی بنیادی سمجھ رکھنا، دونوں زبانوں کی شعری روایت سے آگاہی اور تہذیبی فہم لازمی قرار دیا گیا ہے۔ منظوم ترجمے میں ہر لفظ، مصرع اور ہیئت کے انتخاب میں یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ اصل نظم کا رنگ، تاثیر اور جذبات قائم رہیں۔ اسی لیے کہا گیا کہ پہلے نثری ترجمہ کر لیا جائے تو منظوم ترجمہ آسان ہو جاتا ہے، کیوں کہ نثر میں تھوڑی بہت تبدیلی یا اضافہ ممکن ہوتا ہے، مگر نظم میں نہیں۔

اکائی میں یہ بھی واضح کیا گیا کہ منظوم ترجمہ کرتے وقت اصل شاعر کی فکری دنیا، جذباتی کیفیت اور اس کی تخلیقی جہت کو سمجھنا ضروری ہے۔ ''ماورائے سخن'' کی جو سطح خوب صورت شاعری کا اصل جوہر ہوتی ہے، اس تک رسائی منظوم ترجمے کو کامیاب بناتی ہے۔ مترجم کو یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ شاعر کا اصل مقصد اور اس کی شعری فضا ترجمے میں باقی رہتی ہے یا نہیں۔ چوں کہ ہر زبان کے تشبیہی و استعاراتی نظام، محاوروں اور تراکیب میں فرق ہوتا ہے، اس لیے لفظ بہ لفظ ترجمہ اکثر غیر مناسب ثابت ہوتا ہے۔ مترجم کو ان الفاظ کے معنوی مترادفات تلاش کر کے اصل معنی وفضا قائم رکھنی ہوتی ہے۔

اکائی کے دوسرے حصّے میں منظوم ترجمے کی عملی مشکلات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ متعدد الفاظ کے دو یا زیادہ معنی، متضاد معنویت، اصطلاحات کے تغیرات اور لہجے کے فرق سے ترجمے میں پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ بعض اشعار کے مختلف لہجے مختلف معنی پیدا کر دیتے ہیں،

جس کی وجہ سے دوسرے زبان میں اسی کیفیت کو منظوم صورت میں منتقل کرنا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔اسی تناظر میں علامہ اقبال کی نظم ’’ایک پہاڑ اور گلہری‘‘ کا حوالہ دیا گیا ہے کہ اگرچہ نظم ایمرسن سے ماخوذ ہے،لیکن بعض جگہوں پر مثلاً NUT کا ترجمہ ’’چھالیہ‘‘ کیا گیا، جب کہ مفہوم اخروٹ کا تھا۔اس مثال کا مقصد یہ بتانا ہے کہ منظوم ترجمہ کرتے وقت لفظی ترجمہ ہمیشہ درست راستہ نہیں ہوتا، بلکہ اصل تجربے سے مناسبت رکھنے والا لفظ منتخب کرنا ضروری ہے۔

اکائی میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ فارسی واُردو کے بڑے شعرا جیسے اقبال، غالب، میر اور بیدل نے خود بھی بعض شعری تراکیب کو ترجمے کی زبان میں منتقل کرنا مشکل پایا۔کئی فارسی اشعار کا ترجمہ انگریزی یا اُردو میں ممکن تو ہوا، مگر وہ اصل کی چاشنی اور موسیقیت نہیں لا سکا۔اسی لیے مثنوی مولانا روم اور دیوانِ حافظ کے مکمل منظوم ترجمے آج تک نہیں کیے گئے، اگرچہ نثری ترجمے موجود ہیں۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شعری فن پارہ اپنے لسانی، ثقافتی اور تخلیقی پس منظر کے ساتھ جڑا ہوتا ہے اور اس کی مکمل منظوم منتقلی ہمیشہ آسان نہیں ہوتی۔

نثری اور منظوم ترجمے کے فرق کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا کہ بنیادی لسانی تقاضے دونوں میں یکساں ہیں، لیکن منظوم ترجمہ اضافی مہارتوں کا محتاج ہے، جیسے شعر کہنے کی صلاحیت، عروض کا علم اور دونوں زبانوں کی شعری روایت پر گہری نگاہ۔نثر میں کرداروں کی زبان، مکالموں اور بیانیہ کے صحیح ترسیل اہم ہے، جب کہ نظم میں لے، آہنگ، موسیقیت اور جذبات کی ترسیل ترجیح رکھتی ہے۔نظم کے ترجمے میں ہیئت یا فارم کا انتخاب بھی ایک اہم مسئلہ ہے، کیوں کہ ضروری نہیں کہ اصل نظم کی صنف ترجمے کی زبان میں بھی موجود ہو۔لہٰذا مترجم کو قریب ترین صنف منتخب کرنی پڑتی ہے۔

08.07 فرہنگ

- ادبی نثر : فنّی، جذباتی اور خوبصورت زبان والی نثر۔
- استعارات : کسی لفظ کو ایک مختلف معنی میں بطور تشبیہ استعمال کرنا۔
- ایہام : ایک لفظ میں چھپے دو یا زیادہ معنی پیدا کرنا۔
- بازتخلیق : دوبارہ تخلیق کرنا؛ ترجمہ جو ایک نئی تخلیق بن جائے۔
- تاثر : اثر، کیفیت یا جذبات جو پڑھنے والے پر پڑیں۔
- تاثرانگیزی : اثر پیدا کرنے کی طاقت۔
- تشبیہی واستعاراتی نظام : شاعری میں تشبیہ، استعارے اور علامتی اندازِ بیان کا پورا نظام۔
- علامت : کسی چیز کے لیے نشانی یا اشارہ، شاعری میں غیر مستقیم معنی۔
- علمی پس منظر : کسی کردار یا متن کی تعلیمی یا فکری بنیادیں۔
- علمی تراکیب : ادیبانہ یا علمی طرز کے خاص الفاظ اور جملے۔
- علمی نثر : تحقیقی، سائنسی، علمی یا معلوماتی نثر۔
- غنائیہ : گانے جیسی نرم اور میٹھی شاعری۔
- فضاسازی : تحریر میں ایسا ماحول بنانا جس سے منظر یا کیفیت محسوس ہو۔
- فنی نظام : ادب میں استعمال ہونے والے قواعد، اصول اور طریقے۔
- قالب : شاعری یا تحریر کا اسلوب، ڈھانچا، فارم۔

تخلیقی ترجمہ : ایسا ترجمہ جو تخلیق کا درجہ رکھتا ہو اور جذبات کو مکمل طور پر منتقل کرے۔

تہذیبی پس منظر : کسی زبان، قوم یا معاشرے کا ثقافتی ماحول اور تاریخی روایتیں۔

تہذیبی وسماجی حوالے : معاشرتی، ثقافتی یا تہذیبی پس منظر سے متعلق اشارے۔

جمالیاتی فضا : خوبصورتی، احساس اور حسن پیدا کرنے والا ادبی ماحول۔

جملوں کی ساخت : جملے کی ترتیب، بناوٹ اور تنظیم۔

حریفِ مے : شراب کا مقابلہ کرنے والا، استعارہ: عشق کی قوت کا مقابلہ کرنے والا۔

رچاؤ : گہرائی، پختگی یا بھراؤ۔

روزمرہ : عام بول چال کے جملے۔

ذخیرۂ الفاظ : لفظوں کا مجموعہ، الفاظ کا سرمایہ۔

ذولسانیت : دونوں زبانوں پر عبور، دوزبانیں اچھی طرح جاننا۔

ذومعنی الفاظ : وہ الفاظ جن کے کئی معنی ہوں۔

شعری تلازمات : شاعری میں جو الفاظ ہمیشہ ایک ساتھ استعمال ہوں یا خاص تعلق رکھتے ہوں۔

ضرب الامثال : کہاوتیں، مثالیں جو نصیحت یا سبق دیتی ہوں

طبعی علوم : سائنس کی وہ شاخیں جن کا تعلق مادّہ اور توانائی سے ہو (Physics وغیرہ)۔

طرزِ ادا : کسی بات کو ادا کرنے یا بیان کرنے کا مخصوص انداز۔

عروض : شاعری کے وزن، بحر، قافیہ اور ردیف کے اصول۔

قولِ معروف : شائستہ، مناسب اور درست گفتگو یا بات۔

لہجہ : بولنے یا لکھنے کا انداز، آواز یا جذبات کی کیفیت۔

لہجے کی باریکی : گفتگو یا شعر میں جذبات اور معنی کے نازک فرق۔

ماخوذ ترجمہ : ایسا ترجمہ جس میں مترجم اپنے خیالات بھی شامل کرے مگر اصل خیال برقرار رہے۔

مترادفات : ایک جیسے یا ملتے جلتے معنی رکھنے والے الفاظ

محاورات : رائج جملے یا الفاظ جن کا مطلب لفظی نہ ہو بلکہ مفہومی ہو۔

مردافگنِ عشق : عشق کی شدت سے انسان کو بے خود کر دینے والی قوت۔

معنوی خلا : ایسا خلا جہاں معنی پورے طور پر منتقل نہ ہو سکیں

معنیاتی رچاؤ : الفاظ کے معنی میں چھپی ہوئی گہرائی اور تہذیبی رنگ۔

مفہوم : اصل مطلب، بنیادی معنی۔

مفہوم کی ترسیل : اصل معنی کو دوسری زبان میں پہنچانا۔

مکالمہ : کرداروں کی گفتگو۔

منطقی استدلال : دلائل سے بات سمجھانا، منطقی طریقہ۔

موزوں طبع : شاعرانہ مزاج رکھنے والا شخص، جو قدرتی طور پر شاعری کر سکتا ہو۔

موسیقیت : لفظوں اور آوازوں کا ایسا حسن جو سننے میں خوشگوار لگے۔

نثری فضا : نثر میں بنایا گیا ماحول یا کیفیت۔

نغمگی : موسیقیت، ترنم، شاعری کا گیت والا حسن۔

ہیئت/ فارم : نظم یا شعر کی ظاہری ساخت، مثلاً غزل، نظم، ہائیکو وغیرہ۔

08.08 نمونہ امتحانی سوالات

الف: درجِ ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰/۱۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : نثری ترجمے میں کرداروں کی زبان سمجھنا کیوں ضروری ہے؟

سوال نمبر۲ : منظوم ترجمہ کرنے والے کے لیے موزوں طبع ہونا کیوں ضروری ہے؟

سوال نمبر۳ : نثری ترجمے میں کون سی مشکلات نسبتاً کم ہوتی ہیں؟

سوال نمبر۴ : منظوم ترجمے میں ہیئت کے انتخاب کا مسئلہ کیوں پیش آتا ہے؟

ب: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰/۳۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : نثری اور منظوم ترجمے میں بنیادی فرق کیا ہے؟

سوال نمبر۲ : منظوم ترجمہ نثری ترجمے کے مقابلے میں زیادہ مشکل کیوں ہے؟

سوال نمبر۳ : نثری اور منظوم ترجمے میں بنیادی مشترکہ شرط کیا ہے؟

سوال نمبر۴ : نثری ترجمے میں کرداروں کی زبان سمجھنا کیوں ضروری ہے؟

سوال نمبر۵ : منظوم ترجمے میں ہیئت کا انتخاب کیوں مشکل ہوتا ہے؟

سوال نمبر۶ : نثری ترجمے میں کون سی دقت منظوم ترجمے میں نہیں پائی جاتی ؟

سوال نمبر۷ : منظوم ترجمے کے لیے شعری تلازمات جاننا کیوں ضروری ہے؟

معروضی سوالات

سوال نمبر۱ : ''فلک'' اُردو شاعری میں بطور استعارہ کن معنوں میں بھی آتا ہے؟

(الف) قسمت (ج) آسمان

(ب) خدا (د) فرشتہ

سوال نمبر۲ : ''Poor'' کا لفظ جملے Your writing is very poor میں کس معنی میں آیا ہے؟

(الف) غربت (ج) معیار کی پستی

(ب) بے چارگی (د) خوبصورتی

سوال نمبر۳ : منظوم ترجمے میں اصل نظم کی موسیقیت برقرار رکھنے کے لیے سب سے اہم علم کون سا ہے؟

(الف) عروض اور وزن (ج) صرف محاورات

(ب) تاریخ وجغرافیہ (د) نثری جملہ بندی

سوال نمبر۴ : اقبال کی نظم ''پہاڑ اور گلہری'' کس شاعر کی نظم سے ماخوذ ہے؟

(الف) لانگ فیلو (ج) ایمرسن

(ب) ورڈس ورتھ (د) ٹینی سن

سوال نمبر۵ : NUT کا لفظ اقبال نے بچوں کی نظم میں کس لفظ سے بدل دیا؟

(الف) بادام (ج) اخروٹ

(ب) گوند (د) چھالیہ

سوال نمبر۶ : منظوم ترجمے میں سب سے اہم فنی ضرورت کون سی ہے؟

(الف) شعری آہنگ وموسیقیت (ج) سائنسی اصطلاحات

(ب) کردار نگاری (د) تاریخی حوالہ جات

سوال نمبر۷ : نثری ترجمے میں سب سے بڑی عملی مشکل کون سی ہے؟

(الف) بحر اور وزن کا انتخاب (ج) قافیے اور ردیف کا استعمال

(ب) کرداروں کی زبان اور لہجے کی منتقلی (د) استعارات کو موزوں بحر میں ڈھالنا

سوال نمبر۸ : منظوم ترجمہ نثری ترجمے کے مقابلے میں زیادہ دشوار کیوں ہوتا ہے؟

(الف) ترجمے میں وضاحت ممکن نہیں ہوتی (ج) الفاظ کم ہوتے ہیں

(ب) جملوں کی ساخت مشکل ہوتی ہے (د) آہنگ، موسیقیت اور جذبات محفوظ رکھنے ہوتے ہیں

معروضی سوالات کے جوابات

جواب نمبر۱ : (ب) خدا

جواب نمبر۲ : (ج) معیار کی پستی

جواب نمبر۳ : (الف) عروض اور وزن

جواب نمبر۴ : (ج) ایمرسن

جواب نمبر۵ : (د) چھالیہ

جواب نمبر۶ : (الف) شعری آہنگ وموسیقیت

جواب نمبر۷ : (ب) کرداروں کی زبان اور لہجے کی منتقلی

جواب نمبر۸ : (د) آہنگ، موسیقیت اور جذبات محفوظ رکھنے ہوتے ہیں

08.09 حوالہ جاتی کتب

۱۔ ترجمے کا فن اور روایت از پروفیسر قمر رئیس

۲۔ ترجمہ کا فن از ڈاکٹر مرزا حامد بیگ

۳۔ فن ترجمہ نگاری از ڈاکٹر خلیق انجم

۴۔ ترجمہ: روایت اور فن، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد از نثار احمد قریشی

۵۔ انگریزی شاعری کے منظوم اُردو ترجموں کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ از ڈاکٹر حسن الدین احمد

08.10 اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

﴿۱﴾ ذولسانیت

﴿۲﴾ ہوری

﴿۳﴾ حجت الاسلام

﴿۴﴾ بے چاری

﴿۵﴾ شعری تخلیق/شعری اظہار

﴿۶﴾ چھالیہ

﴿۷﴾ عروض/ وزن

﴿۸﴾ معنی/مفہوم

﴿۹﴾ وزن/آہنگ

﴿۱۰﴾ موسیقیت

اکائی 09 اُردو میں ادبی ترجمہ کے مسائل

ساخت

09.01 : اغراض ومقاصد
09.02 : تمہید
09.03 : اُردو میں تراجم کا پس منظر
09.04 : اُردو میں منظوم تراجم
09.05 : افسانوی ادب کے ادبی تراجم
09.06 : اُردو میں ادبی تراجم کے بنیادی مسائل
09.07 : خلاصہ
09.08 : فرہنگ
09.09 : سوالات
09.10 : حوالہ جاتی کتب

09.01 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ اردو ادب میں ادبی ترجمے کے تعلق سے معلومات حاصل کریں گے۔ کہ اردو زبان میں نثر کا منظوم ترجمہ کیسے کیا جاتا ہے۔ افسانوی ادب میں ادبی تراجم کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ افسانے کا مفہوم بھی واضح ہو جائے۔ خصوصی طور پر موجودہ اکائی میں اُردو میں ادبی ترجمہ کرتے ہوئے کن اُمور کا خاص خیال رکھنا لازمی وضروری ہوتا ہے ان کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ اس کے بعد مکمل اکائی کا خلاصہ بھی تحریر کیا گیا ہے۔ آخر میں مشکل الفاظ کے معانی بھی درج کیے گئے ہیں ساتھ ہی ساتھ نمونہ امتحانی سوالات بھی دیئے گئے ہیں تا کہ طلبا ان سوالوں کو دیکھ کر ان کے جوابات خود سے دے کر اپنے مطالعے کی جانچ کر سکیں۔ مزید موضوع سے متعلق پڑھنے کے لیے حوالہ جاتی کتب سے استفادہ کریں۔

09.02 تمہید

ترجمہ ایک فکری وتخلیقی عمل ہے جو محض زبانوں کے مابین الفاظ یا جملوں کی تبدیلی تک محدود نہیں، بلکہ یہ تہذیبوں کے درمیان فکری، جمالیاتی اور ثقافتی تعامل کا ایک نازک اور پیچیدہ ذریعہ ہے۔ ادب انسانی احساسات، خیالات اور کائنات سے اس کے تعلقات کی عکاسی کرتا ہے اور ترجمے کے ذریعے یہ تجربات ایک زبان وتہذیب سے دوسری زبان وتہذیب تک منتقل ہوتے ہیں۔ ادبی ترجمہ خاص طور پر اس لحاظ

سے اہم ہے کہ یہ صرف خیال کی ترسیل نہیں بلکہ ایک تہذیبی فضا اور جمالیاتی تجربے کی ہم آہنگی کا تقاضا کرتا ہے۔ چنانچہ یہ فن نہ صرف ادبی اظہار کے دائرہ کار کو وسیع کرتا ہے بلکہ مختلف تہذیبوں کو باہم مربوط کر کے فکری ترقی کا سبب بھی بنتا ہے۔اس اکائی میں اردو ادب میں ادبی ترجمہ نگاری کی شعری ونثری روایت کا مختصر ذکر کرتے ہوئے اس میں درپیش بنیادی مسائل سے بحث کی جائے گی۔

09.03 اردو میں تراجم کا پس منظر

ادبی ترجمہ ایک خاص عمل ہے جس کے ذریعے کسی زبان کے ادب کو دوسری زبان میں منتقل کیا جاتا ہے لیکن یہ محض الفاظ کا ترجمہ نہیں ہوتا، بلکہ اصل تحریر کی ادبیت، جذبات، تہذیبی پس منظر اور فنی حُسن کو بھی نئی زبان میں منتقل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔اس کا مقصد صرف معنی کو پہنچانا نہیں بلکہ اصل ادب کا اثر، لطف اور جذباتی کیفیت بھی قاری تک پہنچانا ہوتا ہے۔ادبی ترجمہ زبانوں کے درمیان ایک تہذیبی رابطہ قائم کرتا ہے۔اس کے ذریعے ایک قوم دوسری قوم کے ادب، خیالات اور جذبات کو سمجھنے اور سیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔اس طرح ادبی ترجمہ ذہنی، فکری اور جذباتی ترقی میں مدد دیتا ہے۔کیوں کہ یہ نئے خیالات اور تجربات سے روشناس کراتا ہے۔

ادبی ترجمہ انتہائی نازک اور فنکارانہ عمل ہے۔اس میں صرف خیالات نہیں بلکہ تحریر کا انداز، ماحول، تہذیبی پس منظر اور جذباتی رنگ بھی نئی زبان میں منتقل کرنا ضروری ہوتا ہے۔اس لیے ادبی ترجمے میں مترجم کو زبان کے ساتھ ساتھ ادبی ذوق، ثقافتی آگاہی اور فنی مہارت بھی درکار ہوتی ہے۔ادبی ترجمہ نہ صرف زبانوں کے درمیان ایک پُل کا کام کرتا ہے بلکہ تہذیبوں، ثقافتوں اور انسانوں کو بھی قریب لاتا ہے۔

اردو ادب میں نثری ادب سے پہلے شعری ترجمے کا آغاز گولکنڈہ کے بادشاہ محمد قلی قطب شاہ کی شاعری سے ہوتا ہے۔قلی قطب شاہ کے عہدِ حکومت میں دکن میں فارسی شاعری کا دبدبہ تھا اور شعرا فارسی شاعری کو ہی اہمیت وترجیح دیا کرتے تھے۔سلطان محمد عادل شاہ کی فرمائش پر ملک خوشنود نے امیر خسرو کی مثنوی ہشت بہشت کا اردو ترجمہ جنت سنگار کے نام سے کیا ہے۔بطور نمونہ چند اشعار درج ہے۔

ہشت بہشت	جنت سنگار
آں شود مردم آسماں را تاج	محمد سب نبیاں کے ہیں سر تاج
جز محمد کر است ایں معراج	محمد باج بھی کس نئیں ہے معراج
فرخ آں شب کہ آں چراغ دو کون	مبارک رات او جس رات میں شاہ
زد بقندیل عرش پر تو عون	گیے ہیں عرش پر جیو کھن او پر ماہ
شب چو برسر نہادہ چتر سیاہ	زلف عنبر کہوں یا مشک کالا
چتر اسری کشید پر سر ماہ	ستارے گوندھتے ہیں پھول مالا
رفت زانجا ہمہ بخشید	چلے ان کے وہاں تے تیز دم سوں
خستہ زخویش را دوابخشید	دیوانی ہو لگی زہر اقدام سوں
پس بہ پیشش عطارد نامی	انگے ہو یاد کرتے خدا کوں
برد شعر یمانی و شامی	دھریا سر بھیں عطارد مصطفیٰ کوں

کمال خان رستمی کی مثنوی خاور نامہ کو اردو کی سب سے طویل مثنوی ہونے کا اعجاز حاصل ہے۔اس میں تقریباً چوبیس ہزار اشعار لکھے گئے ہیں۔رستمی نے ابن حسام کی فارسی مثنوی خاور نامے کو ہو بہو اسی نام سے ترجمہ کیا ہے۔دکن میں فارسی زبان وادب کے تراجم کا بول بالا رہا ہے۔قطب شاہی اور عادل شاہی حکومتوں نے شعری تراجم پر خصوصی توجہ مرکوز کی جس کی وجہ سے ہندوستان میں ایک نئی تہذیب معرض وجود میں آئی۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۱﴾ ادبی ترجمہ محض الفاظ کا ترجمہ کیوں نہیں ہوتا؟

﴿۲﴾ ادبی ترجمے کو تہذیبی وفکری ترقی کا ذریعہ کیوں کہا جاتا ہے؟

﴿۳﴾ ادبی ترجمے کے لیے مترجم کو کن صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے؟

﴿۴﴾ اردو ادب میں ادبی ترجمے کی روایت کا آغاز کب اور کہاں سے ہوا؟

﴿۵﴾ کمال خان رستمی کی مثنوی خاور نامہ میں تقریباً کتنے اشعار ہیں؟

09.04 اُردو میں منظوم تراجم

۱۸۵۷ء میں انگریزی حکومت کے قیام کے بعد اردو میں مغربی تخلیقی ادب کے تراجم کا آغاز ہوا ہے۔قلق میرٹھی کا منتخب انگریزی نظموں کا منظوم ترجمہ جواہر منظوم کے عنوان سے شائع ہوا۔۱۸۶۹ء میں بانکے بہاری لال نے منتخب انگریزی نظموں کے منظوم تراجم کے عنوان سے دوسرا مجموعہ شائع کیا تھا۔اس کے بعد محمد حسین آزادؔ، حالیؔ، اسماعیل میرٹھی، نظم طباطبائیؔ، عبدالحلیم شررؔ، سرور جہاں آبادی، ظفر علی خان، علامہ اقبالؔ نے انگریزی سے اردو میں بہترین تراجم کیے۔اردو ادب میں سب سے کامیاب منظوم ترجمہ گورِ غریباں کا ذکر ناگزیر ہے۔نظم طباطبائی نے انگریزی ادب کے مشہور شاعر تھامس گرے کی نظم (An Elegy Written In a Country Chuchyard) کا منظوم ترجمہ گورِ غریباں کے عنوان سے کیا تھا۔نظم طباطبائی نے اس نظم کا ترجمہ عبدالحلیم شرر کی فرمائش پر کیا جو پہلی مرتبہ رسالہ دلگداز میں شائع ہوئی۔

	تھامس گرے کی انگریزی نظم	نظم طباطبائی کی ترجمہ شدہ اردو نظم
۱	The curfew tolls the knell of parting day,	وداعِ روزِ روشن ہے گجر شامِ غریباں کا
۲	The lowing herd wind slowly o'er the lea,	چراگاہوں سے پلٹے قافلے وہ بے زبانوں کے
۳	The plowman homeward plods his weary way,	قدم گھر کی طرف کس شوق سے اُٹھتا ہے دہقاں کا
۴	And leaves the world to darkness and to me.	یہ ویرانہ ہے میں ہوں اور طائر آشیانوں کے
۵	Now fades the glimm'ring landscape on the sight,	اندھیرا چھا گیا دُنیا نظر سے چھپتی جاتی ہے
۶	And all the air a solemn stillness holds,	جدھر دیکھو اُٹھا کر آنکھ اُدھر اک ہُو کا ہے عالم
۷	Save where the beetle wheels his droning flight,	مگس لیکن کسی جا بھیرویں بے وقت گاتی ہے
۸	And drowsy tinklings lull the distant folds;	جرس کی دور سے آواز آتی ہے کہیں پیہم

۹	Yet ev'n these bones from insult to protect,	نہ دیکھا ان استخوان ہائے شکستہ کو حقارت سے
۱۰	Some frail memorial still erected nigh,	یہ ہے گورِ غریباں اک نظر حسرت سے کرتا ہے
۱۱	With uncouth rhymes and shapeless sculpture deck'd,	نکلتا ہے یہ مطلب لوح تربت کی عبارت سے
۱۲	Implores the passing tribute of a sigh.	جو اس رستے گزرتا ہے تو ٹھنڈی سانس بھرتا جا

نظم طباطبائی نے اس کا ترجمہ اس قابلیت اور شاعرانہ مہارت سے کیا ہے کہ نظم کا انگریزی حسن اردو میں مزید دوبالا ہو جاتا ہے۔اس کامیاب ترین ترجمہ کے بعد دیگر شعرا نے بھی منظوم ترجمے کر کے اردو شاعری کے ذخیرے میں گراں قدر اضافہ کیا۔علامہ اقبال نے ٹینی سن اور لانگ فیلو کی انگریزی نظموں کے اردو میں ترجمے پیام صبح اور عشق اور موت کے نام سے کیے ہیں۔

علامہ اقبال کی نظم پیام صبح مشہور ومعروف امریکی شاعر لانگ فیلو کی نظم کا منظوم ترجمہ ہے۔یہ نظم علامہ کے پہلے شعری مجموعے بانگ درا میں شامل ہے۔

اجالا جب ہوا رخصت جبین شب کی افشاں کا — نسیم زندگی پیغام لائی صبح خنداں کا
جگایا بلبل رنگیں نوا کو آشیانے میں — کنارے کھیت کے شانہ ہلایا اس نے دہقاں کا

ولیم کوپر کی نظم کا اردو ترجمہ ''ہمدردی'' کے عنوان سے کیا ہے۔یہ نظم بھی شعری مجموعے ''بانگ درا'' میں شامل ہے۔بطور نمونہ نظم کے اشعار درج ذیل ہیں۔

ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا — بلبل تھا کوئی اداس بیٹھا
کہتا تھا کہ رات سر پہ آئی — اڑنے چگنے میں دن گزارا
پہنچوں کس طرح آشیاں تک — ہر چیز پہ چھا گیا اندھیرا
سن کر بلبل کی آہ و زاری — جگنو کوئی پاس ہی سے بولا
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے — کیڑا ہوں اگرچہ میں ذرا سا
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری — میں راہ میں روشنی کروں گا
اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل — چمکا کے مجھے دیا بنایا
ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے — آتے ہیں جو کام دوسروں کے

علامہ اقبال نے اس کے علاوہ ''ایک مکڑا اور مکھی، ایک پہاڑ اور گلہری، بچے کی دعا، ماں کا خواب، پرندے کی فریاد، رخصت اے بزمِ صبح، گورستانِ شاہی، والدۂ مرحومہ کی یاد میں، ابرِ کوہسار، ایک آرزو'' جیسی نظموں کے آزاد ترجمے کیے ہیں۔

﴿۱﴾ علامہ اقبال کی ''پیامِ صبح'' لانگ فیلو کی نظم کا ترجمہ ہے۔

﴿۲﴾ ''ماں کا خواب'' بارنس کی نظم کا ترجمہ ہے۔

﴿۳﴾ ''ایک مکڑا اور مکھی'' میری ہاویتھ کی نظم کا آزاد ترجمہ ہے۔

﴿۴﴾ ''رخصت اے بزمِ جہاں'' ایمرسن کی نظم Good Bye کا منظوم ترجمہ ہے۔

﴿۵﴾ ''پرندہ اور جگنو'' ولیم کوپر کی انگریزی نظم The Nightingle And The Glow Worm کا ترجمہ ہے۔

مولانا اسماعیل میرٹھی نے ''کیڑا، ایک قانع مفلس، موت کی گھڑی، حب وطن، انسان کی خام خیالی تمام نظموں کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیے ہیں۔

مولانا حسرت موہانی نے ''موسمِ بہار'' کا آخری پھول کے نام سے ٹامس مور کی نظم کا ترجمہ کیا ہے۔

محمد حسین آزاد نے اندھی لال ٹرن، اُجڑا ہوا گھر

اور عزیز احمد نے ''مٹی کا جوان چاند'' ٹامس مور کی نظم کا ترجمہ ہے۔

درج بالا تراجم کے ساتھ ساتھ بہت سارے دیگر ترجمے بھی ہوئے اور اردو شاعری کے سرمایہ میں گراں قدر اضافہ کیا۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۶﴾ اُردو میں انگریزی نظموں کے منظوم ترجمے کا آغاز کب ہوا؟

﴿۷﴾ گورِ غریباں کس انگریزی نظم کا ترجمہ ہے اور اسے کس نے اردو میں منتقل کیا؟

﴿۸﴾ علامہ اقبال نے لانگ فیلو کی کس نظم کا اردو میں ترجمہ کیا ہے؟

﴿۹﴾ حسرت موہانی نے کس انگریزی شاعر کی نظم کا ترجمہ کیا ہے اور نظم کا عنوان کیا ہے؟

09.05 افسانوی ادب کے ادبی تراجم

اُردو ادب میں افسانوی ادب کے تراجم کا باقاعدہ آغاز عبداللہ قطب شاہ کے درباری شاعر مُلّا وجہی کی تصنیف سب رَس سے ہوتا ہے۔ ''سب رَس'' محمد یحییٰ ابن سیبک فتاحی کی مثنوی دستورِ عشاق کے نثری خلاصہ حُسن و دل کا ترجمہ ہے۔ فضل علی فضلؔی کی تصنیف ''کربل کتھا'' کو شمالی ہند میں سب سے پہلی نثری تخلیق ہونے کا شرف حاصل ہے۔ کربل کتھا کو دِہ مجلس کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ کربل کتھا دراصل مُلّا واعظ حسین کاشفؔی کی ''روضۃ الشہدا'' کا اردو ترجمہ ہے۔

اردو ادب میں فن ترجمہ نگاری کو فروغ دینے میں فورٹ ولیم کالج کی بیش بہا خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کی زمین پر اپنے تجارتی قدم پوری طرح جما لیے تو اس کے منتظمین نے اپنے حکومتی اختیارات کا دائرہ وسیع کرنے کے لیے برطانیہ سے نو وارد افسران کو مقامی زبان و تہذیب رُوشناس کروانے کی غرض سے اس کالج کا منصوبہ بند طور پر اردو ترجمہ نگاری کا آغاز کیا تھا۔

میر امن دہلوی پروفیسر جان گل کرسٹ کی فرمائش پر میر عطا حسین تحسیؔن کے فارسی قصۂ چہار درویش کا باغ و بہار کے نام سے ترجمہ کر کے ۱۸۰۴ء میں فورٹ ولیم سے شائع کروایا۔ میر امن نے جان گل کرسٹ کی ہدایات کے مطابق عام بول چال بھاشا میں ترجمہ کیا تھا۔ میر امّن نے ایک اور فارسی تخلیق اخلاقِ محسنی کا گنج خوبی کے نام سے اردو میں ترجمہ کر کے شائع کیا تھا لیکن اسے باغ و بہار جیسی شہرت حاصل نہ ہو سکی۔ فورٹ ولیم کالج میں حیدر بخش حیدری نے سید محمد قادری کی طوطی نامہ کا توتا کہانی کے نام سے ترجمہ کیا اس کے علاوہ ''آرائشِ محفل، قصہ لیلیٰ مجنوں'' کا ترجمہ کیا۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۷﴾ مظہر علی ولا کا بیتال پچیسی۔للّو لال جی اور مظہر علی وِلا کا برج بھاشا سے قصہ ''مادھونل وکام کندلا'' کے نام سے کیا تھا۔

﴿۸﴾ برج بھاشا کے معروف شاعر کالی داس کی ''شکنتلا'' کا برج بھاشا سے اردو میں ترجمہ کاظم علی جواں نے کیا تھا۔

﴿۹﴾ شیر علی افسوس نے شیخ سعدی کی گلستاں (فارسی) کا اردو میں باغِ اردو کے نام سے ترجمہ کیا تھا۔

﴿۱۰﴾ نہال چند لاہوری نے فارسی قصہ ''گل و بکاؤلی'' کا اردو ترجمہ ''مذہبِ عشق'' کے نام سے کیا تھا۔

ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے ناولوں کے ذریعہ اردو ناول نگاری کی داغ بیل ڈالی حالاں کہ محققین نے نذیر احمد کے ناولوں کو تمثیلی تحریروں کے زمرے میں رکھا ہے۔ڈپٹی نذیر احمد کا ناول بنات النعش ٹامس ڈے کا اردو چربہ ہے۔مرزا ہادی رسؔوا نے ماری کوریلی کے جاسوسی ناولوں خونی بھید، خونی جورو، خونی مصوّر، خونی عاشق اور بہرام کی رہائی کے نام سے اردو ترجمہ کیا تھا۔اسی طرح منٹو پر چیخوف اور موپاساں کا گہرا رنگ ہے۔منٹو نے چیخوف اور موپاساں کی کئی تخلیقات کا اردو میں ترجمہ کیا تھا۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۱۰﴾ اردو ادب میں افسانوی ادب کے تراجم کا باقاعدہ آغاز کس تصنیف سے ہوتا ہے اور یہ کس کی تخلیق ہے؟

﴿۱۱﴾ فورٹ ولیم کالج نے اردو ترجمہ نگاری کو کس طرح فروغ دیا؟

﴿۱۲﴾ مرزا ہادی رسوا اور سعادت حسن منٹو نے کن غیر ملکی ادیبوں کی تخلیقات کا اردو میں ترجمہ کیا؟

09.06 ادبی تراجم کے بنیادی مسائل

ادبی ترجمہ محض الفاظ کا تبادلہ نہیں بلکہ ایک تہذیب کو دوسری تہذیب میں اس حُسن وخوبی کے ساتھ منتقل کرنے کا عمل ہے کہ اصل تخلیق کی روح، اُسلوب، فکری لطافت برقرار رہے۔یہی وجہ ہے کہ ادبی ترجمہ کو علمی ترجمہ کے مقابلے میں کہیں زیادہ پیچیدہ، نازک اور فنی لحاظ سے دشوار تصوّر کیا جاتا ہے۔ادبی تحریر، اپنی زبان، اسلوب اور تہذیبی سیاق وسباق کے ساتھ جڑی ہوتی ہے۔جب اسے کسی دوسری زبان میں منتقل کیا جاتا ہے، تو اس بات کا شدید خدشہ رہتا ہے کہ کہیں اصل تحریر کی تاثیر، جمالیاتی حُسن اور معنوی گہرائی متاثر نہ ہو جائے۔ایک ماہر مترجم کی یہ اہم ذمہ داری ہے کہ وہ اصل متن کے لسانی وفکری تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسا ترجمہ پیش کرے جو نہ صرف بامعنی ہو بلکہ اصل تخلیق کا رنگ و آہنگ بھی قائم رکھے۔ادبی ترجمے کے چند بنیادی مسائل درج ذیل ہیں۔

﴿۱﴾ مترجم کی صلاحیت اور متن کا انتخاب

ادبی ترجمہ کا پہلا اور نہایت اہم مرحلہ یہ ہے کہ مترجم اپنی علمی، لسانی، ادبی اور فکری استعداد کو سامنے رکھتے ہوئے ترجمے کے لیے مناسب متن کا انتخاب کرے۔اگر متن مترجم کی تفہیم، ذوق اور ذہانت سے مطابقت نہیں رکھتا تو نہ صرف ترجمے کا معیار متاثر ہوگا بلکہ اصل تخلیق سے انصاف بھی ممکن نہیں ہو پائے گا۔ایک کامیاب مترجم وہی ہوتا ہے جو دونوں زبانوں کے مزاج، ثقافت، اور عہد کی روح سے آشنا ہو۔

﴿۲﴾ سماجی اور ادبی قدر و قیمت کا حامل مواد

مترجم کو ایسے ادبی متون کا انتخاب کرنا چاہیے جو اپنی زبان وثقافت میں سماجی، ادبی یا معاشی اہمیت رکھتے ہوں۔اس طرح ترجمہ محض لسانی مشق نہیں رہتا بلکہ وہ ایک فکری وتہذیبی خدمت بن جاتا ہے۔

﴿۳﴾ ادبی ترجمہ ایک تخلیقی وثقافتی عمل

ادبی ترجمہ صرف دو زبانوں کے درمیان ربط پیدا کرنے کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک گہرا تخلیقی عمل ہے، جس کے ذریعے دو تہذیبیں، دو ثقافتیں اور دو فکری نظام ایک دوسرے سے آشنا ہوتے ہیں۔اس کے ذریعے جذبات، احساسات اور خیالات کی ترسیل ممکن ہوتی ہے۔

﴿۴﴾ عالمی ادب کے تحفظ میں کردار

ادبی ترجمے کے ذریعے دنیا کی مختلف زبانوں کے عظیم تخلیقی سرمایہ کا تحفظ ممکن ہوتا ہے۔یہ ترجمے عالمی سطح پر ادبی تخلیقات کی رسائی کو ممکن بناتے ہیں اور زبانوں کے درمیان علمی وادبی تبادلۂ خیال کی فضا قائم کرتے ہیں۔

﴿۵﴾ لفظی اور مفہومی ترجمے میں توازن

ادبی ترجمے کا سب سے نازک پہلو یہ ہے کہ مترجم لفظی وفاداری اور مفہومی وفاداری کے درمیان توازن کیسے قائم کرتا ہے۔اگر ترجمہ محض لفظوں تک محدود ہو جائے تو اصل تحریر کا حُسن پامال ہو جاتا ہے۔جیسا کہ قرآن مجید کے بعض لفظی تراجم میں دیکھنے کو ملتا ہے، جہاں قاری تک اصل مفہوم پوری طرح نہیں پہنچ پاتا۔اس کے برعکس اگر صرف مفہوم پر زور دیا جائے تو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ اصل متن کی روح کہیں کھو نہ جائے۔

﴿۶﴾ ہر ادیب کا اپنا ایک خاص اندازِ تحریر ہوتا ہے۔ادبی ترجمہ کرتے وقت صرف مطلب پہنچانا کافی نہیں ہوتا، بلکہ اصل تحریر کا انداز اور اندازِ بیان بھی محفوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ایک اچھا ادبی ترجمہ وہی ہوتا ہے جو ترجمہ ہونے کے بعد بھی اصل تحریر کی روح کو زندہ رکھے۔

﴿۷﴾ نثر کے مقابلے میں نظم کا ترجمہ زیادہ مشکل ہوتا ہے کیوں کہ نظم جذبات، تخیل اور تاثرات سے جڑی ہوتی ہے۔نظم کا ترجمہ کرتے وقت مترجم کو شاعر کے خیالات اور جذبات کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ انہیں مؤثر انداز میں دوسری زبان میں پیش کرنے کا ہنر بھی آنا چاہیے۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۱۳﴾ ادبی ترجمے میں لفظی ترجمے اور مفہومی ترجمے کے درمیان توازن قائم کرنا کیوں ضروری ہے؟

09.07 خلاصہ

ترجمہ ایک پیچیدہ اور تخلیقی عمل ہے جو محض الفاظ کے بدلاؤ تک محدود نہیں بلکہ یہ مختلف تہذیبوں، ثقافتوں، اور جذبات کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرتا ہے۔خاص طور پر ادبی ترجمہ نہ صرف اصل تحریر کی زبان بلکہ اس کے جمالیاتی پہلو، ثقافتی پس منظر اور جذبات کو بھی نئی زبان میں منتقل کرنے کی کوشش کرتا ہے، تاکہ قاری کو وہی اثرات اور لطف حاصل ہو جو اصل تحریر میں تھے۔اس طرح ترجمہ، مختلف زبانوں اور ثقافتوں کے درمیان ایک نازک لیکن اہم رشتہ قائم کرتا ہے۔اردو ادب میں ترجمے کا آغاز قلی قطب شاہ کے دَور سے ہوا، جب فارسی ادب کو اردو میں منتقل کیا گیا۔دکن میں فارسی زبان کا اثر بہت گہرا تھا اور شعرا نے اسی زبان کو ترجیح دی۔اس کے بعد دیگر ادیبوں جیسے محمد حسین آزادؔ، علامہ اقبالؔ اور حالؔی نے بھی انگریزی ادب کا اردو میں ترجمہ کیا۔اردو میں ادبی ترجمے کی ایک اہم مثال ''گورِ غریباں'' ہے، جسے نظم

طباطبائی نے تھامس گرے کی مشہور نظم An Elegy Written in a Country Churchyard کا ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ علامہ اقبال نے مختلف انگریزی نظموں کا آزاد ترجمہ کیا، جیسے ''ماں کا خواب'' اور ''ایک مکڑا اور مکھی''۔

اُردو ادب میں نثری ترجمے کا آغاز بھی اہم ہے، جیسے عبداللہ قطب شاہ کے درباری شاعر ملا وجہی کی تصنیف ''سب رس'' کا ترجمہ اور فضل علی فضلی کی ''کربل کتھا'' کا نثری ترجمہ۔ ان ترجموں کے ذریعے نہ صرف مختلف زبانوں کا ادب منتقل ہوا بلکہ ان میں مختلف تہذیبوں کا فکری اور ثقافتی امتزاج بھی ہوا۔

فورٹ ولیم کالج نے اردو ترجمہ نگاری کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا، جہاں مختلف فارسی اور انگریزی کتابوں کو اردو میں منتقل کیا گیا۔ مرزا غالب اور دیگر ادیبوں نے بھی اس عمل کو آگے بڑھایا اور اردو ادب میں ترجمے کے فن کو نیا رخ دیا۔ مجموعی طور پر ادبی ترجمہ ایک فن ہے جو نہ صرف زبانوں کے درمیان پل بنتا ہے، بلکہ مختلف ثقافتوں کو ایک دوسرے کے قریب لاتا ہے اور نئے خیالات و تجربات کا تبادلہ ممکن بناتا ہے۔

09.08 فرہنگ

آہنگ : تال، ہم آہنگی
احساسات : اندرونی جذبات، کیفیات
ادبیت : ادبی خوبی، زبان کا حسن
افشاں : چمکدار ذرات، بکھری چمک
تبادلۂ خیال : خیالات یا رائے کا تبادلہ، دسکشن
ترسیل : پیغام یا چیز کو پہنچانا
تعامل : باہمی ردعمل، انٹرایکشن
تعلقات : رشتے، رابطے
تمثیلی تحریر : علامتی یا افسانوی انداز کی تحریر
توازن : اعتدال
ثقافتی آگاہی : تہذیب و ثقافت سے واقفیت
جبین : پیشانی، ماتھا
جذبات : دل کی کیفیات جیسے محبت، غصہ
چیخوف : مشہور روسی افسانہ نگار
خنداں : ہنستا ہوا، مسکراتا ہوا
خیالات : سوچیں، ذہنی افکار
دلگداز : دل کو چیرنے والا، درد انگیز، ایک مشہور اخبار
دہقان : کسان
دہ مجلس : دس مجلسوں پر مشتمل افضل پانی پتی کی کتاب کا نام ہے جس کا اصل نام کربل کتھا ہے
روشناس : واقف، آشنا
سرمایہ : دولت، قیمتی چیز، بنیادی وسائل
سیاق و سباق : کسی بات یا لفظ کا پس منظر
فنی حسن : فن کی خوبصورتی، جمالیاتی پہلو
گراں قدر : بہت قیمتی، بیش قیمت
گورغریباں : نظم طباطبائی کی ترجمہ شدہ ایک مشہور نظم کا نام ہے جس میں عیسائی قبرستان میں مدفون ایک مردے کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔
لسانی مشق : زبان کی مشق، زبان سیکھنے کی مشق
مرطوط : جڑا ہوا، متعلق
منتقل : ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا
منصوبہ بند : پہلے سے طے شدہ، باقاعدہ ترتیب دیا گیا
منظوم ترجمہ : شعری انداز میں ترجمہ
موپاساں : مشہور فرانسیسی افسانہ نگار
نسیم : ہلکی اور خوشگوار ہوا
نووارد : نیا آنے والا، نووارد

09.09 نمونہ امتحانی سوالات

الف: درجِ ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰/۱۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر ۱ : کربل کتھا کس کی کتاب ہے نام لکھیے۔ اپنی معلومات تحریر کریں۔

سوال نمبر ۲ : انگریزی سے ترجمہ شدہ علامہ اقبال کی تین نظموں کے نام تحریر کیجیے

سوال نمبر ۳ : گورغریباں کس انگریزی شاعر کی نظم کا اردو ترجمہ ہے؟ ترجمہ شدہ چار اشعار سپردِ قرطاس کیجیے۔

ب: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰/۳۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر ۱ : ادبی ترجمہ کی خصوصیات تحریر کیجیے۔

سوال نمبر ۲ : عالمی ادب سے ترجمہ شدہ چھ کتب کے نام تحریر کیجیے۔

سوال نمبر ۳ : ادبی کتب کے تراجم کرتے وقت کیا مشکلات درپیش ہوتی ہیں؟ وضاحت کیجیے۔

معروضی سوالات

سوال نمبر ۱ : خاور نامہ کس کی مثنوی ہے؟

(الف) ملا وجہی کی   (ج) نصرتی کی

(ب) کمال خان رستمی کی   (د) قلی قطب شاہ

سوال نمبر ۲ : خونی جورو، خونی عاشق کس کے ترجمہ شدہ ناول ہیں؟

(الف) ڈپٹی نذیر احمد   (ج) سعادت حسن منٹو

(ب) مرزا ہادی رسوا   (د) راشد الخیری

سوال نمبر ۳ : ''پیام صبح'' کس کی نظم ہے؟

(الف) فیض احمد فیضؔ   (ج) علامہ اقبالؔ

(ب) احمد فراز   (د) نظم طباطبائی

سوال نمبر ۴ : علامتی یا افسانوی انداز کی تحریر کسے کہا جاتا ہے؟

(الف) مقفٰی تحریر کو   (ج) تحقیقی تحریر کو

(ب) تمثیلی تحریر کو   (د) جمالیاتی تحریر کو

سوال نمبر ۵ : تبادلۂ خیال کا کیا معنی ہوتا ہے؟

(الف) غم   (ج) خیالات یا رائے کا تبادلہ

(ب) کدورت   (د) اختلاف کرنا

معروضی سوالات کے جوابات

جواب نمبر۱ : (ب) کمال خان رستمی کی

جواب نمبر۲ : (ب) مرزا ہادی رسوا

جواب نمبر۳ : (ج) علامہ اقبال

جواب نمبر۴ : (ب) تمثیلی تحریر کو

جواب نمبر۵ : (ج) خیالات یا رائے کا تبادلہ

09.10 حوالہ جاتی کتب

۱۔ اصول وضع اصطلاحات از وحیدالدین سلیم

۲۔ ترجمہ کا فن اور روایت از پروفیسر قمر رئیس

۳۔ ترجمہ روایت اور فن از نثار احمد قریشی

۴۔ سرسید احمد خان اور انکا عہد از ثریا حسین

✵

اکائی 10 اُردو میں آزاد، لفظی و علمی ترجمہ کے مسائل

ساخت

10.01 : اغراض ومقاصد

10.02 : تمہید

10.03 : ترجمہ کیا ہے؟

10.04 : آزاد ترجمہ، خصوصیات اور مسائل

10.05 : لفظی ترجمہ، خصوصیات اور مسائل

10.06 : علمی ترجمہ، خصوصیات اور مسائل

10.07 : خلاصہ

10.08 : فرہنگ

10.09 : سوالات

10.10 : حوالہ جاتی کتب

10.11 : اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

10.01 اغراض ومقاصد

ترجمہ کسی ایک زبان کے الفاظ اور معانی کو دوسری زبان میں درست اور واضح انداز میں منتقل کرنے کا نام ہے۔ ترجمہ کا اصلی مقصد متن کے مفہوم، انداز اور مقصد کو مجروح کیے بغیر مطلوبہ زبان (Target Language) میں پیش کرنے کا نام ہے۔ ترجمہ نگاری ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتا ہے، ترجمہ کا مادہ ہر کسی کے اندر نہیں پایا جاتا ہے بلکہ اس کے لیے فطری ذوق وطبیعت کا میلان بے حد ضروری ہوتا ہے۔

10.02 تمہید

ترجمہ دو زبانوں کے درمیان ایک پل کا کردار ادا کرتا ہے۔ محض الفاظ کے ردّ و بدل، لفظی جادوگری کا نام ترجمہ نہیں ہے، یہ دو تہذیبوں کے درمیان خیالات، افکار ونظریات کی ترسیل کا مؤثر اور کارگر ذریعہ ہے۔ اس اکائی میں آزاد، لفظی اور علمی ترجمہ کی روایت، خصوصیات اور درپیش مسائل کا اجمالی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

10.03 ترجمہ کیا ہے؟

ترجمہ نگاری ایک نہایت سنجیدہ اور مہارت طلب فن ہے۔ یہ محض الفاظ کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کا نام نہیں، بلکہ اصل متن کی روح، اس کے مزاج، لہجے، تہذیب اور مفہوم کو پوری وفاداری کے ساتھ دوسری زبان میں منتقل کرنے کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترجمہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اچھا مترجم وہ ہوتا ہے جس کا مطالعہ وسیع ہو، اسے ادبی شاہکاروں، کلاسیکی اور جدید فن پاروں، ممتاز

ادیبوں کے اسالیب واقفیت ہوتی ہے۔اسے دونوں زبانوں کے قواعد، لغت، روزمرہ، محاورات، استعارات، کنایات، تشبیہات اور ضرب الامثال پر مکمل دسترس ہونی چاہیے، کیوں کہ یہی عناصر زبان کی اصل بنیاد ہوتے ہیں۔کوئی بھی زبان صرف الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل تہذیب، تاریخ اور ثقافتی پس منظر رکھتی ہے۔اس لیے مترجم کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں زبانوں کے تہذیبی مزاج، تاریخی پس منظر، طرزِ بیان سے بخوبی واقف ہو۔اگر مترجم ان باریکیوں سے ناواقف ہو تو ترجمہ بے معنی ہو جاتا ہے۔ایک ماہر و مشاق مترجم کا اصل امتحان یہ ہے کہ قاری ترجمہ پڑھتے وقت کسی ابہام کا شکار نہ ہو، مفہوم بالکل واضح ہو اور اصل متن کی روح برقرار رہے۔اچھا مترجم مفہوم کو اپنی زبان میں اس طرح منتقل کرتا ہے کہ ترجمہ پر مصنوعیت کا رنگ نہ چڑھنے پائے بعض اوقات دو زبانوں کی تہذیب، ثقافت اور طرز اظہار بہت مختلف ہوتے ہیں، ایسے میں بعض خیالات کا لفظ بہ لفظ ترجمہ ممکن نہیں ہوتا۔مترجم کو مفہوم کے مطابق مناسب تبدیلی کرنا پڑتی ہے۔اچھے و معیاری ترجمے کے لیے صرف زبان دانی کافی نہیں۔مترجم کو فلسفہ، تاریخ، نفسیات، سیاست، معاشرت، سائنس، اقتصادیات، مذہب اور انسانی علوم سے بھی واقفیت ہونی چاہیے، تاکہ وہ مختلف موضوعات کو بہتر طور پر سمجھ سکے۔ماہرین کے نزدیک ترجمہ کی متعدد اقسام ہیں جیسے علمی ترجمہ، ادبی ترجمہ، مذہبی متون کا ترجمہ، صحافتی ترجمہ وغیرہ۔

﴿ترجمہ کی ضرورت اور اہمیت﴾:

دنیا کی ہر قوم اور ہر خطہ اپنی مخصوص زبان، ثقافت اور طرزِ زندگی رکھتا ہے۔زبان نہ صرف اظہارِ خیال کا ذریعہ ہے بلکہ علم و تہذیب کا خزانہ بھی اپنے اندر سموئے ہوتی ہے۔تاہم ایک زبان کا فرد دوسری زبان اور اس کے علمی ورثے تک اس وقت ہی پہنچ سکتا ہے جب اسے ترجمے کے ذریعے اپنی زبان میں منتقل کیا جائے۔یہی وجہ ہے کہ انسانی تاریخ میں ترجمہ ہمیشہ ایک بنیادی ضرورت کی حیثیت رکھتا ہے۔ذیل میں ترجمے کی ضرورت کے چند اہم پہلو بیان کیے جاتے ہیں۔

﴿۱﴾ مذہبی ضرورت:

انسان کے مذہبی جذبات اور عقائد اس کی زندگی کا اہم ترین حصہ ہیں۔جب عیسائیوں نے اپنے مذہب کی تعلیمات دنیا بھر میں پھیلانے کا عزم کیا تو زبانوں کی رکاوٹ ان کے سامنے سب سے بڑی مشکل تھی۔اس مشکل کو حل کرنے کے لیے عیسائی علما نے مختلف زبانوں میں اپنے مذہبی متون کا ترجمہ کیا جس کے نتیجے میں ان کی تعلیمات دنیا کے دُور دراز خطّوں تک پہنچ گئیں۔اسی طرح اسلام، بدھ مت، ہندو مت اور دیگر مذاہب کی تعلیمات بھی ترجمے کے ذریعے مختلف قوموں تک منتقل ہوئیں۔یوں ترجمہ مذہبی پیغام رسانی کا ایک اہم ذریعہ بن گیا۔

﴿۲﴾ علمی و ادبی ضرورت:

دنیا کا علمی اور ادبی سرمایہ مختلف زبانوں میں بکھرا ہوا ہے۔قدیم یونانی فلسفہ، عربی و فارسی کا علمی و ادبی ذخیرہ، سنسکرت کی مذہبی کتب یا لاطینی زبان کی سائنسی تحریریں۔یہ سب اپنی اصل زبان میں تو محدود لوگوں تک پہنچتی تھیں لیکن ترجمے نے انہیں عالمی ورثہ بنا دیا۔

﴿۳﴾ معاشرتی و ثقافتی ضرورت:

ترجمہ مختلف قوموں کے درمیان ثقافتی پل کا کام دیتا ہے۔یہ ہمیں دوسری تہذیبوں کے طور طریقے، روایات، تاریخ اور سماجی اقدار سے روشناس کراتا ہے۔عالمی امن، ہم آہنگی اور بین الاقوامی تعاون میں بھی ترجمے کا کردار غیر معمولی ہے کیوں کہ یہ غلط فہمیوں کو دُور کرتا اور اقوام کو قریب لاتا ہے۔

﴿۴﴾ سیاسی وسفارتی ضرورت:

بین الاقوامی تعلقات میں ترجمہ بنیادی ضرورت ہے۔ عالمی تنظیموں کے اجلاس، معاہدے، قراردادیں اور سفارتی خط و کتابت متعدد زبانوں میں کی جاتی ہے۔ اگر ترجمہ درست نہ ہو تو بڑے سیاسی مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ہر ملک میں ماہر مترجمین سفارتی اُمور کا لازمی حصہ ہوتے ہیں۔

﴿۵﴾ تعلیمی ضرورت:

تعلیمی اداروں میں علم کا بڑا حصہ مختلف زبانوں میں موجود ہے۔ طلبہ اور اساتذہ اکثر تحقیقی مواد، نصابی کتب اور حوالہ جاتی معلومات کا ترجمہ کرتے ہیں تاکہ انہیں بہتر طور پر سمجھ سکیں۔ اعلیٰ تعلیم کے میدان میں بھی ترجمہ ناگزیر ہے۔

مجموعی طور پر ترجمہ انسانی تہذیب کا وہ روشن چراغ ہے جس نے قوموں کو ایک دوسرے کے علم، مذہب، ادب اور طرزِ زندگی سے روشناس کیا۔ یہ نہ صرف رابطے کا ذریعہ ہے بلکہ ترقی، ہم آہنگی اور عالمی تعاون کا ضامن بھی ہے۔

ماہرین کے نزدیک ترجمے کی درج ذیل اقسام ہیں۔

﴿۱﴾ علمی ترجمہ:

اس قسم میں سائنس، جدید علوم اور مختلف فنی شعبوں سے متعلق کتب شامل ہوتی ہیں۔ ایسے متون کا ترجمہ کرنے کے لیے مترجم کا علمی پس منظر مضبوط ہونا ضروری ہے کیوں کہ ان مضامین کی زبان نہایت دقیق اور پیچیدہ ہوتی ہے۔ علمی ترجمے میں سب سے بڑی مشکل مناسب اور مستند اصطلاحات کا انتخاب ہے۔ مترجم کا کام ہے کہ وہ ایسے مترادفات تلاش کرے جو اصل متن کے مفہوم، مقصد اور سائنسی معنویت کو صحیح طور پر منتقل کر سکیں تاکہ متعلقہ علم کی اصل روح متاثر نہ ہونے پائے۔

﴿۲﴾ ادبی ترجمہ:

اس زمرے میں بامحاورہ اور ادبی انداز میں کیا جانے والا ترجمہ شامل ہوتا ہے۔ اس میں زبان کی لطافت، محاورات، ضربُ الامثال، استعارات، علامتیں اور ادبی فن پارے کے جمالیاتی عناصر کا خاص خیال رکھا جاتا ہے تاکہ اصل تحریر کی ادبی کیفیت برقرار رہے۔ ادبی ترجمے میں مترجم اپنی تمام تر تخلیقی صلاحیتیں مصنف کے افکار، اندازِ بیان اور اُسلوب کے تابع کر دیتا ہے، تاکہ ترجمہ شدہ متن بھی اصل کی طرح اثر انگیز اور خوب صورت ثابت ہو۔

﴿۳﴾ صحافتی ترجمہ:

اخباروں، ٹیلی ویژن، ریڈیو اور اہم خبر رساں ایجنسیوں میں کیے جانے والے تراجم کو صحافتی ترجمہ کہا جاتا ہے۔ اس شعبے میں کام کرنے والے مترجم کے لیے صرف اپنی اور ہدف زبان کے قواعد و گرامر جاننا کافی نہیں ہوتا بلکہ اسے ملکی و عالمی حالات، تاریخ، جغرافیہ، سیاست اور معاشیات کا بھی بھرپور علم ہونا چاہیے۔ صحافتی ترجمے کی سب سے بڑی مشکل وقت کی کمی ہے۔ مختلف ادارے بین الاقوامی ایجنسیز سے خبریں بروقت حاصل کرتے ہیں اور مترجم کو مقررہ مدت میں ان خبروں کو درست، جامع اور قابلِ فہم انداز میں ترجمہ کر کے پیش کرنا ہوتا ہے۔

تھیوڈور ساوری (Theodore Savory) کے مطابق حقیقی طور پر ترجمے کی صرف دو ہی قسمیں ہوتی ہیں۔

﴿الف﴾ آزاد ترجمہ:

آزاد ترجمہ بظاہر ''عین ترجمے'' کی طرح ہی محسوس ہوتا ہے، اس لیے قاری کو بعض اوقات اصل اور ترجمہ شدہ متن میں فرق محسوس نہیں ہوتا۔ اس اندازِ ترجمہ میں مترجم اصل عبارت کے الفاظ کی سخت پابندی کرنے کے بجائے اس کے مفہوم، مرکزی خیال اور جذبات کو دوسری زبان میں منتقل کرتا ہے۔

﴿ب﴾ لفظی ترجمہ:

لفظی ترجمہ کو لفظ بہ لفظ ترجمہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں ہر لفظ کو عین اسی ترتیب اور ساخت میں دوسری زبان کے لفظ سے بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے، نتیجتاً توجہ زیادہ تر الفاظ کی مطابقت پر رہتی ہے جس سے مفہوم کی روانی اور ادبی معیار متاثر ہو سکتا ہے۔ قرآن پاک کے ابتدائی تراجم زیادہ تر اسی نوعیت کے تھے، جنہیں ایک عام قاری کے لیے سمجھنا اکثر دشوار ہو جاتا تھا کیوں کہ اصل زبان کی ساخت برقرار رکھنے سے ترجمہ ثقیل بن جاتا ہے۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۱﴾ ترجمہ ایک سنجیدہ فن کیوں سمجھا جاتا ہے؟

﴿۲﴾ ترجمہ انسانی معاشرے کے لیے کن وجوہات کی بنا پر ضروری ہے؟

﴿۳﴾ تھیوڈور ساوری کے مطابق ترجمے کی بنیادی اقسام کون کون سی ہیں؟

10.04 آزاد ترجمہ، خصوصیات اور مسائل

مذکورہ بالا سطور میں جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ ادبی، علمی، مذہبی اور صحافتی تراجم کے علاوہ ترجمہ کی دو قسمیں: لفظی ترجمہ اور آزاد ترجمہ بھی ہیں۔ لفظی ترجمہ اُسلوبیاتی پابندیوں، نحوی و صرفی ساخت اور لغوی معنی کے مطابق رہنے کی کوشش کرتا ہے، اس کے برعکس آزاد ترجمہ مفہوم، متن کے مرکزی پیغام کو اس کی اصلی خوبیوں کے ساتھ پیش کرنے پر زور دیتا ہے۔

﴿۱﴾ آزاد ترجمہ میں مترجم کو جملوں کی بناوٹ، لفظی ترتیب اور لسانی قیدو بند سے مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے۔ مترجم پر لازم ہے کہ مصنف نے اصل تحریر جس فکری احساس وجذبے کے ساتھ لکھی ہے، اسے ٹارگیٹ زبان میں ایسے ہی منتقل کرے۔

﴿۲﴾ آزاد ترجمہ میں مترجم کو یہ اختیار و موقع میسر ہوتا ہے کہ وہ اصل معنی و اثر کو برقرار و محفوظ رکھتے ہوئے نئی زبان میں ایسی تراکیب کا استعمال کرے جو اصل تحریر کی تاثیر کو ہو بہو ہدفی زبان میں ٹرانسفر کر سکیں۔

﴿۳﴾ آزاد ترجمہ میں خصوصاً ادب، شاعری، ناول، افسانہ، ڈرامہ کے متون یا پھر کسی مذہبی عبارت و حکایت کا ترجمہ کرتے وقت اس کی اہمیت مزید دونی ہو جاتی ہے کیوں کہ ان متون میں صرف الفاظ کا ترجمہ کر دینا کافی نہیں ہوگا، اس لیے مترجم کو غایت درجہ کی احتیاط ضروری ہوتی ہے۔

﴿۴﴾ آزاد ترجمہ کرنے کے لیے مترجم کو دونوں زبانوں کے ادب، تہذیب و ثقافت کا وسیع مطالعہ ہونا چاہیے۔ مترجم کو معنی کے ادراک، محاوراتی شعور، اُسلوبی فہم و پرکھ جیسی صلاحیتوں سے مالا مال ہونا چاہیے، تاکہ ترجمہ کا حق بخوبی ادا کیا جا سکے۔

﴿آزاد ترجمہ کی خصوصیات﴾:

﴿۱﴾آزاد ترجمہ کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مترجم کو لفظوں اور جملوں کی ساخت میں کسی حد تک ڈھیلائی حاصل ہوتی ہے۔ وہ عبارت کو جوں کا توں لکھنے کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔اس میں مترجم بالفاظِ دیگر مصنّفِ ثانی یا شریکِ تخلیق کا درجہ لے لیتا ہے۔ جملوں کی ترتیب، الفاظ میں مناسب تبدیلیاں کرتا ہے۔

﴿۲﴾اس میں محاورات وضرب الامثال کوئی زبان کے مزاج کے مطابق ڈھالا جاتا ہے، مترجم ہدف زبان میں غیر موزوں الفاظ و اصطلاحات کومناسب متبادل سے بدل دیتا ہے، تاکہ متن کی افہام وتفہیم سہل وموثر ہوجائے۔ یہی وجہ ہے کہ آزاد ترجمہ میں روانی وادبی حُسن لفظی ترجمہ کے بانسبت زیادہ ہوتا ہے۔

﴿۳﴾آزاد ترجمہ میں مشکل اصطلاحات، گنجلک عبارت اور ثقیل لفظوں کو عام فہم بنایا جاتا ہے، تاکہ قاری تک بات بہت آسانی سے پہنچ سکے۔

﴿۴﴾لفظی ترجمہ میں مترجم مصنف کا تابع ہوتا ہے جبکہ آزاد ترجمہ میں مترجم ہم قدم وہم قلم ہوتا ہے جو تخلیق کو دوبارہ تشکیل دیتا ہے، اسے نیا قالب فراہم کرتا ہے، الفاظ میں تبدیلی کرتا ہے اس نہج پر کہ متن وتحریر کا اصلی رنگ وروپ زندہ رہے۔

﴿آزاد ترجمہ کے مسائل﴾:

﴿۱﴾آزاد ترجمہ کا پہلا مسئلہ یہ ہے کہ مترجم ضرورت سے زیادہ آزادی کا استعمال کرلیتا ہے، جس سے اصل متن کا مفہوم متاثر ہوجاتا ہے۔

﴿۲﴾دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مترجم اپنے ذاتی فکری رجحان کی وجہ سے کچھ ایسی تبدیلیاں کردیتا ہے جس سے پیغام میں کمی وبیشی کا خدشہ پیدا ہوجاتا ہے۔

﴿۳﴾تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ متن کے اصل اسلوب، انداز، لہجے، فنی بناوٹ کو محفوظ کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔

﴿۴﴾چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ بسا اوقات مترجم دقیق اصطلاحات، محاورات اور استعارات کی تبدیلی میں اصل حسن کو پامال کردیتا ہے۔

﴿۵﴾پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ مذہبی متون کا ترجمہ کرتے وقت کبھی کبھی مترجم اپنے ذاتی عقیدے کو ترجیح دیتے ہوئے تبدلیاں کردیتا ہے، یہ غیر دیانت داری تحریفات کے زمرے میں آتی ہیں۔اس لیے مذہبی کتب ومتون کا ترجمہ کرنا مشکل ترین کام ہے۔

﴿۶﴾سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ مترجم کو اس بات کا بھرپور خیال رکھنا چاہیے کہ وہ مداخلت کی حدود سے تجاوز نہ کرے، ورنہ یہی مداخلت تحریف کی شکل اختیار کرلے گی۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۴﴾ آزاد ترجمہ میں مترجم کو کس طرح کی آزادی حاصل ہوتی ہے؟

﴿۵﴾ آزاد ترجمہ کی اہم خصوصیت کیا ہے؟

﴿۶﴾ آزاد ترجمہ کرتے وقت کون سا بڑا مسئلہ پیش آسکتا ہے؟۔

10.05 لفظی ترجمہ، خصوصیات اور مسائل

ایسا ترجمہ جس میں اصل متن کے الفاظ، جملوں کی ساخت وترتیب کو برقرار رکھتے ہوئے دوسری زبان میں منتقل کیا جاتا ہے، لفظی ترجمہ کہلاتا ہے۔اس کا مقصد عبارت میں موجود الفاظ کا بہترین متبادل بغیر کسی تبدیلی کے پیش کیا جائے۔

بطورمثال: Corrupt Officer has a heart of stone

لفظی ترجمہ: اس کا دل پتھر کا ہے۔

اصل مفہوم: وہ شخص بے رحم ہے۔

﴿لفظی ترجمہ کی خصوصیات﴾:

﴿۱﴾ لفظی ترجمہ کا مترجم مصنف کے تابع ہوتا ہے اس لیے یہ ترجمہ اصل الفاظ کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔مترجم کی تمام تر توجہ اس بات پر مرکوز ہوتی ہے کہ وہ ٹارگیٹ زبان میں انہیں الفاظ کو پیش کرے جو براہ راست متبادل کے طور پر موجود ہیں۔

﴿۲﴾ لفظی ترجمہ میں حذف واضافہ کی گنجائش بہت کم ہوتی ہے، جملوں کی طے شدہ ترتیب اور نحوی ساخت کو حتی المقدور برقرار رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

﴿۳﴾ اس میں مترجم اصل متن کی وضاحت واصلاح کرنے سے قدرے گریز کرتا ہے، اس کی توجہ صرف الفاظ کے بدل پر ہوتی ہے۔جیسے قرآن پاک کے شروعاتی اردو تراجم۔

﴿۴﴾ زبان سیکھنے والے طلبا کے لیے لفظی ترجمہ نہایت مفید ثابت ہوتا ہے کیوں کہ اس سے طلبا کو نئے الفاظ کے بہتر متبادل اور جملوں کی اصل ساخت سمجھنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

﴿۵﴾ ایسے علوم وفنون جن میں متن کی دُرستی اور حروف کی ہم آہنگی ومطابقت کلیدی حیثیت کا درجہ رکھتی ہے۔۔جیسے مذہبی کتب، قانون، سائنسی وٹیکنالوجی کی تحریرات۔ان میں لفظی ترجمہ زیادہ مناسب وکارگر ثابت ہوتا ہے۔

﴿لفظی ترجمہ کے مسائل﴾:

﴿۱﴾ **اصل مفہوم ومعنی میں بگاڑ کا امکان:** ہر زبان میں ان گنت محاورات، استعارات اور زبان کا خاص طرزِ بیان ہوتا ہے جو لفظی ترجمہ کے ذریعے منتقل نہیں ہو پاتا ہے، نتیجتاً اصل عبارت کا مفہوم یکسر بدل جاتا ہے جو مصنّف کی منشا سے کوسوں دُور ہوتا ہے۔

﴿۲﴾ **گنجلک وبے ربط زبان:** لفظی ترجمہ ٹارگیٹ زبان (ہدف زبان) کی عبارت اور جملوں میں اُلجھاؤ پیدا کر دیتا ہے، جس سے عبارت سہل ہونے کے بجائے ثقیل ہو جاتی ہے۔

﴿۳﴾ **ادبی حُسن کا ختم ہونا:** شاعری، افسانہ، ڈرامہ اور دیگر ادبی اصناف میں لفظوں کی ترتیب وہم آہنگی بہت اہم ہوتی ہے لیکن لفظی ترجمہ ان خصوصیات کو برقرار رکھنے سے قاصر ہوتا ہے، جس سے متن کی ادبیت پھیکی پڑ جاتی ہے۔

﴿۴﴾ ادب، شاعری، تخلیق کردہ تحریرات، محاورات، ضرب الامثال میں لفظی ترجمہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے کیوں کہ لفظی ترجمہ کے اُسلوب میں آزاد ترجمہ کی طرح وسعت وآزادی کا فقدان پایا جاتا ہے۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۷﴾ لفظی ترجمہ کیا ہوتا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟

﴿۸﴾ لفظی ترجمہ کس طرح زبان سیکھنے والے طلبا کے لیے مفید ثابت ہوتا ہے؟

﴿۹﴾ لفظی ترجمہ کے کیا مسائل یا نقصانات ہیں؟

10.06 علمی ترجمہ، خصوصیات اور مسائل

جس ترجمہ میں علمی، ادبی، تحقیقی، فنی اور تعلیمی نوعیت کے متون کو دوسری زبان میں انتہائی مہارت کے ساتھ منتقل جاتا ہے، اس طور پر کہ اصل متن کے معانی اور مروّجہ مخصوص اصطلاحات برقرار رہیں۔ علمی ترجمہ کہلاتا ہے۔

علمی ترجمہ کرنے والے مترجم کی ذمہ داری ہے کہ وہ دونوں زبانوں پر کامل عبور و دست رس رکھتا ہو، اسے موضوعاتی فہم و ادراک کا ملکہ حاصل ہو، تاکہ ترجمہ کی روح تر و تازہ رہے۔ قدیم زمانے میں علوم و فنون کا تبادلہ ترجمہ نگاری کے ذریعہ ہی ممکن ہو سکا۔ مسلمانوں نے عربی، فارسی اور سنسکرت کے متون ایک دوسرے کی زبانوں میں منتقل کیے۔ اس کے بعد جب ہندوستان میں برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی حکومت قائم کی، انگلستان سے نو وارد انگریزی افسران کے لیے ہندوستان کی تہذیب و تمدن کو اچھے سے سمجھنے، حکومتی نظام کو مزید منظّم کرنے کے لیے فورٹ ولیم کالج اور فورٹ سینٹ جارج کالج جیسے ادارے قائم کیے جہاں سے علمی و فنی ترجموں کی ایک منظّم روایت نے جنم لیا۔ موجودہ دَور میں جامعات، ریسرچ ادارے، سائنسی مراکز اور اشاعتی ادارے اس روایت کو مزید وسعت دے رہے ہیں۔ جہاں ایک طرف انفرادی طور پر علمی ترجموں میں گراں قدر کام ہوئے اسی طرح اجتماعی طور پر بھی اس کے سرمایے میں کارہائے نمایاں انجام دئے گیے۔

﴿۱﴾ اُردو میں ترجمے کی ابتدائی روایت:

(۱) سب سے پہلا ترجمہ حضرت میراں جی خدا نما کا تمہیداتِ ہمدانی کا دکنی اردو ترجمہ (۱۶۵۵ء) ہے۔

(۲) بعض لوگ سب رَس (وجہی، ۱۶۳۵ء) کو پہلا ترجمہ سمجھتے ہیں لیکن وہ مکمل طور پر ترجمہ نہیں بلکہ انشا پردازی ہے۔

﴿۲﴾ دکنی دَور کے نمایاں مترجم:

(۱) میراں جی یعقوب نے شمائل الانبیا کا فارسی سے دکنی اردو میں ترجمہ۔

(۲) شاہ ولی اللہ قادری نے معرفت السلوک کا ترجمہ کیا۔

﴿۳﴾ فورٹ ولیم کالج (کلکتہ) میں تراجم:

(۱) ادب اور زبان کی اصلاح کے ساتھ تراجم کو بھی اہمیت دی گئی۔ شکنتلا، سنگھاسن بتیسی، چہار درویش وغیرہ کے تراجم کرائے گئے۔

(۲) غلام اکبر: تواریخ السلاطین کا ترجمہ کیا

(۳) محمد عمر: تواریخ عالمگیر کا ترجمہ کیا

﴿۴﴾ فورٹ سینٹ جارج کالج:

(۱) ۱۷۷۱ء میں انگریز منشیوں کی تربیت کے لیے قائم ہوا، ۱۸۱۲ء میں نام فورٹ سینٹ جارج کالج رکھا گیا۔

(۲) اساتذہ تدریس کے ساتھ مختلف کتابوں کے ترجمے بھی کرتے تھے۔

(۳) تکمیل الایمان ہندی

(۴) تفسیر جلالین (ترجمہ)

(۵) ڈاکٹر ایڈورڈ بالفو: کتاب علمِ نجوم

﴿۵﴾ ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی (دہلی کالج):

(۱) قیام: ۱۸۲۵ء (کالج)

(۲) مقصد: دیسی زبانوں میں سائنسی وتعلیمی کتابوں کا ترجمہ، اصطلاحات وضع کرنا، الجبرا، کیمسٹری، جغرافیہ طبعی، علم مناظر، حرارت، برق، اعمال جراحی، طبعیات وغیرہ علوم وفنون کے ترجمے کیے گیے۔

(۳) نمایاں مترجمین: مسٹر بوترام، ڈاکٹر اسپرنگر، منشی کریم الدین، مولوی ذکاء اللہ، ماسٹر رام چندر، پنڈت رام کرشن، ڈاکٹر ضیاءالدین وغیرہ۔

﴿۶﴾ سائنٹفک سوسائٹی:

(۱) سائنٹفک سوسائٹی ۱۸۶۳ء میں سرسید احمد خان نے قائم کی۔

(۲) مقصد: یورپی اور انگریزی زبانوں کی علمی وسائنسی کتابوں کو اردو میں ترجمہ کرنا، مسلمانوں کو جدید علوم سے روشناس کرانا تھا۔

(۳) ۱۸۸۷ء میں سوسائٹی کو مدرستہ العلوم میں شامل کر دیا گیا اور اسی سال اسے بند کر دیا گیا۔

(۴) سوسائٹی نے تقریباً پندرہ اہم کتابوں کے تراجم شائع کیے۔

(۵) تراجم میں تاریخِ مصر، تاریخِ چین، یونان کی تاریخ، زراعت، کاشتکاری وغیرہ شامل ہیں۔

﴿علمی ترجمے کی اہمیت وخصوصیات﴾:

(۱) علمی ترجمہ عالمی زبانوں وتہذیبوں کے درمیان فکری ونظریاتی ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔

(۲) اس سے جدید سائنسی وتحقیقی افکار ونظریات کو مقامی وعلاقائی زبانوں میں پڑھنے اور سمجھنے کا موقع فراہم ہوتا ہے، عالمی سطح پر علم کی رسائی کو ممکن وآسان بنانے میں مدد ملتی ہے۔

(۳) اس کے ذریعہ دو مختلف قومیں ایک دوسرے کے علمی سرمائے سے مستفید ہوتی ہیں، نئے نئے نظریات ودریافت کی راہیں ہموار ہوتی ہیں، جس سے دونوں کے علمی وادبی سرمایے میں گراں قدر اضافہ ہوتا ہے۔

(۴) علمی ترجمہ نے علوم انسانی کو غیر معمولی پرواز عطا کی ہے، جس سے ماضی سے حال تک قوموں کے درمیان، لسانی، علمی، ادبی، تحقیقی فاصلے میں کمی واقع ہوئی ہے۔

﴿علمی ترجمہ کے مسائل﴾:

﴿۱﴾ موزوں ومناسب اصطلاحات کا انتخاب:

علمی ترجمہ میں سائنسی، طبی، فنی یا قانونی متون میں مخصوص اصطلاحات کا استعمال کیا جاتا ہے، ہم جانتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ جو

پہلو ومفہوم بنیادی زبان میں ادا ہو رہا ہے وہی پہلو ہدف زبان میں بھی ادا ہو جائے ،اس لیے مترجم کے سامنے معیاری و درست اصطلاحات کا انتخاب ایک پیچیدہ مسئلہ بن جاتا ہے۔

﴿۲﴾ ثقافتی ،تاریخی اور نظریاتی پس نظر کا فرق:

کچھ علمی متون کسی خاص زمانے، کسی مخصوص مکتبۂ فکر (مثلاً مارکسی ،ساختیاتی ،پس ساختیاتی یا جدید و مابعد جدید نظریات) سے وابستہ ہوتے ہیں۔اگر مترجم اس پس منظر کو جانے بغیر ترجمہ کرے گا تو اس کا مفہوم ناقص و اَدھورا رہ جائے گا۔علمی سیاق کا فقدان ترجمہ کی تفہیم کو کمزور بنا دیتا ہے۔

﴿۳﴾ اسلوبی ولسانی پیچیدگی:

علمی تراجم میں پیش کی جانے والی زبان آزاد اور لفظی ترجموں کی زبان کے مقابلے پیچیدہ ہوتی ہے ،مترجم ترجمہ کے دَوران طویل جملوں ،منطقی وفلسفیانہ دقیق مسائل کو ہدف زبان میں کس طرح منتقل کرتا ہے، یہاں مترجم کی صلاحیت کا اصل امتحان ہوتا ہے۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۱۰﴾ علمی ترجمہ کیا ہوتا ہے اور اس کی اہمیت کیا ہے؟

﴿۱۱﴾ علمی ترجمہ کرنے والے مترجم میں کون سی خصوصیات ہونی چاہیے؟

﴿۱۲﴾ قدیم زمانے میں علمی تراجم کا سلسلہ مسلمانوں اور برٹش راج میں کیسے شروع ہوا؟

10.07 خلاصہ

ترجمہ ایک نہایت سنجیدہ اور مہارت طلب فن ہے جس کا مقصد صرف الفاظ کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا نہیں بلکہ اصل متن کی روح، اس کا لہجہ اور ثقافتی پس منظر پوری وفاداری سے دوسری زبان میں منتقل کرنا ہوتا ہے۔اچھا مترجم وہ ہے جو دونوں زبانوں کے قواعد، لغت، محاورات، استعارات اور تہذیبی عناصر سے واقف ہو۔اگر مترجم زبان اور ثقافت کی باریکیوں سے آگاہ نہ ہو تو ترجمہ بے معنی اور غیر مؤثر ہو جاتا ہے۔ترجمہ انسانی تاریخ کی بنیادی ضرورت ہے۔مذہبی تعلیمات کی اشاعت، علمی و ادبی ذخیرے کی ترسیل، مختلف قوموں کے باہمی روابط، ثقافتی تبادلے، سیاسی وسفارتی اُمور اور تعلیم گویا ہر میدان میں ترجمے کا کردار نہایت اہم ہے۔ترجمہ قوموں کے درمیان رابطے اور ہم آہنگی کو مضبوط بناتا ہے۔

ترجمے کی کئی اقسام ہیں، جن میں علمی ترجمہ، ادبی ترجمہ، مذہبی ترجمہ اور صحافتی ترجمہ شامل ہیں۔علمی ترجمہ میں سائنسی اصطلاحات کا درست انتخاب ضروری ہے، جبکہ ادبی ترجمہ میں زبان کی نزاکت وحُسن برقرار رکھنا اہم ہوتا ہے۔صحافتی ترجمے میں تیزی، درستگی اور حالاتِ حاضرہ سے واقفیت ضروری ہے۔

تھیوڈور ساوری کے مطابق ترجمے کی دو بنیادی اقسام ہیں:

آزاد ترجمہ: جس میں اصل مفہوم اور احساس کو اپنی زبان میں مؤثر طریقے سے منتقل کیا جاتا ہے۔

لفظی ترجمہ: جس میں ہر لفظ کو اصل ترتیب کے ساتھ منتقل کیا جاتا ہے لیکن اکثر مفہوم کی روانی متاثر ہو جاتی ہے۔

آزاد ترجمہ لفظ بہ لفظ پابندی کے بجائے اصل متن کے مفہوم، جذبے اور اثر کو نئی زبان میں مؤثر انداز سے منتقل کرنے کا نام ہے۔ اس میں مترجم کو جملوں کی ترتیب، الفاظ کی تبدیلی اور محاورات کو نئے انداز میں ڈھالنے کی آزادی ہوتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ متن کا بنیادی پیغام برقرار رہے۔ ادب اور مذہبی متون میں اس کی ضرورت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ تاہم آزاد ترجمہ کے چند مسائل بھی ہیں جیسے حد سے زیادہ آزادی ، ذاتی خیالات کی مداخلت، اصل اسلوب کا بگڑ جانا اور مذہبی متون میں تحریف کا خطرہ۔ مجموعی طور پر مترجم کو علمی دیانت، زبانوں کے گہرے علم اور احتیاط کے ساتھ کام کرنا ضروری ہے۔

لفظی ترجمہ وہ طریقہ ہے جس میں اصل متن کے الفاظ، جملوں کی ترتیب اور ساخت کو بدلے بغیر دوسری زبان میں منتقل کیا جاتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ متن اپنی اصل شکل سے قریب رہتا ہے اور زبان سیکھنے والوں کو الفاظ اور جملوں کی ساخت سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ مذہبی، قانونی اور سائنسی متون میں یہ طریقہ زیادہ مفید ہوتا ہے۔ تاہم اس کے کئی مسائل بھی ہیں جیسے اصل مفہوم میں بگاڑ، زبان کا پیچیدہ ہو جانا، ادبی حُسن کا کم ہونا اور محاورات یا ادبی تحریروں میں درست معنیٰ منتقل نہ ہو پانا۔ اس لیے ہر جگہ لفظی ترجمہ موزوں نہیں ہوتا۔

علمی ترجمہ وہ عمل ہے جس میں علمی، ادبی، تحقیقی، فنی اور تعلیمی نوعیت کے متون کو دوسری زبان میں اس مہارت کے ساتھ منتقل کیا جاتا ہے کہ اصل متن کے معانی، روح اور مخصوص اصطلاحات برقرار رہیں۔ مترجم کو دونوں زبانوں پر عبور اور موضوعاتی فہم حاصل ہونا ضروری ہے۔ قدیم زمانے میں مسلمان عربی، فارسی اور سنسکرت کے متون ایک دوسرے میں منتقل کرتے رہے جبکہ برٹش راج میں ہندوستان میں کالج اور ادارے قائم ہوئے تاکہ علمی وفنی تراجم کی روایت مضبوط ہو۔ آج جامعات، ریسرچ ادارے اور ٹیکنالوجی اس علم کو وسعت اور رفتار دے رہی ہے۔ علمی ترجمہ عالمی زبانوں وتہذیبوں کے درمیان فکری ہم آہنگی پیدا کرتا ہے، جدید سائنسی وتحقیقی علوم کو مقامی زبانوں میں منتقل کرتا ہے اور قوموں کے علمی وادبی سرمایے میں اضافہ کرتا ہے۔

10.08 فرہنگ

ابہام : غیر واضح بات، دھندلا پن
ادارے : تنظیمیں، ادارے
ادبی حسن : ادب کی خوبصورتی
ادراک : شعور، سمجھ
استعارات : تشبیہ کے ذریعے بات سمجھانا، علامتی الفاظ
اسلوب : اندازِ بیان
اصطلاحات : مخصوص الفاظ یا جملے جو کسی فیلڈ میں استعمال ہوتے ہیں
اصلاح : درستگی، ٹھیک کرنا
اضافہ : بڑھانا
صرفی : الفاظ کی بناوٹ اور تبدیلی سے متعلق
ضرب الامثال : کہاوتیں
عبور : قابو، ماہر ہونا، مکمل سمجھ اور تسلط
علامتیں : نشانات یا اشارات جو کسی معنی کی طرف اشارہ کریں
علمی ترجمہ : ایسا ترجمہ جو علمی، ادبی، تحقیقی اور تعلیمی متون کو مہارت کے ساتھ منتقل کرے
غیر موزوں : مناسب نہ ہونا
فائدہ : نفع، اہمیت
فقدان : کمی، نہ ہونا

افہام وتفہیم : سمجھانا اور سمجھنا
بگاڑ : خراب ہونا
بے ربط : جس میں تسلسل نہ ہو
بے رحم : سخت دل، جس میں ہمدردی نہ ہو
بے روح : جان یا تاثیر سے خالی
بین الاقوامی : عالمی، مختلف ممالک سے متعلق
پیچیدہ : مشکل، الجھا ہوا
تابع : پیروکار، حکم ماننے والا، پیروی کرنے والا
تاثیر : اثر، اثر انگیزی
تبادلہ : ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا
تحریف : اصل متن میں تبدیلی یا بگاڑ
تخلیق کردہ : بنایا ہوا، پیدا کیا ہوا
تراجم : ترجمے
تراکیب : جملے بنانے کے طریقے
ترتیب : نظم، ترتیب وار رکھنا، ترتیب دینا، منظّم انداز
تفہیم : سمجھنا
تہذیب : ثقافت، طور طریقے
ٹیکنالوجی : سائنسی یا عملی علم کا استعمال
ثقافت : تہذیب، معاشرتی طور طریقے، روایات
ثقیل : بھاری، مشکل فہم
جامعات : یونیورسٹیاں
حذف : نکال دینا
درستگی : اصل صورت کی حفاظت
دسترس : مکمل گرفت، پوری مہارت
دقیق : بہت باریک، سمجھنے میں مشکل
رجحان : میلان، کسی طرف ذہنی جھکاؤ

فنون : ہنر اور تخلیقات
قاصر : کمی ہونا، طاقت نہ ہونا
قدیم : پرانا، تاریخی
قرارداد : سرکاری فیصلے یا تحریری معاہدے
کنایات : اشاروں میں بات کرنا
گریز کرنا : بچنا، دور رہنا
گنجلک : الجھا ہوا، مشکل، پیچیدہ
لطافت : نرمی، باریکی، خوبصورتی
متبادل : بدل، دوسری جگہ لینے والا لفظ
متن : لکھا ہوا مواد
متون : لکھے ہوئے مواد
محاورات : زبان کے خاص جملے
محاوراتی شعور : محاوروں کو سمجھنے اور استعمال کرنے کی صلاحیت
مداخلت : بیچ میں تبدیلی کرنا
مرکزی پیغام : اصل بات، بنیادی خیال
مزاج : طبیعت، طریقِ کار
مستند : صحیح، قابلِ اعتماد
مصنوعیت : بناوٹ، غیر فطری انداز
معیاری : معیار کے مطابق
مفہوم : معنی، مطلب
مقامی : علاقے یا قوم کی زبان
مقصد : غرض، اصل مطلب
مکتبۂ فکر : نظریاتی یا فکری جماعت
موضوعاتی فہم : کسی مضمون یا موضوع کی گہری سمجھ
مہارت : ماہر ہونا، قابلیت، کسی کام کو بخوبی کرنے کی

رواں : بہاؤ والا، آسانی سے پڑھا جانے والا

روح : اصل معنی یا اثر

روحِ متن : اصل مقصد یا اصل احساس

ریسرچ : تحقیق

ساخت : بناوٹ، ترتیب

سائنسی : علومِ فطری اور عملی

سنجیدہ : گہرائی والا، اہم

سیاق : پس منظر، ماحول

شریکِ تصنیف : ساتھ مل کر لکھنے والا

قابلیت

ناقص : غیر مکمل، کمزور

نحوی : گرامر یا جملوں کی ساخت سے متعلق

نحوی ساخت : گرامر کی بناوٹ

نظریات : خیالات یا تصورات

وسعت : زیادہ گنجائش، توسیع، دائرہ

وضاحت : صاف بیان کرنا

ہدف زبان : وہ زبان جس میں ترجمہ کیا جائے

ہم آہنگی : باہمی سمجھ، میل جول، مطابقت، تال میل

10.09 نمونہ امتحانی سوالات

الف: درجِ ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰/۱۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : ترجمہ کسے کہتے ہیں؟

سوال نمبر۲ : آزاد ترجمہ کی تعریف لکھیے۔

سوال نمبر۳ : ترجمہ کی عام طور پر کتنی اقسام ہیں؟

ب: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰/۳۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : علمی وادبی ترجمہ کے فرق کو واضح کیجیے۔

سوال نمبر۲ : آزاد اور علمی ترجمہ کی کیا خصوصیات ہیں؟

سوال نمبر۳ : لفظی ترجمہ میں درپیش مسائل کا تذکرہ کیجیے۔

معروضی سوالات

سوال نمبر۱ : لفظی ترجمہ کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

(الف) الفاظ کے بہتر متبادل کے ساتھ اصل ترتیب برقرار رکھنا (ج) ادبی حُسن پیدا کر

(ب) متن کو مختصر کرنا (د) محاورات کو حذف کرنا

سوال نمبر۲ : لفظی ترجمہ کس قسم کے متون میں زیادہ مفید ہوتا ہے؟

(الف) شاعری اور افسانہ (ج) مضامین اور بلاگز

(ب) مذہبی، قانونی اور سائنسی تحریریں (د) خبروں کے مضامین

سوال نمبر۳ : علمی ترجمہ کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

(الف) متن کو مختصر کرنا (ج) محاورات اور کہاوتیں

(ب) شاعری اور افسانہ تخلیق کرنا (د) علمی و ادبی متون کے معانی اور روح برقرار رکھنا

سوال نمبر۴ : لفظی ترجمہ طلبا کے لیے کیوں مفید ہے؟

(الف) ادبی تخلیقات کے لیے (ج) محاورات سیکھنے کے لیے

(ب) جملوں کی اصل ساخت اور الفاظ کے متبادل سمجھنے میں آسانی کے لیے (د) ترجمہ کو مختصر کرنے کے لیے

سوال نمبر۵ : علمی ترجمہ کرنے والے مترجم میں کون سی خصوصیات ہونی چاہئیں؟

(الف) صرف ہدف زبان پر عبور (ج) تیز ترجمہ کرنا

(ب) دونوں زبانوں پر عبور اور موضوعاتی فہم و ادراک (د) لفظی ترجمہ کرنا

معروضی سوالات کے جوابات

جواب نمبر۱ : (الف) الفاظ کے بہتر متبادل کے ساتھ اصل ترتیب برقرار رکھنا

جواب نمبر۲ : (ب) مذہبی، قانونی اور سائنسی تحریریں

جواب نمبر۳ : (د) علمی و ادبی متون کے معانی اور روح برقرار رکھنا

جواب نمبر۴ : (ب) جملوں کی اصل ساخت اور الفاظ کے متبادل سمجھنے میں آسانی کے لیے

جواب نمبر۵ : (ب) دونوں زبانوں پر عبور اور موضوعاتی فہم و ادراک

10.10 حوالہ جاتی کتب

۱۔ ابلاغیات از ڈاکٹر محمد شاہد حسین

۲۔ اُردو اصطلاحات سازی از ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری

۳۔ اصول وضع اصطلاحات از وحیدالدین سلیم

۴۔ ترجمہ، روایت اور فن از نثار احمد قریشی

۵۔ ترجمہ کا فن از ڈاکٹر حامد بیگ

۶۔ ترجمہ کا فن اور روایت از پروفیسر قمر رئیس

۷۔ ریڈیائی صحافت از سجاد حیدر

11.11 اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

﴿۱﴾ ترجمہ اس لیے سنجیدہ فن ہے کہ اس میں صرف الفاظ نہیں بلکہ متن کی روح، جذبات، تہذیب، لہجہ اور پس منظر کو صحیح طور پر دوسری زبان میں منتقل کرنا ہوتا ہے۔

﴿۲﴾ ترجمہ اس لیے ضروری ہے کہ مختلف زبانوں اور ثقافتوں کا علم، مذہبی تعلیمات، ادبی ورثہ، سائنسی معلومات اور سیاسی اُمور ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہو کر قوموں کو قریب لاتے ہیں اور عالمی رابطے مضبوط ہوتے ہیں۔

﴿۳﴾ تھیوڈور ساوری کے مطابق ترجمے کی دو بنیادی اقسام ہیں: الف۔آزاد ترجمہ ب۔لفظی ترجمہ

﴿۴﴾ آزاد ترجمہ میں مترجم کو جملوں کی بناوٹ، لفظی ترتیب اور لسانی پابندیوں سے کافی آزادی ملتی ہے اور وہ اصل معنی کو برقرار رکھتے ہوئے الفاظ و اُسلوب تبدیل کر سکتا ہے۔

﴿۵﴾ آزاد ترجمہ کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مترجم لفظوں کا پابند نہیں ہوتا بلکہ اصل مفہوم، جذبے اور اثر کو ہدف زبان میں مؤثر انداز سے منتقل کرتا ہے۔

﴿۶﴾ آزاد ترجمہ کا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ مترجم ضرورت سے زیادہ تبدیلی کر کے اصل متن کے مفہوم یا اُسلوب کو بگاڑ سکتا ہے، جس سے پیغام متاثر ہو جاتا ہے۔

﴿۷﴾ لفظی ترجمہ وہ طریقہ ہے جس میں اصل متن کے الفاظ اور جملوں کی ترتیب کو بدلے بغیر دوسری زبان میں منتقل کیا جاتا ہے اور اس کا مقصد الفاظ کے بہتر متبادل پیش کرنا ہوتا ہے۔

﴿۸﴾ یہ زبان سیکھنے والے طلبا کو نئے الفاظ کے متبادل اور جملوں کی اصل ساخت سمجھنے میں آسانی فراہم کرتا ہے۔

﴿۹﴾ لفظی ترجمہ کے مسائل میں اصل مفہوم میں بگاڑ، زبان کا اُلجھا ہوا ہونا، ادبی حُسن کا ختم ہونا اور محاورات یا ادبی تحریروں میں درست معنی منتقل نہ ہونا شامل ہیں۔

﴿۱۰﴾ علمی ترجمہ وہ عمل ہے جس میں علمی، ادبی، تحقیقی اور تعلیمی متون کو دوسری زبان میں اس مہارت کے ساتھ منتقل کیا جاتا ہے کہ اصل متن کے معانی، روح اور مخصوص اصطلاحات برقرار رہیں۔ یہ عالمی زبانوں اور تہذیبوں کے درمیان فکری ہم آہنگی پیدا کرتا ہے اور جدید علوم کی رسائی آسان بناتا ہے۔

﴿۱۱﴾ مترجم کو دونوں زبانوں پر مکمل عبور موضوعاتی فہم و ادراک اور مہارت حاصل ہونی چاہیے تاکہ ترجمہ کی روح برقرار رہے۔

﴿۱۲﴾ مسلمانوں نے عربی، فارسی اور سنسکرت کے متون ایک دوسرے میں منتقل کیے، جبکہ برٹش راج میں ہندوستان میں کالج اور ادارے قائم کیے گئے تاکہ علمی و فنی تراجم کی روایت مضبوط ہو۔

اکائی 11 اُردو میں مذہبی تراجم کی روایت واہمیت اور مسائل

ساخت

11.01 : اغراض ومقاصد

11.02 : تمہید

11.03 : قرآن پاک کے اردو تراجم

11.04 : نمونہ ترجمہ سورۂ فاتحہ

11.05 : حدیث کی کتابوں کے اردو تراجم

11.06 : علمِ فقہ کی کتابوں کے اردو تراجم

11.07 : مختلف مذاہب کی مقدس کتابوں کے اردو تراجم

11.08 : مذہبی کتب کے تراجم کے مسائل

11.09 : خلاصہ

11.10 : فرہنگ

11.11 : سوالات

11.12 : حوالہ جاتی کتب

11.13 : اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

11.01 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں اردو میں مذہبی ترجمہ کی روایت، اہمیت اور مسائل پر بات کی جائے گی، خصوصی طور پر ''قرآن پاک کے اردو تراجم، نمونہ ترجمہ سورۂ فاتحہ، حدیث کی کتابوں کے اردو تراجم، علم فقہ کی کتابوں کے اردو تراجم، مختلف مذاہب کی مقدس کتابوں کے اردو تراجم، مذہبی کتب کے تراجم کے مسائل کے حوالے سے سیر حاصل تبصرہ، ترجمہ نگاری کی روایت کے ساتھ ہی ان کے ترقیاتی مدارج کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔ آخر میں فرہنگ، نمونہ امتحانی سوالات اور حوالہ جاتی کتب کا اندراج کیا جائے گا جس میں اسلامی مذہبی لٹریچر کے ساتھ ساتھ دیگر ادیان و مذاہب کی مقدس کتب کے تراجم کا مفصل ذکر کیا جائے گا۔

11.02 تمہید

ترجمہ کسی بھی زبان میں محض الفاظ کی تبدیلی نہیں بلکہ تہذیبوں کے درمیان ایک پُل کا کردار ادا کرتا ہے، جو ایک قوم کو دوسری قوم کی ثقافت، ادب اور فکر ونظر سے روشناس کرواتا ہے۔ اردو زبان میں مذہبی اور دینی تراجم کی تاریخ نسبتاً نئی ہے، اور اس کا آغاز تقریباً اسی

دَور میں ہوا جب اردو خود ایک زبان کی حیثیت سے اُبھر رہی تھی۔ اردو میں ترجمہ نگاری کے فن نے خود اردو کے شانہ بشانہ ترقی کے مدارج طے کیے ہیں۔

قدیم زمانے سے ہی مختلف قوموں نے اپنی دینی و اخلاقی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے اسی خطے میں برسوں سے قیام کرنے والی قوم کی زبان میں منتقل کرنے کی ضرورت کو محسوس کیا جس سے ان کی پیغام رسانی کا کام آسان ہو آسان ہو سکے۔ انہیں مذاہب کے تتبع میں علمائے اسلام نے بھی دینی سرمائے کو دیگر زبانوں میں منتقل کرنا شروع کیا جس سے دوسرے اَدیان وتہذیب کے پیروکاروں کو بھی دینِ اسلام کی تعلیمات سے روشناس ہونے کا موقع میسر ہوا۔

اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اردو میں مذہبی متون کے تراجم کی روایت کا آغاز فارسی وعربی زبان سے ہوا تھا۔ اس کے بعد ہندی اور سنسکرت کے مذہبی متون کو بھی اردو میں ترجمہ کرنے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اسلام کی مذہبی کتب خصوصاً قرآن کریم کے اردو تراجم سے پہلے لاطینی، فرانسیسی اور انگریزی جیسی عالمی زبانوں میں ترجمے ہو چکے تھے۔ ہم جانتے ہیں کہ ادب کے ساتھ ساتھ مذہب کی ترویج و اشاعت کے لیے ترجمہ کی اہمیت مسلم ہے گویا فنِ ترجمہ نگاری کسی بھی ادب کی جگ رسائی کا مضبوط وسیلہ ہے۔

عربی و فارسی کا بیشتر ترجمہ شدہ ادبی سرمایہ اردو کی زینت بنا ہے۔ دکن میں حضرت بندہ نواز گیسو دراز نے اپنے دینی افکار وتعلیمات کی بہتر ترسیل کے لیے اردو زبان کا سہارا لیا اور اپنے مریدین کی بہتر رہنمائی کے لیے رسالہ معراج العاشقین تحریر فرمایا۔

ہندوستان میں مختلف مذاہب وتہذیب کے لوگ رہتے ہیں۔ ہمارے یہاں قدم قدم پر بولی تبدیل ہو جاتی ہے۔ ایک دوسرے کی دینی تعلیمات کو جاننے اور سمجھنے کے لیے ایک دوسرے کی دینی اور مذہبی کتب کا اپنی زبان میں ترجمہ کیا گیا جیسے قرآن پاک کی افہام وتفہیم کے لیے لاطینی اور انگریزی کے ساتھ ساتھ اردو میں تراجم کیے گیے۔ عیسائیوں کی انجیل مقدّس کے بعد قرآن کریم ہی واحد صحیفہ ہے جس کے دنیا کی اکثر زبانوں میں تراجم کیے گیے ہیں۔

11.03 قرآن پاک کے اردو تراجم

﴿۱﴾ شاہ رفیع الدین دہلوی:

دینی متون کے تراجم کی فہرست میں قرآن پاک کے ترجموں کا نام سب سے اوپر آتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فرزندارُ جمند مولانا شاہ رفیع الدین صاحب نے سب سے پہلے قرآن کریم کا اردو ترجمہ پیش کیا۔ اس ترجمہ میں لفظی ترجمہ کی تکنیک کا استعمال کیا گیا ہے جس سے اس کی افہام وتفہیم قارئین کے سامنے بڑا مسئلہ بن جاتی ہے۔ اردو جملوں کی ساخت و بناوٹ اس قسم کی ہے کہ اردو عبارت کے عربی ہونے کا شبہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ سورہ فاتحہ کا ترجمہ بطور نمونہ پیش ہے۔

آیت نمبر۱: سب تعریفیں واسطے اللہ کے پروردگار عالموں کا

آیت نمبر۲: بہت مہربان نہایت رحم والا

آیت نمبر۳: مالک روزِ جزا کا

آیت نمبر۴: تجھ ہی کو عبادت کرتے ہیں ہم اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں ہم

آیت نمبر۵: دکھا ہم کو راہ سیدھی

آیت نمبر۶: راہ اُن لوگوں کی کہ انعام کی ہے تونے اوپر اُن کے

آیت نمبر۷: سوا ان کے جو غصہ کیا گیا ہے اوپر ان کے اور نہ گمراہوں کی

﴿۲﴾ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی:

مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی کے جداعلیٰ مولانا شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اپنے وقت کے جید علما وفضلا کے ساتھ ساتھ ذی خدا رسیدہ صوفیائے کرام کے زمرے میں کیا جاتا ہے۔ مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تیسرے فرزند ہیں۔ آپ کی ولادت بہ سعادت ۱۷۶۱ء میں ہوئی۔ تعلیم وتربیت کے تمام مراحل والدِ بزرگ وار سے طے کیے۔ علمِ فقہ، علمِ حدیث اور علمِ تفسیر میں عبور حاصل کیا۔ آپ نے قرآن کریم کا اردو میں ترجمہ کیا اور ترجمہ کرتے وقت الفاظ کے انتخاب و برمحل اُن کے استعمال کا خاصا اہتمام کیا ہے۔ عربی الفاظ کے ایسے ایسے مناسب متبادل استعمال کیے ہیں کہ ترجمہ کا حُسن دوبالا ہوگیا ہے۔ اگرچہ ترجمہ کا زیادہ تر حصہ تحت اللفظ میں ہے، معانی کو مزید واضح کرنے کے لیے مفید قوسین کا بھرپور استعمال کیا گیا ہے۔ سورۂ فاتحہ کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔

آیت نمبر۱: سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب سارے جہان کا

آیت نمبر۲: بہت مہربان نہایت رحم والا

آیت نمبر۳: مالک انصاف کے دن کا

آیت نمبر۴: تجھی کو بندگی کریں گے تجھی سے مدد چاہیں گے

آیت نمبر۵: چلا ہم کو راہ سیدھی

آیت نمبر۶: راہ ان کی جن پر تونے فضل کیا

آیت نمبر۷: نہ ان کی جن پر غصہ ہوا اور نہ بہکنے والے

مندرجہ بالا ابتدائی تراجم کے علاوہ قرآن کریم کے متعدد علمائے کرام نے تراجم کیے ہیں جن کی فہرست درج ذیل ہیں۔

﴿۱﴾ مولانا انشاءاللہ خاں ﴿۲﴾ مولانا ابوالکلام آزاد ﴿۳﴾ مولانا احمد حسن ندوی

﴿۴﴾ مولانا احتشام الحق تھانوی ﴿۵﴾ مولانا ابومحمد مصلح حیدرآبادی ﴿۶﴾ مولانا افضل احمد اسماعیل قادری

﴿۷﴾ مولانا احمد شاہ قادری ﴿۸﴾ مولانا احمد علی لاہوری ﴿۹﴾ مولانا احمد عبدالصمد فاروقی چشتی

﴿۱۰﴾ مولانا احمدی حافظ روشن علی ﴿۱۱﴾ مولانا احمدی غلام حسن نیازی پشاوری ﴿۱۲﴾ مولانا احمدی میر محمد اسحاق

﴿۱۳﴾ مولانا شاہ عبداللہ امرتسری ﴿۱۴﴾ مولانا ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ﴿۱۵﴾ مولانا خواجہ حسن نظامی دہلوی

﴿۱۶﴾ مولانا سید احمد خاں ﴿۱۷﴾ مولانا سید امیر علی ﴿۱۸﴾ مولانا شاہ مراداللہ انصاری

﴿۱۹﴾ مولانا شاہ امجدی ﴿۲۰﴾ مولانا شمس پیرزادہ ﴿۲۱﴾ مولانا شریف خان

﴿۲۲﴾ مولانا محمود حسن دیوبندی ﴿۲۳﴾ مولانا محمد علی لاہوری ﴿۲۴﴾ مولانا مرزا حیرت دہلوی

﴿۲۵﴾ مولانا محمد جونا گڑھی ﴿۲۶﴾ مولانا مودودیؒ ﴿۲۷﴾ مولانا عبدالباری فرنگی محلی

﴿۲۸﴾ مولانا عبدالماجد دریا آبادی ﴿۲۹﴾ مولانا فیروزالدین ﴿۳۰﴾ مولانا کرم شاہ ازہری بریلوی

﴿۳۱﴾ مولانا وحیدالدین خان ﴿۳۲﴾ مولانا محمد ادریس کاندھلوی ﴿۳۳﴾ مولانا مفتی محمد جالندھری

﴿۳۴﴾ مولانا احمد رضا خان فاضل بریلی ﴿۳۵﴾ پیر کرم شاہ ازہری

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۱﴾ قرآن پاک کا سب سے پہلا اردو ترجمہ کس نے کیا؟

﴿۲﴾ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی کے ترجمے کی کیا خاص بات تھی؟

11.04 نمونہ ترجمہ سورۂ فاتحہ

آیت نمبر ۱ : **الحمد لله رب العالمین**

مولانا احمد رضا خان — سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا

مولانا محمود حسن دیوبندی — سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پالنے والا سارے جہان کا

مولانا عبدالماجد دریابادی — سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سب جہاں والوں کا پرورش کرنے والا ہے

مولانا مودودیؒ — تعریف اللہ ہی لے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے

آیت نمبر ۲ : **الرحمن الرحیم**

مولانا احمد رضا خان — بہت مہربان رحمت والا

مولانا محمود حسن دیوبندی — بے حد مہربان، نہایت رحم والا

مولانا عبدالماجد دریابادی — بڑا مہربان نہایت رحم والا

مولانا مودودیؒ — نہایت مہربان اور رحم فرمانے والا

آیت نمبر ۳: **مالک یوم الدین**

مولانا احمد رضا خان — روز جزا کا مالک

مولانا محمود حسن دیوبندی — مالک روز جزا کا

مولانا عبدالماجد دریابادی — قیامت کے دن کا مالک

مولانا مودودیؒ — روز جزا کا مالک ہے

آیت نمبر ۴: **ایاک نعبد و ایاک نستعین**

مولانا احمد رضا خان — ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں

مولانا محمود حسن دیوبندی — تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں

مولانا عبدالماجد دریابادی	تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں
مولانا مودودیؒ	ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں
آیت نمبر ۵:	**اهدنا الصراط المستقيم**
مولانا احمد رضا خان	ہم کو سیدھا راستہ چلا
مولانا محمود حسن دیوبندی	بتلا ہم کو راہ سیدھی
مولانا عبدالماجد دریابادی	ہمیں سیدھی راہ پہونچا
مولانا مودودیؒ	ہمیں سیدھا راستہ دکھا
آیت نمبر ۶:	**صراط الذين انعمت عليهم**
مولانا احمد رضا خان	راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا
مولانا محمود حسن دیوبندی	راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا
مولانا عبدالماجد دریابادی	ان کی راہ پر جن پر تو نے انعام کیے
مولانا مودودیؒ	راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام فرمایا
آیت نمبر ۷:	**غير المغضوب عليهم و الضالين**
مولانا احمد رضا خان	نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا
مولانا محمود حسن دیوبندی	نہ جن پر تیرا غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے
مولانا عبدالماجد دریابادی	نہ ان لوگوں کی جن پر غضب کیا گیا اور نہ ان کی جو گمراہ ہیں
مولانا مودودیؒ	جو معتوب نہیں ہوئے، جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں

11.05 حدیث کی کتابوں کے اردو تراجم

شریعتِ اسلامیہ کے دو بنیادی مآخذ ہیں:

﴿۱﴾ کلامِ الٰہی (قرآنِ کریم) ﴿۲﴾ ارشاداتِ نبویہ (احادیثِ مبارکہ)

اسلام کی بنیاد انہی دو مصادر پر استوار ہے اور ایک مسلمان کی زندگی کے لیے ان دونوں کو راہِ ہدایت بنانا ضروری ہے۔

حدیث کی تعریف:

لغوی اعتبار سے ’’حدیث‘‘ کے معنی ہیں بات چیت یا گفتگو۔

اصطلاحِ شرع میں، ہر وہ قول، فعل، تقریر یا خصلت جو رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہو، حدیث کہلاتی ہے۔ قرآنِ کریم کے صحیح مفاہیم و مطالب کو سمجھنے کے لیے احادیثِ نبویہ کا جاننا بے حد ضروری ہے، کیوں کہ سنتِ نبوی قرآن کی عملی تفسیر کا درجہ رکھتی ہے۔

علمِ حدیث کی حفاظت اور ترویج کے لیے اہلِ علم نے نہایت محنت اور جاں فشانی کے ساتھ کام کیا۔ چوں کہ حدیث کا بیشتر ذخیرہ عربی زبان میں تھا، اس لیے علمائے کرام نے اسے اردو زبان میں منتقل کر کے اردوداں طبقے پر عظیم احسان فرمایا۔ ان کی اس خدمتِ دینی کی بدولت آج عام مسلمان بھی احادیثِ نبوی سے فیض حاصل کر سکتا ہے۔ احادیث کی چھ صحیح ترین کتب کو مجموعی طور پر اصطلاحاً صحاحِ ستہ کہا جاتا ہے جن کا ذکر درج ذیل ہے۔

﴿۱﴾ صحیح بخاری: یہ صحاحِ ستہ کی سب سے پہلی کتاب ہے جس سے امام ابوعبداللہ محمد ابن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے۔

﴿۲﴾ مسلم شریف: علم حدیث میں بخاری شریف کے بعد امام مسلم بن حجاج بن قشیری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مسلم شریف کا شمار دوسری مستند کتاب میں کیا جاتا ہے۔

﴿۳﴾ سنن ابی داؤد: اسے امام ابی داؤد سلیمان بن اشعث رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

﴿۴﴾ جامع الترمذی: حدیث شریف اس مجموعے کو امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔

﴿۵﴾ سنن النسائی: سُنن النسائی کو جمع کرنے والے امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی نسائی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔

﴿۶﴾ سنن ابن ماجہ: سُنن ابنِ ماجہ کو امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابنِ ماجہ القزوینی رحمتہ اللہ علیہ نے جمع کیا ہے۔

عربی سے اردو میں ترجمہ شدہ کتابوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

﴿۱﴾ بخاری شریف کے اردو مترجم:

بخاری شریف کا پورا نام:

اَلْجَامِعُ الْمُسْنَدُ الصَّحِیحُ الْمُختَصَرُ مِنْ اُمُوْرِ رَسُوْلِ اللهِ صلی الله علیه وسلم وسُنَنِه وَاَیّامِهٖ ہے۔

(۱) بخاری شریف کامل عربی (اردو ترجمہ تین جلدیں) از علامہ وحیدالزّماں

(۲) مرزا حیرت دہلوی

(۳) مولانا عبدالحمید خان

(۴) قاری محمد عادل خان نقش بندی اور قاری محمد فاضل قریشی

(۵) بغیۃ القاری فی ثلاثیات البخاری مترجم نواب صدیق حسن خان

(۶) تجرید بخاری از مولانا شاہ امجد علی رام پوری

(۷) تفہیم بخاری شرح صحیح البخاری

﴿۲﴾ مسلم شریف کے اردو مترجم:

(۱) مولانا وحیدالزماں (۲) علامہ شبیر احمد عثمانی (۳) مولوی خان بہادر عبدالاحد

﴿۳﴾ سنن ابی داؤد کے اردو مترجم:

(۱) مولانا وحید الزماں (۲) مولانا منظور احمد لاہور

﴿۴﴾ جامع الترمذی کے اردو مترجم:

(۱) مولانا محمد صدیق سعید ہزاروی (۲) سید حامد لطیف چشتی

﴿۵﴾ سنن النسائی کے اردو مترجم:

(۱) مولانا محمد شاکر، حافظ محمد عبد الستار قادری

﴿۶﴾ سنن ابن ماجہ کے اردو مترجم:

(۱) مولانا حبیب الرحمٰن صدیقی (۲) علامہ شیخ محمد اشرف

تسخیر المحزون فی سر الامین المامون ترجمہ فوز العیون از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی

﴿۷﴾ **حصن حصین** : محمد بن محمد جزری شافعی مترجم مولانا محمد عبد العلیم، علامہ صدیق ہزاروی

﴿۸﴾ **ریاض الصالحین** : امام محی الدین انی زکریا بن شرف نووِی مترجم مولانا خلیل الرحمٰن نعمانی

﴿۹﴾ **جامع الحدیث:** مولانا احمد رضا خان محدث بریلوی کی تین سو سے زائد تصانیف سے ماخوذ ۳۶۶۲۳/احادیث وآ ثار اور ۱۵۵۵ افادات رضویہ پر مشتمل نایاب مجموعہ ہے جس کی تخریج وترجمہ کا کام مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی نے انجام دیا ہے۔

﴿۱۰﴾ **تجرید صحاح ستہ** : صحاح ستہ کی حدیثوں کا اردو ترجمہ ہے۔ مفتی محمد کریم خاں، مولانا بلال طارق، حافظ محمد عبد الستار، مولانا افضل نعیمی اس کے مترجمین ہیں۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۳﴾ حدیث کی اصطلاحی تعریف کیا ہے؟

﴿۴﴾ صحاح ستہ میں شامل چھ کتب کے نام لکھیں۔

﴿۵﴾ اردو زبان میں بخاری شریف کا ترجمہ کن علماء نے کیا ہے؟

11.06 علمِ فقہ کی کتابوں کے اردو تراجم

علم فقہ کی تعریف:

الفِقْهُ:مَعْرِفَةُدَقائقِ العِلم مَعَ نَوْعِ عِلاج

ترجمہ: علم کی باریکیوں کو مختلف مشقوں سے جاننے کا نام فقہ ہے۔

علم فقہ کا بیشتر سرمایہ عربی زبان میں ہے جس کے اردو زبان میں بہترین تراجم کیے گیے ہیں چند مشہور ومعروف عربی کتب کے نام درج ذیل ہیں۔

﴿۱﴾ **الهدایه:**

شیخ الاسلام برہان الدین ابوالحسن علی ابن ابی بکر فراغانی مرغینانی کی علم فقہ میں مشہور و معروف کتاب ہے جس کا احسن الہدایہ کے نام سے مفتی عبدالحلیم قاسمی بستوی نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔

﴿۲﴾ **فتوی عالم گیری :**

مغل بادشاہ اورنگ زیب کی سرپرستی میں اپنے وقت کے جید مفتیان کرام کے ذریعہ تحریر کیا گیا فتوی کا مجموعہ ہے۔ اسے فتاوی ہندیہ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ درج ذیل حضرات نے اس کے اردو تراجم کیے ہیں۔

(۱) حضرت مولانا ابوسعید محمد صادق بن حافظ قادری (۲) مولانا احتشام الدین (۳) مولانا مفتی کفیل الرحمٰن

﴿۳﴾ **فتاوی قاضی خان :**

فتاوی قاضی خان فقہ حنفی کی انتہائی معتبر و اہم کتاب ہے۔ اس کا اردو ترجمہ شیخ الحدیث مفتی محمد صدیق ہزاروی نے کیا ہے۔

﴿۴﴾ **فتاوی شامی :**

اس کا پورا نام **رد المحتار علی الدر المختار** ہے۔ اس کے مصنف محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الدمشقی الحنفی ہیں۔ در اصل یہ **در مختار** کی شرح ہے۔ ادارہ ضیاء المصنّفین بھیرہ شریف سے اس کا اردو ترجمہ شائع ہوا ہے۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۶﴾ فقہ کسے کہتے ہیں؟

﴿۷﴾ فتاویٰ عالمگیری کس کی سرپرستی میں مرتب ہوا؟

﴿۸﴾ فتاویٰ شامی کس کی تصنیف ہے؟

11.07 مختلف مذاہب کی مقدس کتابوں کے اردو تراجم

ہندوستان کثیر المذاہب ملک ہے اس میں مختلف دھرموں کے لوگ اپنی اپنی تہذیب و ثقافت کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایک مذہب کے پیروکاروں کو دوسرے مذہب کے ماننے والوں کی مذہبی و اخلاقی تعلیمات کو جاننے اور سمجھنے کے لیے ترجمہ کی ضرورت درپیش ہوتی ہے۔ کسی مذہب کے متعلق کوئی رائے بنانے سے پہلے اس مذہب کے مذہبی متون و کتب کا مطالعہ ضروری ہوتا ہے۔

مختلف مذاہب کی مقدس کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ جس کا اجمالی خاکہ درج ذیل ہے۔

﴿۱﴾ پنڈت آشورام آریہ چنڈی گڑھی نے ہندو مذہب کے سب سے پہلے وید مقدس رگ وید کا ۱۹۸۴ء میں اردو میں ترجمہ کیا جس کو آریہ پرکاشن نے شائع کیا ہے۔ پنڈت جی نے اس کے علاوہ دیگر ویدوں کے بھی اردو میں ترجمے کیے ہیں۔

﴿۲﴾ مولوی عبدالحق صاحب وِدیارتھی نے دوسرے مقدس وید یجروید کا اردو میں ترجمہ کیا جسے ۱۹۲۷ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے زیر اہتمام شائع کیا گیا تھا۔

﴿۳﴾ جناب منشی رام جی مل صاحب کپور سنبھلی متخلص بہ رام نے گلزار معرفت کے نام سے مہابھارت مسدّس کو دل فریب انداز میں تحریر کیا ہے۔ جسے ساہتیہ نکیتن کانپور نے شائع کیا ہے۔

﴿۴﴾ گیندن لال بے نوا پیلی بھیتی نے رام چرت مانس، شری مدبھگوت گیتا اور اقتباسات مہابھارت کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔

﴿۵﴾ منشی طوطا رام نے مہابھارت منظوم کے نام سے مہابھارت کا اردو میں ترجمہ کیا ہے جسے منشی نول کشور پریس لکھنؤ نے شائع کیا تھا۔

﴿۶﴾ تمام مقدس کتب میں بائبل ہی ایسی کتاب ہے جسے دنیا کی اکثر و بیشتر زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔ انجیل کا سب سے پہلے اردو ترجمہ بنجامن شلٹز نے انجیل مقدس کے نام سے کیا ہے۔

﴿۷﴾ پاکستان بائبل سوسائٹی نے 1995ء میں انجیلِ مقدّس کے نام سے بائبل کا اردو میں ترجمہ شائع کیا تھا۔

﴿۸﴾ سکھ مذہب کے دسویں گروشری گوبند سنگھ جی مہاراج کے دسم گرنتھ کو پنڈت سکھ لال اپدیشک جی نے گورمکھی (Gurmukhi) زبان سے اردو میں ترجمہ کیا تھا۔

﴿۹﴾ مخمور جالندھری نے گوپال سنگھ کی کتاب گرونانک دیو کا اردو میں ترجمہ کیا۔

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ سیکڑوں کی تعداد میں مختلف مذاہب کی کتب کو اردو میں منتقل کیا گیا ہے جس سے اردو داں طبقہ دیگر مذاہب کی تعلیمات سے روبرو ہو سکا۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۹﴾ فقہ کسے کہتے ہیں؟

﴿۱۰﴾ رِگ وید کا اردو میں ترجمہ کس نے کیا؟

﴿۱۱﴾ بائبل کا سب سے پہلا اردو ترجمہ کس نے کیا؟

11.08 مذہبی کتب کے تراجم کے مسائل

﴿۱﴾ مذہبی کتب کا ترجمہ محض ایک لسانی عمل نہیں بلکہ ایک فکری، روحانی اور تہذیبی ذمے داری ہے۔

﴿۲﴾ مذہبی متون کے ترجمے میں زیادہ احتیاط، گہرائی اور معنوی وفاداری درکار ہوتی ہے۔

﴿۳﴾ سب سے بنیادی مسئلہ مترجم کو مناسب الفاظ کے انتخاب میں درپیش آتا ہے۔ مذہبی اصطلاحات اکثر اپنے اندر گہرے مفاہیم، مخصوص سیاق اور تاریخی و دینی پس منظر رکھتی ہیں، جن کا لفظی ترجمہ ان کے اصل مفہوم کو مسخ کر سکتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید، حدیث، یا کسی مذہبی متن میں استعمال ہونے والے الفاظ ہیں جن کا ترجمہ کرتے وقت صرف لغوی معنی کافی نہیں ہوتے بلکہ اس عقیدے اور نظریے کو بھی مدنظر رکھنا ہوتا ہے جس کے تحت وہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

﴿۴﴾ اسی طرح بعض الفاظ ایک زبان میں معمولی لگ سکتے ہیں، مگر دوسری زبان میں وہ بے ادبی یا گستاخی کے مفہوم میں آسکتے ہیں۔ مثلاً عربی زبان میں لفظ ضالاً کا عمومی معنی گمراہی اور راہ بھٹکنے کے ہیں۔ مختلف مترجمین نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ کے درج ذیل تراجم کیے ہیں۔

آیت کریمہ : **''وَوَجَدَکَ ضَالًّا فَهَدَىٰ''**

(۱) مولانا شاہ رفیع الدین: ''اور پایا تجھ کو راہ بھولا، ہوا پس راہ دکھائی''

(۲) ڈپٹی نذیر احمد: ''اور تم کو دیکھا راہ حق کی تلاش میں بھٹکے بھٹکے پھر رہے ہو، تو تم کو دین اسلام کا سیدھا راستہ دکھایا''

(۳) مولانا اشرف علی تھانوی: ''اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (شریعت سے) بے خبر پایا، سو آپ کو شریعت کا راستہ بتلا دیا''

(۴) مولانا احمد رضا خان بریلوی: ''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا، تو اپنی طرف راہ دی''

﴿۵﴾ اس کے علاوہ مترجم کو دونوں زبانوں پر مکمل دسترس ہونی چاہیے۔ نہ صرف قواعد ولغت کے لحاظ سے بلکہ دینی سطح پر بھی۔ مذہبی متون کا ترجمہ کرنے والے شخص کے لیے لازم ہے کہ وہ اس مذہب کی تعلیمات سے واقف ہو اور ساتھ ہی وہ زبان جس میں ترجمہ کیا جا رہا ہے، اس کے اسلوب، مزاج اور ثقافت سے بخوبی آشنا ہو۔

﴿۶﴾ آخر میں، مذہبی متون کے تراجم میں مترجم کی نیت، ایمان داری، اور فکری دیانت بھی بے حد اہم ہے۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۱۲﴾ مذہبی کتب کے ترجمے میں صرف لغوی معنی کیوں کافی نہیں ہوتے؟

﴿۱۳﴾ مترجم کو مذہبی متون کے ترجمے میں کن چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے؟

11.09 خلاصہ

ترجمہ کسی بھی زبان وتہذیب کے علمی ارتقاء کا ایک لازمی حصہ ہے۔ یہ نہ صرف الفاظ کی تبدیلی ہے بلکہ تہذیبوں، ادیان اور اقوام کے درمیان فکری، روحانی اور اخلاقی رابطے کا ایک مؤثر ذریعہ بھی ہے۔ اردو زبان، جو برصغیر کی ایک اہم زبان ہے، اس نے اسلامی اور دیگر مذاہب کی مقدس کتابوں کے تراجم کے ذریعے دینی فہم کو عوام تک منتقل کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

﴿۱﴾ شریعتِ اسلامیہ کے دو بنیادی مآخذ (۱) کلامِ الٰہی (قرآن کریم) (۲) ارشاداتِ نبویہ (احادیثِ مبارکہ)

ان دونوں مآخذ کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا ایک مسلمان کی انفرادی واجتماعی زندگی کے لیے لازمی ہے۔

قرآنِ کریم کی تعلیمات کو عوام تک پہنچانے کے لیے علما نے عربی سے اردو میں تراجم کیے۔ ابتدائی تراجم میں دو نام نمایاں ہیں:

(۱) شاہ رفیع الدین دہلوی: آپ نے سب سے پہلا لفظی ترجمہ کیا۔

(۲) شاہ عبدالقادر دہلوی : آپ نے قرآن کا بامحاورہ اور سلیس اردو ترجمہ کیا۔ مفاہیم کو واضح کرنے کے لیے قوسین کا استعمال کیا۔

بعدۂ اردو تراجم میں متعدد علما نے خدمات انجام دیں، جن میں مولانا ابوالکلام آزاد، علامہ شبیر احمد عثانی، سید احمد خان، مولانا مودودی، مولانا احمد رضا خان بریلوی وغیرہ شامل ہیں۔ حدیث کی لغوی تعریف ''بات چیت یا گفتگو'' ہے جبکہ اصطلاحاً ہر وہ قول، فعل، تقریر یا خصلت جو نبی کریم ﷺ سے منسوب ہو، حدیث کہلاتی ہے۔

﴿۲﴾ حدیث کی کتابوں کے اردو تراجم

صحیح بخاری: مترجمین میں علامہ وحید الزماں، مرزا حیرت دہلوی، قاری محمد عادل خان شامل ہیں۔

مسلم شریف: علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا وحید الزماں۔

﴿۳﴾ علم فقہ اور اس کے اردو تراجم

فقہ اسلامی قانون و شریعت کی تفصیل و تشریح ہے۔ چوں کہ فقہی کتب کا اصل ذخیرہ عربی میں ہے، علما نے اردو زبان میں ان کے تراجم کر کے عوامی فہم کو ممکن بنایا۔

الہدایہ: مفتی عبدالحلیم قاسمی بستوی

فتاویٰ عالمگیری: مولانا ابو سعید محمد صادق، مولانا احتشام الدین

فتاویٰ قاضی خان: مترجم مفتی محمد صدیق ہزاروی

ردالمحتار (فتاویٰ شامی): اردو ترجمہ ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف

﴿۴﴾ دیگر مذاہب کی مقدس کتب کے اردو تراجم

ہندوستان کثیر المذاہب ملک ہے جہاں ہندو، سکھ، عیسائی، مسلمان اور دیگر مذاہب کے پیروکار بستے ہیں۔ بین المذاہب ہم آہنگی اور فہم کے لیے مختلف مذاہب کی مقدس کتابوں کو اردو میں ترجمہ کیا گیا۔

رِگ وید: مترجم پنڈت آشورام آریہ

یَجُر وید: مترجم مولوی عبدالحق ودیارتھی

مہابھارت و بھگوت گیتا: مترجم گیندن لال، منشی طوطا رام

عیسائیت:

بائبل/انجیل: پہلا اردو ترجمہ بنجامن شلٹز نے کیا، بعد میں پاکستان بائبل سوسائٹی نے جدید ترجمہ شائع کیا۔

سکھ مت:

دسم گرنتھ: ترجمہ پنڈت سکھ لال اپدیشک

گرونانک دیو جی کی تعلیمات: مترجم مخمور جالندھری

11.10 فرہنگ

اِجمالی خاکہ	: مختصر خاکہ، سرسری تعارف	فصاحت	: زبان کی روانی اور خوبی، واضح اور خوبصورت انداز میں بولنا
ارشاداتِ نبویہ	: رسول اکرم ﷺ کے اقوال وہدایات		
پیروکار	: ماننے والا، عقیدہ رکھنے والا، کسی مذہب یا شخصیت کے عقائد کو ماننے والے	فقہ	: اسلامی احکام کو دلیل کے ساتھ جاننے کا علم
		فکری	: سوچ یا عقل سے متعلق

تحت اللفظ	: لفظ بہ لفظ ترجمہ، یعنی ہر لفظ کا الگ الگ مطلب دینا
تخریج	: کسی حدیث کی اصل ماخذ سے سند کے ساتھ تحقیق
ترجمہ	: کسی زبان کے الفاظ کو دوسری زبان میں منتقل کرنا
ترسیل	: پہنچانا، منتقل کرنا
ترویج	: پھیلاؤ، اشاعت
تصانیف	: لکھی ہوئی کتب
تقریر	: کسی کام پر خاموشی سے رضامندی دینا
تہذیب	: رہن سہن، طور طریقے، کلچر
جانفشانی	: انتھک محنت، دل و جان سے کوشش
سنت	: نبی کریم ﷺ کا طریقہ، عمل
شرح	: کسی کتاب یا عبارت کی تفصیل و وضاحت
شریعت	: اسلامی قانون، دین کے احکامات و اصول
صوفیاء	: صوفی کی جمع، روحانی مسلمان جو زہد، تقویٰ اور باطنی صفائی پر زور دیتے ہیں
فیض	: فائدہ، برکت، علم یا نعمت حاصل ہونا
قوسین	: ان نشانات کا استعمال، عام طور پر وضاحت کے لیے
کثیر المذاہب	: مختلف مذاہب پر مشتمل
کلامِ الٰہی	: اللہ کا کلام، قرآنِ مجید
لسانی	: زبان سے متعلق یا زبان کا
ماخذ	: ذریعہ، بنیاد
متون	: جمع ''متن''، کی اصل عبارتیں، خاص طور پر مذہبی یا ادبی مواد
محدث	: حدیث کا عالم
مذاہب	: جمع ''مذہب''؛ عقائد یا ادیان جیسے اسلام، عیسائیت، ہندومت وغیرہ
مستند	: معتبر، قابلِ بھروسا
مصنف	: کتاب لکھنے والا یا مؤلف
مفتی	: ایسا عالم دین جو شریعت کی روشنی میں سوالات کے جوابات دے
مقدس	: پاک، قابلِ احترام

11.11 نمونہ امتحانی سوالات

الف: درجِ ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰/۱۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : قرآن پاک کا سب سے پہلا ترجمہ کس نے کیا؟

سوال نمبر۲ : شاہ عبدالرحیم دہلوی شاہ عبدالقادر دہلوی کے کون تھے؟

سوال نمبر۳ : اردو میں مذہبی کتب کے تراجم کی روایت کب سے شروع ہوئی؟

ب: درجِ ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰/۳۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : ویدوں کے اردو تراجم کس نے کیے؟ لکھیے

سوال نمبر۲ : قرآن پاک کے چھ اردو مترجمین کے نام تحریر کیجیے۔

سوال نمبر۳ : کتبِ احادیث کے چھ اردو مترجمین کے نام تحریر کیجیے۔

معروضی سوالات

سوال نمبر۱ : دنیا میں انجیل کے بعد سب سے زیادہ کس مقدس کتاب کے تراجم کیے گیے ہیں؟

(الف) زبور (ج) قرآن پاک

(ب) توریت (د) گیتا

سوال نمبر۲ : حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور شاہ رفیع الدین دہلوی کے درمیان کیا تعلق ہے؟

(الف) باپ بیٹے کا (ج) بیٹے باپ کا

(ب) دادا بھتیجے کا (د) کوئی رشتہ نہیں

سوال نمبر۳ : شریعت کے بنیادی طور پر کتنے مآخذ ہیں؟

(الف) تین (ج) چھ

(ب) دو (د) سات

سوال نمبر۴ : درج ذیل میں کون سی کتاب علم حدیث کے زمرے میں نہیں آتی ہے؟

(الف) بخاری شریف (ج) شامی

(ب) مشکوۃ شریف (د) ترمذی شریف

سوال نمبر۵ : درج ذیل میں علم فقہ کی کتاب کی نشان دہی کیجیے۔

(الف) ریاض الصالحین (ج) بخاری شریف

(ب) ابن ماجہ (د) فتوی قاضی خان

سوال نمبر۶ : رگ وید کا اردو میں ترجمہ کس نے کیا تھا؟

(الف) مالک رام (ج) مولوی عبدالحق

(ب) پنڈت آشورام آریہ چنڈی گڑھی (د) آچاریہ رام چندر

سوال نمبر۷ : کس طرح کے متون کا ترجمہ کرنا بہت مشکل کام ہے؟

(الف) ادبی متون کا (ج) مذہبی متون کا

(ب) صحافتی متون کا (د) علمی متون کا

معروضی سوالات کے جوابات

جواب نمبر۱ : (ج) قرآن پاک

جواب نمبر۲ : (الف) باپ بیٹے کا

جواب نمبر۳ : (ب) دو

جواب نمبر۴ : (ج) شامی

جواب نمبر۵ : (د) فتوی قاضی خان

جواب نمبر۶ : (ب) پنڈت آشورام آریہ چنڈی گڑھی

جواب نمبر۷ : (ج) مذہبی متون کا

11.12 حوالہ جاتی کتب

۱۔ اردو اصطلاحات سازی از ابوسلمان شاہ جہاں پوری

۲۔ ترجمہ کا فن اور روایت از پروفیسر قمر رئیس

۳۔ دارالترجمہ کی عثمانیہ کی علمی و ادبی خدمات از ڈاکٹر مجیب الاسلام

۴۔ فن ترجمہ نگاری از ڈاکٹر خلیق احمد

11.13 اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

﴿۱﴾ قرآن پاک کا سب سے پہلا اردو ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی نے کیا۔

﴿۲﴾ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی نے ترجمہ کرتے وقت الفاظ کے انتخاب اور قوسین کے استعمال کا خاص خیال رکھا، جس سے ترجمے کا حسن بڑھ گیا۔

﴿۳﴾ ہر وہ قول، فعل، تقریر یا خصلت جو رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہو، وہ حدیث کہلاتی ہے۔

﴿۴﴾ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع الترمذی، سنن النسائی، سنن ابن ماجہ

﴿۵﴾ بخاری شریف کا اردو ترجمہ علامہ وحیدالزماں، مرزا حیرت دہلوی، قاری محمد عادل خان نقشبندی اور مولانا عبدالحمید خان سمیت کئی علماء نے کی ہے۔

﴿۶﴾ علم کی باریکیوں کو مختلف مشقوں سے جاننے کا نام فقہ ہے۔

﴿۷﴾ فتاویٰ عالمگیری مغل بادشاہ اورنگزیب کی سرپرستی میں مرتب ہوا۔

﴿۸﴾ فتاویٰ شامی کی تصنیف محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الدمشقی الحنفی نے کی۔

﴿۹﴾ کیوں کہ یہاں مختلف مذاہب کے لوگ اپنی اپنی تہذیب اور عقائد کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔

﴿۱۰﴾ رگ وید کا اردو میں ترجمہ پنڈت آشورام آریہ چنڈی گڑھی نے ۱۸۹۴ء میں کیا تھا۔

﴿۱۱﴾ بائبل کا سب سے پہلا اردو ترجمہ بنجامن شلٹز نے ''انجیلِ مقدس'' کے نام سے کیا تھا۔

﴿۱۲﴾ کیوں کہ مذہبی الفاظ میں گہرے مفاہیم، مخصوص سیاق وسباق اور تاریخی و دینی پس منظر ہوتے ہیں، جنہیں سمجھنا ضروری ہوتا ہے تا کہ اصل مفہوم برقرار رہے۔

﴿۱۳﴾ مترجم کو دونوں زبانوں پر مکمل دسترس، دینی تعلیمات کی سمجھ، ثقافت اور اسلوب سے آشنائی، اور ترجمے میں ایمان داری اور نیت کی صفائی رکھنی چاہیے۔

✵

اکائی 12 اُردو صحافت میں ترجمہ کی روایت و اہمیت اور مسائل

ساخت

12.01 : اغراض و مقاصد
12.02 : تمہید
12.03 : اُردو صحافت کی روایت
12.04 : صحافتی تراجم کی اہمیت
12.05 : صحافتی تراجم کی خصوصیات
12.06 : اُردو صحافت میں ترجمہ کے دوران درپیش مسائل
12.07 : خلاصہ
12.08 : فرہنگ
12.09 : سوالات
12.10 : حوالہ جاتی کتب
12.11 : اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

12.01 اغراض و مقاصد

اس اکائی میں صحافت کی اصطلاحی تعریف، اس کی نوعیت اور اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ خاص طور پر اردو صحافت میں ترجمے کی روایت کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس اکائی میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ایک کامیاب صحافتی ترجمے میں کن کن خوبیوں کا ہونا ضروری ہے، جیسے درستگی، سلاست، اصل مفہوم کی حفاظت اور عوامی فہم، ساتھ ہی ساتھ ترجمے کے دوران پیش آنے والے مسائل اور ان کے ممکنہ حل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

12.02 تمہید

صحافت ایک ایسا پیشہ ہے جس کے ذریعہ معلومات، خبریں اور مختلف لوگوں کی آرا کو عوام الناس تک مختلف ذرائع ابلاغ کے توسط سے مؤثر انداز میں پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وہ مختلف ذرائع ابلاغ درج ذیل میں سے کچھ بھی ہو سکتے ہیں۔

اخبارات، رسائل، جرائد، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور موجودہ دَور کے فیس بک، ٹیوٹر، یوٹیوب، انسٹاگرام جیسے مروّجہ ذرائع بھی موجود ہیں۔ صحافت کا مقصود اصلی عوام کو باخبر رکھنا، رائے عامہ بنانا، کسی مُدے کو لے کر کوئی نیریٹو (Narrative) تشکیل دینا، حکومتی اداروں کا احتساب کرنا، سیاسی رہنماوں سے سوال جواب کر کے جواب دہی طے کرنا ہے۔ غیر جانبداریت اور دیانت داری اچھی صحافت کا اصولِ اوّل قرار دیا جاتا ہے۔

صحافت عربی لفظ ''صحیفہ'' سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے ''مطبوعہ صفحہ'' یا ''کتابی صفحہ''۔ لفظ ''صحیفہ'' دراصل وہ کاغذ ہوتا تھا جس پر کوئی مواد یا خبر چھپی ہوتی تھی۔ اسی سے ''صحافت'' کا مفہوم اخذ کیا گیا ہے، جو کسی خبر یا مواد کو عوام تک پہنچانے کے عمل کو ظاہر کرتا ہے۔

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید تحریر کرتے ہیں:

> ''صحافت کا لفظ صحیفہ سے نکلا ہے اور صحیفہ کے لغوی معنی کتاب یا رسالہ کے ہیں۔ بہر حال عملا ایک عرصہ دراز سے حیلہ سے مراد ایک ایسا مطبوعہ مواد ہے جو مقررہ وقوں پر شائع ہوتا ہے۔ چنانچہ تمام اخبارات و رسائل صحیفہ ہیں اور جو لوگ ان کی ترتیب وحسن اور تحریر سے وابستہ ہیں انہیں سائی کہا جاتا ہے اور ان کے پیٹے کو صحافت کا نام دیا گیا ہے۔ صحافت کا مترادف انگریزی لفظ جرنلزم (Journalism) ہے جو جیل سے جایا گیا ہے۔ جوش کے لغوی معنی ہیں روزانہ حساب کا بہی کھاتہ، روزنامچہ۔''

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۱﴾ صحافت کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

﴿۲﴾ صحافت کا لفظ کس زبان سے لیا گیا ہے اور اس کا مطلب کیا ہے؟

﴿۳﴾ جرنلزم (Journalism) کا مطلب کیا ہے اور یہ کس لفظ سے نکلا ہے؟

12.03 اُردو صحافت کی روایت

اُردو صحافت کی عمر تقریباً اتنی ہی ہے جتنی خود اردو زبان کی۔ اردو صحافت کی باقاعدہ تاریخ تقریباً ڈیڑھ سو برس پر محیط ہے۔ اس کا آغاز ۱۸۲۲ء میں کلکتہ شہر سے ہوا، جب اردو کا سب سے پہلا اخبار جامِ جہاں نما شائع ہوا۔ اس کے بانی شری ہری دت اور مدیر لالہ سدا سکھ تھے۔ یہ ایک ہفتہ وار اخبار تھا جو کبھی اردو، کبھی فارسی اور بعض اوقات دونوں زبانوں میں شائع ہوتا تھا۔ یہ وہ دَور تھا جب برطانوی سامراج برصغیر میں اپنے عروج پر تھا۔ ''جامِ جہاں نما'' نے برطانوی حکومت کے اس خفیہ منصوبے کو بے نقاب کر دیا جس کے تحت وہ سکھ ریاست پنجاب پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ اس انکشاف کی پاداش میں اخبار کو حکومتی دباؤ اور عتاب کا سامنا کرنا پڑا۔

اردو صحافت کے آغاز کے حوالے سے محققین کے درمیان اختلافِ رائے بھی جاتا ہے۔ بعض مؤرّخین کے مطابق اردو کا پہلا اخبار اخبارِ دہلی تھا، جسے مولوی باقر علی (مولانا محمد حسین آزادؔ کے والد) کی سرپرستی میں جاری کیا گیا۔ یہ اخبار اپنی بے باکی اور آزاد صحافت کے لیے جانا جاتا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے دَوران مولوی باقر پر حکومت سے بغاوت اور عوامی جذبات کو برانگیختہ کرنے کے الزامات لگا کر انہیں پھانسی دے دی گئی۔ اردو صحافت میں دوسرا اہم نام سیّد الاخبار کا آتا ہے جسے سرسید احمد خان کے بھائی نے جاری کیا تھا۔ اسی اخبار کے ذریعے سرسید نے اپنی علمی، ادبی اور سماجی فکر کو عوام تک پہنچایا۔ اردو صحافت کی ترقی میں متعدد شخصیات نے نمایاں کردار ادا کیا جن میں:

﴿۱﴾ مولانا ظفر علی خان: مولانا ظفر علی خان اردو صحافت میں ایک مردِ مجاہد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کی پیدائش قصبہ کوٹ سیالکوٹ پاکستان میں ہوئی تھی۔ وہ معروف زمانہ اردو اخبار زمیندار کے مدیر تھے۔ مولانا نے اس اخبار کے ذریعہ سماجی، سیاسی اور تہذیبی موضوعات پر مؤثر انداز میں تحریریں پیش کی تھی۔

﴿۲﴾ مولانا محمد علی جوہر: آپ کی پیدائش ۱۸۷۸ء میں ضلع رام پور میں ہوئی تھی۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد سیاست وصحافت سے رشتہ جوڑ لیا۔مولانا جوہر کی زیرِ ادارت ''کامریڈ اور ہمدرد'' نکلتے تھے۔

﴿۳﴾ مولانا ابوالکلام آزاد(،الہلال والبلاغ)

﴿۴﴾ مولانا حسرت موہانی(اردوئے معلّٰی)

﴿۵﴾ سید امتیاز علی تاج(کہکشاں)

﴿۶﴾ سر سید احمد خاں(تہذیب الاخلاق)

﴿۷﴾ عبدالقادر(مخزن)

﴿۸﴾ خواجہ حسن نظامی(نظام المشائخ)

﴿۹﴾ مولوی عبدالحق(اردو سہ ماہی)

﴿۱۰﴾ راشد الخیری(عصمت)وغیرہ شامل ہیں۔

ان شخصیات نے نہ صرف صحافت کو ایک فکری تحریک میں ڈھالا بلکہ اردو زبان کی خدمت میں بھی اہم کردار ادا کیا۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۴﴾ اُردو کا پہلا اخبار کون سا تھا اور کب شائع ہوا؟

﴿۵﴾ اخبارِ دہلی" کے مدیر کون تھے اور ان کا انجام کیا ہوا؟

﴿۶﴾ مولانا ظفر علی خان نے کس اخبار کی ادارت کی؟

﴿۷﴾ سر سید احمد خان نے اردو صحافت کے لیے کیا کردار ادا کیا؟

﴿۸﴾ اُردو صحافت کے ابتدائی دور میں اخبار کن زبانوں میں شائع ہوتا تھا؟

12.04 صحافتی تراجم کی اہمیت

ترسیل وابلاغ انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔انسان جب سے اس دنیا میں آیا ہے، وہ خیالات، جذبات اور معلومات کو دوسروں تک پہنچانے کے طریقے ڈھونڈتا رہا ہے۔وقت کے ساتھ زبان نے جنم لیا اور پھر زبان نے تہذیب وتمدّن کی بنیاد رکھی۔زبان کے ذریعے نہ صرف ہم اپنی بات دوسروں تک پہنچاتے ہیں بلکہ دوسروں کی باتیں سمجھ کر ان سے ربط وتعلق قائم کرتے ہیں۔آج کے ترقی یافتہ اور تیز رفتار دَور میں یہ ربط صرف مقامی سطح پر محدود نہیں رہا بلکہ عالمی سطح پر معلومات کے تبادلے کی ضرورت نے ترجمے کو ایک ناگزیر ضرورت بنا دیا ہے، خاص طور پر صحافت کے میدان میں۔صحافت معاشرے کا ایک اہم ستون ہے۔یہ عوام کو معلومات، خبریں، تجزیے اور رائے فراہم کرتی ہے۔صحافت ہی کے ذریعے لوگ قومی و بین الاقوامی حالات سے باخبر رہتے ہیں لیکن جب بات بین الاقوامی خبریں یا غیر ملکی ذرائع سے حاصل کردہ معلومات کی ہو تو زبان ایک رکاوٹ بن جاتی ہے۔ہر شخص انگریزی، چینی، فرانسیسی یا دیگر عالمی زبانوں پر عبور نہیں رکھتا اس لیے ترجمے کے ذریعے یہ معلومات مقامی زبان، جیسے اردو میں منتقل کی جاتی ہیں تاکہ عوام تک رسائی ممکن ہو سکے۔

اردو زبان میں بین الاقوامی نوعیت کا ہر مواد براہ راست دستیاب نہیں ہوتا۔ سیاست، سائنس، معیشت، صحت، ماحولیات اور دیگر شعبوں کی اہم معلومات اکثر غیر ملکی زبانوں میں ہوتی ہیں۔ انگریزی زبان اس وقت بین الاقوامی رابطے کی سب سے بڑی زبان ہے۔ اردو صحافی جب انگریزی ذرائع سے خبریں اور تجزیے ترجمہ کر کے پیش کرتے ہیں تو اردو قارئین کو بھی ان معلومات تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔

عام اردو بولنے والے افراد کے لیے غیر ملکی زبانوں کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ ترجمے کی بدولت وہ بھی بین الاقوامی اُمور، جدید تحقیق اور دیگر اہم موضوعات سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔ ترجمے کی بدولت اردو صحافت میں مختلف موضوعات جیسے عالمی سیاست، اقوام متحدہ کی خبریں، سائنس وٹیکنالوجی، بین الاقوامی کھیلوں کے مقابلے، ماحولیاتی تبدیلی وغیرہ شامل کیے جاسکتے ہیں جو کہ اردو میں براہ راست کم دستیاب ہوتے ہیں۔ جب دوسری زبانوں کے مضامین اردو میں ترجمہ کیے جاتے ہیں تو ان کے ساتھ نئی اصطلاحات، الفاظ اور اندازِ بیان بھی اردو میں شامل ہوجاتے ہیں۔ یہ اردو زبان کی ترقی اور وسعت کا ذریعہ بنتا ہے۔

ترجمے کے ذریعے اردو صحافت میں علمی، ادبی، سائنسی اور فکری مواد کا ذخیرہ بڑھتا ہے، جس سے قارئین کو معیاری اور وسیع علم فراہم ہوتا ہے۔ چوں کہ صحافت کی زبان سادہ اور عام فہم ہوتی ہے، اس لیے ترجمہ شدہ اصطلاحات کو بھی آسان اور سلیس انداز میں پیش کیا جاتا ہے، جس سے قارئین انہیں بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ ترجمے کے ذریعے جب قارئین نئے موضوعات اور نظریات سے واقف ہوتے ہیں تو ان میں مطالعے کا شوق بڑھتا ہے اور ان کی سوچنے اور تجزیہ کرنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ترجمے کے ذریعے اردو صحافت عالمی صحافت سے جڑ جاتی ہے۔ مختلف تہذیبوں، معاشروں اور اقوام کے درمیان فکری اور معلوماتی تبادلہ ممکن ہوتا ہے جو کہ باہمی ہم آہنگی کو فروغ دیتا ہے۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۹﴾ ترجمہ اردو صحافت میں کیوں ضروری ہے؟

﴿۱۰﴾ ترجمے کے اردو زبان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

12.05 صحافتی تراجم کی خصوصیات

صحافت عوام کو خبروں، معلومات، تجزیوں اور مختلف موضوعات سے باخبر رکھنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ کسی بھی صحافتی ادارے کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ ایسی زبان استعمال کرے جو عام فہم، سادہ، غیر مبہم اور مؤثر ہوتا کہ ہر طبقہ کے افراد اسے آسانی سے سمجھ سکیں۔ صحافتی زبان کا اصل مقصد قارئین یا ناظرین تک خبر یا اطلاع کو درست، فوری اور موثر انداز میں پہنچانا ہوتا ہے۔

ایک کامیاب صحافی وہی سمجھا جاتا ہے جو زبان و بیان پر عبور رکھتا ہو اور موقع و محل کے مطابق الفاظ کا درست استعمال جانتا ہو۔ خبروں میں غیر ضروری الفاظ، مبالغہ آمیزی، غیر واضح اصطلاحات یا ذاتی رائے کی آمیزش سے اجتناب ضروری ہے کیوں کہ اس سے خبر کی سچائی اور اس کی اثر انگیزی متاثر ہوسکتی ہے۔ صحافت کا تقاضا ہے کہ الفاظ نہایت نپے تلے، جامع اور مقصد سے ہم آہنگ ہوں۔ صحافتی زبان میں اختصار اور جامعیت کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ خبر کے ہر جملے میں صرف وہی معلومات شامل کی جاتی ہیں جو اس کے موضوع سے براہِ راست تعلق رکھتی ہوں۔ الفاظ کے انتخاب میں احتیاط برتی جاتی ہے تا کہ قاری یا ناظر کو خبر سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ اس کے علاوہ صحافتی زبان میں اعداد و شمار، حوالہ جات اور مصدقہ ذرائع کا ذکر بھی ضروری سمجھا جاتا ہے تا کہ خبر کی سچائی اور اعتبار کو برقرار رکھا جاسکے۔

صحافتی زبان میں ادبی رنگ یا غیر ضروری تزئین و آرائش سے گریز کیا جاتا ہے کیوں کہ اس سے خبر کی سادگی اور سچائی متاثر ہوسکتی ہے۔صحافی کو چاہیے کہ وہ الفاظ کو درست ترتیب سے پیش کرے اور خبر کو اس انداز میں بیان کرے کہ وہ با آسانی ہر طبقے کے قاری یا ناظر کو سمجھ آسکے۔موجودہ دَور میں چوں کہ سوشل میڈیا، ویب سائٹس، ٹی وی چینل اور اخبارات سمیت دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعے خبریں تیزی سے پھیلتی ہیں، اس لیے صحافتی زبان میں جدّت، روانی اور مؤثر ابلاغ کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔

ایک کامیاب صحافی وہی ہوتا ہے جو زبان کے اُصولوں کے مطابق سادہ، واضح اور مدلل انداز میں خبریں تحریر کرے۔کسی خبر کو بیان کرنے کے لیے اس کی ہر ممکنہ صورت اور پہلو یادرکھنا ضروری ہے، جب ہی وہ خبر مکمل اور مؤثر کہلا سکتی ہے۔کسی کو گمراہ کرنے والی، ادھوری یا جانب دار خبر دینا صحافتی اخلاقیات کے خلاف ہے۔خبر نگار کو ہمیشہ غیر جانب دار، سچ پر مبنی اور مکمل معلومات فراہم کرنی چاہیے تا کہ خبر کا اصل مفہوم قاری تک پہنچ سکے۔اردو اخبارات اپنی بیشتر خبریں بین الاقوامی اور قومی خبر رساں ایجنسی سے حاصل کرتے ہیں۔

چند مستند ملکی اور غیر ملکی اداروں کے نام درج ذیل ہیں۔

بین الاقوامی نیوز ایجنسیاں

﴿۱﴾ Agnece France Presse (AFPC)

﴿۲﴾ The Associated Press (AP)

﴿۳﴾ United Press Association (UPA)

﴿۴﴾ Reuters

﴿۵﴾ Xinhua News Agency

﴿۶﴾ Telegraph Agency Of Soviet Union(TASS)

﴿۷﴾ Middle East News Agency

بھارتی ملکی نیوز ایجنسیاں

﴿۱﴾ Press Trust Of India (PTI)

﴿۲﴾ Bhasa: hindi Language Servises (PTI)

﴿۳﴾ United News Of India(UNI)

﴿۴﴾ Asian News International (ANI)

﴿۵﴾ Indo Asian News Servise (IANS)

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۱۱﴾ صحافتی زبان میں سادگی اور عام فہمی کیوں ضروری ہے؟

﴿۱۲﴾ صحافت میں اختصار اور جامعیت کی کیا اہمیت ہے؟

﴿۱۳﴾ خبر کو بیان کرتے وقت صحافی کو کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟

12.06 اُردو صحافت میں ترجمہ کے دوران درپیش مسائل

اُردو صحافت میں ترجمہ ایک نہایت حساس اور پیچیدہ عمل ہے جو محض زبانوں کے بیچ الفاظ کی تبدیلی نہیں بلکہ تہذیب، سیاق، وقت، اور خبر کی روح کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی مؤثر ترسیل کا نام ہے۔ تاہم، اس عمل کے دَوران متعدد چیلنجز مترجم کے سامنے آتے ہیں۔ ذیل میں ان اہم دقتوں اور دشواریوں کی تفصیل پیش کی جارہی ہے:

﴿۱﴾ تربیتی اداروں کی کمی:

اردو صحافت میں ترجمہ نگاری کے میدان میں سب سے بڑی کمی یہ ہے کہ ہمارے ہاں نوآموز مترجمین کے لیے ایسے ادارے موجود نہیں جو انھیں پیشہ ورانہ صحافتی ترجمے کی باضابطہ تربیت فراہم کرسکیں۔ اگر چند ادارے موجود بھی ہیں تو وہ بھی وسائل اور معیار کے لحاظ سے ناکافی ثابت ہورہے ہیں۔

صحافتی ترجمہ ایک مخصوص مہارت کا تقاضا کرتا ہے جو صرف زبان دانی سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے عملی مشق، ادارتی رہنمائی اور جدید صحافتی اسلوب سے آگاہی ضروری ہے۔ لہٰذا ایسے اداروں کا قیام نہایت ضروری ہے جہاں زبان، صحافت، ترجمہ اور ابلاغیات کے ماہرین کی زیرنگرانی باقاعدہ تربیتی ورکشاپس اور عملی مشقیں کرائی جائیں۔

﴿۲﴾ صرف زبان نہیں، موضوعاتی مہارت بھی ضروری:

صحافتی ترجمہ صرف دو زبانوں.....مثلاً انگریزی سے اردو......کے قواعد وضوابط جاننے کا عمل نہیں بلکہ اصل مہارت اس وقت سامنے آتی ہے جب مترجم خبر کے سیاق وسباق، ثقافتی پس منظر کو بھی ملحوظ رکھے۔ مثال کے طور پر اگر کسی خبر کا تعلق چین اور تائیوان، اسرائیل و فلسطین کے سیاسی تنازع سے ہو تو صرف زبان جاننے سے کام نہیں چلے گا۔ مترجم کو ان دونوں خطوں کی تاریخ، سیاسی تعلقات، سفارتی نزاکتیں اور عالمی ردِعمل سے بھی واقفیت ہونی چاہیے، تاکہ ترجمہ نہ صرف درست بلکہ مؤثر اور باخبر ہو۔

بدقسمتی سے ہمارے اکثر مترجمین کو موضوعاتی مطالعہ یا مخصوص میدانوں (جیسے عالمی سیاست، معیشت، سائنس، وغیرہ) کی گہری معلومات حاصل نہیں ہوتیں، جس کے باعث خبری ترجمہ ادھورا یا غلط فہمی پر مبنی ہوجاتا ہے۔

﴿۳﴾ وقت کی قلت:

صحافتی ترجمے کا ایک اہم چیلنج وقت کی پابندی ہے۔ چوں کہ خبریں لمحہ بہ لمحہ بدلتی ہیں اور قارئین وناظرین کو تازہ ترین معلومات درکار ہوتی ہیں، اس لیے مترجمین کو اکثر ایک یا دو گھنٹوں کے اندر ترجمہ مکمل کرکے دینا ہوتا ہے۔

یہ جلد بازی بعض اوقات معیار پر اثر انداز ہوتی ہے۔ مترجم کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ ہر لفظ، اصطلاح یا پس منظر پر تفصیل سے غور کرے، جس سے بعض اوقات ترجمے میں معنوی غلطیاں، ابہام یا ابلاغی کمزوریاں پیدا ہوجاتی ہیں۔

12.07 خلاصہ

اُردو صحافت کی تاریخ تقریباً ڈیڑھ سو برس پر محیط ہے۔ اس کا آغاز ۱۸۲۲ء میں کلکتہ سے ''جامِ جہاں نما'' کی اشاعت سے ہوا۔ بعد ازاں ''اخبارِ دہلی'' اور ''سید الاخبار'' نے بھی اردو صحافت کو جلا بخشی۔ اردو صحافت نے برطانوی سامراج کے خلاف جدوجہدِ آزادی میں اہم کردار ادا کیا، جس کی وجہ سے کئی صحافیوں نے اپنی جانیں قربان کیں، جن میں مولوی باقر نمایاں ہیں۔

اُردو صحافت کے فروغ میں مولانا ظفر علی خان، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد، حسرت موہانی، سر سید احمد خان اور دیگر نامور اہلِ قلم نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان کے اخبارات و رسائل نے علمی، ادبی، سماجی اور سیاسی شعور کو پروان چڑھایا۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اُردو صحافت صرف خبر رسانی کا ذریعہ نہیں رہی بلکہ آزادی کی تحریک، سماجی اصلاح اور فکری بیداری کی مضبوط اساس بھی بنی۔

عالمی سطح پر معلومات کی ترسیل کے لیے ترجمہ ناگزیر ہے۔ اردو صحافت میں غیر ملکی زبانوں (خاص طور پر انگریزی) سے تراجم کے ذریعے قارئین کو سیاست، سائنس، معیشت، صحت، ماحولیات اور کھیلوں سے متعلق معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔ ترجمہ شدہ مواد عوام کو معیاری علم فراہم کرتا ہے اور ان میں مطالعے اور صحافت عوام کو درست، بروقت اور مؤثر انداز میں خبریں اور معلومات فراہم کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔ صحافتی زبان ہمیشہ سادہ، واضح، غیر مبہم اور جامع ہونی چاہیے تاکہ ہر طبقہ اسے آسانی سے سمجھ سکے۔ ایک کامیاب صحافی وہ ہے جو زبان و بیان پر عبور رکھے اور الفاظ کو موقع و محل کے مطابق استعمال کرے۔ صحافت میں اختصار، جامعیت، سچائی اور غیر جانب داری بنیادی تقاضے ہیں۔ خبر میں غیر ضروری الفاظ، مبالغہ، ذاتی رائے یا ادھوری معلومات سے گریز کیا جاتا ہے۔ موجودہ دَور میں ذرائع ابلاغ کی تیز رفتاری کے باعث صحافتی زبان میں جدّت، روانی اور اعتبار کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ اردو اخبارات اپنی بیش تر خبریں ملکی اور بین الاقوامی خبر رساں ایجنسیوں سے حاصل کرتے ہیں، جن میں AFPC، AP، Reuters، Xinhua، TASS، PTI، UNI، ANI وغیرہ شامل ہیں۔

12.08 فرہنگ

آزادیِ اظہار	:	اپنی رائے کھل کر بیان کرنے کا حق	ذرائع ابلاغ	:	خبریں یا معلومات پہنچانے کے ذرائع (جیسے اخبار، ٹی وی وغیرہ)
اِبلاغ	:	اِطلاع دینا، پیغام رسانی			
احتساب	:	جانچ پڑتال، جواب دہی لینا	رُکاوٹ	:	حائل چیز، مانع
اِختصار	:	مختصر انداز میں بات بیان کرنا	سامراج	:	حکمرانی کرنے والی غیر ملکی طاقت، استعمار، نوآبادیاتی حکومت، قابض طاقت
ادھوری	:	جو مکمل نہ ہو			
اشاعت	:	چھپائی اور شائع کرنا، پھیلانا	سچائی	:	حقیقت، سچ پر مبنی ہونا
اِصطلاحات	:	مخصوص الفاظ یا فقرے جو کسی خاص علم یا مضمون سے متعلق ہوں	صحافت	:	اخبار نویسی، خبر رسانی
			عام فہم	:	جو ہر عام شخص آسانی سے سمجھ سکے
اصلاحی	:	سدھارنے والا، بہتری لانے والا	عوام الناس	:	عام لوگ، عام شہری
انقلابی	:	بڑی تبدیلی لانے والا، بغاوت پر مبنی فکر	غیر جانبدار	:	میں کسی طرف جھکاؤ نہ ہو، منصفانہ
انکشاف	:	پردہ فاش کرنا، راز افشا کرنا	غیر جانب داری	:	ایک طرف جھکاؤ نہ رکھنا، انصاف پسندی
اِیجنسی	:	ادارہ یا تنظیم جو خبریں فراہم کرے	غیر مبہم	:	صاف اور واضح، جس میں کوئی ابہام نہ ہو
باقاعدہ	:	منظّم، ترتیب سے	فکری	:	سوچ و فکر سے متعلق
بنیاد	:	اساس، جڑ، اصل	قربان	:	نچھاور کرنا، جان یا چیز دینا

بے باکی	:	نڈر رہنا، بغیر خوف کے اظہار کرنا
پاداش	:	بدلہ، نتیجہ
پروان چڑھایا	:	ترقی دینا، بڑھنے میں مدد دی
تحریک	:	مہم، جدوجہد
ترسیل	:	پہنچانے کا عمل، معلومات یا پیغام کی ترسیل
تقاضے	:	ضروریات، لازمی شرائط
تہذیب وتمدّن	:	مہذب معاشرتی طریقے، ثقافت اور سماجی ترقی
تہذیبی	:	تمدنی، ثقافتی
جامع	:	مکمل، ہر پہلو کو سمیٹنے والا، جس میں تمام پہلو شامل ہوں
خدمات	:	کارنامے، خدماتِ انجام دی گئی
جلا بخشی	:	رونق عطا کی، تازگی یا ترقی دی
حوالہ جات	:	وہ معلومات یا ذرائع جن سے کوئی بات یا دعویٰ ثابت کیا جائے
دباؤ	:	زور، زبردستی
دیانت داری	:	ایمانداری، سچائی

مبالغہ	:	بات کو بڑھا چڑھا کر کہنا
مبالغہ آمیزی	:	بات کو ضرورت سے زیادہ بڑھا چڑھا کر بیان کرنا
مترادف	:	ہم معنی، ایک جیسے مطلب والا لفظ
محیط	:	گھیرنے والا، شامل ہونے والا
مدیر	:	ایڈیٹر، اخبار یا رسالے کا نگران
مطبوعہ	:	چھپا ہوا (پرنٹ کیا گیا)
معیاری	:	اعلیٰ معیار کا، عمدہ
مؤثر	:	جس کا اثر ہو، جو اثر ڈالے، کارگر
مؤرخین	:	تاریخ لکھنے والے، تاریخ دان
ناگزیر	:	جس سے بچا نہ جا سکے، ضروری
نمایاں	:	واضح، اہم، ممتاز
نیریٹو	:	(Narrative) بیانیہ، کسی واقعہ یا موضوع کا بیان
ہم آہنگی	:	میل جول، اتفاق، یکجہتی
وسعت	:	پھیلاؤ، کشادگی
ہم آہنگی	:	میل جول، باہمی مطابقت

12.09 نمونہ امتحانی سوالات

الف: درجِ ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰/۱۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر ۱ : اردو صحافت کا آغاز کس اخبار سے ہوتا ہے؟

سوال نمبر ۲ : ہندوستان کی پانچ خبر رساں اجینسیوں کے نام لکھیں۔

سوال نمبر ۳ : زمیندار اخبار اور اس کے مدیر کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

ب: درجِ ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰/۳۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر ۱ : اردو صحافت کی روایت کے موضوع پر ایک نوٹس تحریر کریں۔

سوال نمبر ۲ : صحافتی ترجمہ نگاری میں درپیش مسائل پر ایک مضمون قلم بند کیجیے۔

سوال نمبر ۳ : اردو صحافت میں ترجمہ نگاری کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟ لکھیے

معروضی سوالات

سوال نمبر۱ : مولانا محمد حسین آزاد کے والد کا کیا نام تھا؟

(الف) مولانا ظفر علی خان (ج) مولوی عبدالرحیم

(ب) مولوی باقر (د) شاہ ولی اللہ دہلوی

سوال نمبر۲ : درج ذیل میں سے کون سی خبر رساں اجینسی کا تعلق ہندوستان سے نہیں ہے؟

(الف) ANI (ج) UNI

(ب) PTI (د) AP

سوال نمبر۳ : درج ذیل میں سے کون سی خبر رساں اجینسی کا تعلق ہندوستان سے ہے؟

(الف) IANS (ج) REUTERS

(ب) APFPC (د) UPA

سوال نمبر۴ : مولانا محمد علی جوہر نے کس اخبار کی ادارت کا فریضہ انجام دیا تھا؟

(الف) کامریڈ (ج) سیدالاخبار

(ب) زمیندار (د) مخزن

سوال نمبر۵ : کس طرح کے ترجمہ میں وقت کی قلت دامن گیر ہوتی ہے؟

(الف) ادبی ترجمہ (ج) مذہبی ترجمہ

(ب) علمی ترجمہ (د) صحافتی ترجمہ

سوال نمبر۶ : صحافتی مترجم کے لیے زبان دانی کے ساتھ ساتھ درج ذیل میں کس خوبی سے آراستہ ہونا چاہیے؟

(الف) سیاست (ج) تاریخی وجغرافیائی پس منظر

(ب) ثقافت (د) سبھی

معروضی سوالات کے جوابات

جواب نمبر۱ : (ب) مولوی باقر — جواب نمبر۴ : (الف) کامریڈ

جواب نمبر۲ : (د) AP — جواب نمبر۵ : (د) صحافتی ترجمہ

جواب نمبر۳ : (الف) IANS — جواب نمبر۶ : (د) سبھی

12.10 حوالہ جاتی کتب

۱۔ ابلاغیات از محمد شاہد حسین

۲۔ اردو صحافت از انور علی دہلوی

۳۔	ترجمہ روایت وفن	از	نثار احمد فاروقی
۴۔	ریڈیائی صحافت	از	سجاد حیدر

12.11 اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

﴿۱﴾ صحافت کا بنیادی مقصد عوام کو باخبر رکھنا، رائے عامہ بنانا، حکومتی اداروں کا احتساب کرنا، اور غیر جانبدارانہ انداز میں معلومات پہنچانا ہے۔

﴿۲﴾ صحافت عربی زبان کے لفظ "صحیفہ" سے لیا گیا ہے، جس کا مطلب ہے ''مطبوعہ صفحہ'' یا'' کتابی صفحہ''۔

﴿۳﴾ جرنلزم انگریزی لفظ ''Journal'' سے نکلا ہے، جس کے لغوی معنی ''روزانہ کا حساب یا روزنامچہ'' کے ہیں۔

﴿۴﴾ اردو کا پہلا اخبار ''جامِ جہاں نما'' تھا، جو سن ۱۸۲۲ء میں کلکتہ سے شائع ہوا۔

﴿۵﴾ ''اخبارِ دہلی'' کے مدیر مولوی باقر علی تھے، جنہیں ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں بغاوت کے الزام میں پھانسی دے دی گئی۔

﴿۶﴾ مولانا ظفر علی خان نے ''زمیندار'' اخبار کی ادارت کی۔

﴿۷﴾ سر سید احمد خان نے ''سید الاخبار'' اور ''تہذیب الاخلاق'' جیسے رسائل کے ذریعے علمی، ادبی اور سماجی خیالات کو فروغ دیا۔

﴿۸﴾ اردو صحافت کے ابتدائی دور میں اخبار کبھی اردو، کبھی فارسی اور بعض اوقات دونوں زبانوں میں شائع ہوتا تھا۔

﴿۹﴾ ترجمہ اس لیے ضروری ہے تاکہ غیر ملکی زبانوں میں موجود اہم خبریں، معلومات اور تحقیق اردو زبان میں عام قارئین تک پہنچائی جا سکیں، جو عالمی امور سے باخبر رہنے میں مدد دیتا ہے۔

﴿۱۰﴾ ترجمے سے اردو زبان میں نئی اصطلاحات، الفاظ اور خیالات شامل ہوتے ہیں، جس سے زبان کی ترقی، وسعت اور علمی دائرہ کار میں اضافہ ہوتا ہے۔

﴿۱۱﴾ تاکہ ہر طبقے کا فرد خبر کو آسانی سے سمجھ سکے اور اصل معلومات تک رسائی حاصل کر سکے۔

﴿۱۲﴾ خبر کو مختصر، بامعنی اور موضوع سے متعلق رکھنے سے قاری کو فوری اور درست معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

﴿۱۳﴾ صحافی کو غیر جانب داری، درست الفاظ کے استعمال، سچائی، مکمل معلومات اور مصدقہ ذرائع کا خیال رکھنا چاہیے۔

اُتراکھنڈ اوپن یونی ورسٹی، ہلدوانی (نینی تال)

SCHOOL OF HUMANITIES

UTTARAKHAND OPEN UNIVERSITY

Teenpani Bypass Road, Behind Transport Nagar

Haldwani - 263 139, Nainital (Uttrakhand)

Phone: 05946-261122, 261123 Fax No.: 05946-264232

www.uou.ac.in   email: info@uou.ac.in

Toll Free No: 1800 180 4025

https://www.youtube.com/@uoulive

اُتراکھنڈ اوپن یونیورسٹی کا عوامی ریڈیو جس کے ذریعہ طلباء کے لئے مفید پروگرام نشر کیے جاتے ہیں:

https://www.youtube.com/@91.2fmhellohaldwani7

تعلیمی رہنمائی اور تازہ معلومات کے لیے ہمارے آفیشل فیس بک پیج اور ٹیلی گرام گروپ سے جڑیں:

https://www.facebook.com/share/1JyY2wfQ56/

https://t.me/+YUciG0acEWAwMTdl

BAUL(N)-321-1(004494)